حصہ دوم
مشکوٰۃِ حقانیت
مملو
بمعارف وارثیہ
از
مولانا فضل حسین صدیقی وارثی اٹاوی

حافظا گر وصل خواہی صلح کن باخاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

رجوعِ خلائق وطریقِ بیعت

حضورِ انور کی ذات ستودہ صفات جن خوبیوں سے آراستہ تھی ان کا تمام و کمال بیان نہیں ہو سکتا ۔ جو بات تھی وہ لاجواب تھی کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی ۔ حضورِ پُر نور کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا جس طرح آپؒ بزرگی و صفات کمالیہ میں ضرب المثل تھے اسی طرح مرجع خلائق بھی تھے ۔ یہ بھی اک دولتِ خداداد ہے کہ خداوند کریم جن مقدس نفوس کی ذات سے اپنی قدرت کاملہ کا کرشمہ حیرت انگیز دکھاتا ہے ۔ ان کی رفعت و منزلت کا مخلوق کے دلوں میں سکہ بٹھا دیتا ہے ۔ حضورِ پرنور مخلوق کی نگاہ میں نہایت درجہ عزیز و محبوب تھے ۔ آپؒ کے محاسن و صفات خوارق عادات و کرامات فیوض و برکات کی مشک و عنبر کی طرح خوشبو پھیلی ہوئی تھی کہ لوگ مست و بیخود ہو کر حضورِ انور پر گرتے تھے ۔:

بُوالفتِ گیسو کی جو چھوٹی تو عجب کیا
تم جانتے ہو مشک خطا ہو نہیں سکتا

حضورِ انور کی جانب جو خلائق کی رجوعات تھی وہ بے مثل تھی جس شہر و قصبہ و قریہ میں آپؒ پہنچتے تھے وہاں کے باشندے بلا تفریق مذہب و ملت مسلمان و ہنود و نصاریٰ و یہود سب کے سب آپؒ کی طرف کھچ آتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چھپی ہوئی زبردست قوت ہے جو سب کو کشاں کشاں لیے چلی آتی ہے ۔

اور آستانۂ عالی پر ہزاروں جانثاروں کا مجمع رہتا تھا ۔ ہر مذہب و ملت کے افراد پر آپؒ کی ولایتِ تامہ کا ایسا اثر تھا جس سے خدا کی شان نظر آتی تھی ۔ دارِ قدس پر زائرین کی بھیڑ لگی رہتی تھی ۔ شانہ سے شانہ چھلتا تھا اور حق تو یہ ہے کہ یہ

نامحدود رجوعاتِ خلق آپؒ کی عظمت وجلالت کی بیّن دلیل تھی۔ بقول مولینا رومؒ ؎ : خود بنا شد آفتاب ہے را دلیل

جستہ گر نورِ آفتاب ہے مستطیل

ایں جلالت در دلالت صادق ست — جملہ ادراکات پستِ اُو سابق ست

آپؒ کی چوکھٹ پر ہر وقت میلہ لگا رہتا تھا۔ سالک مجذوب۔ رندپارسا۔ عالم جاہل فلسفی منطقی۔ نیچری شیعہ۔ سُنّی، یہودی پارسی، انگریز وغیرہ وغیرہ ہر مشرب وملت کے افراد کا جمِ غفیر رہتا تھا۔ خدا کی رحمت کی طرح آپؒ کا دروازہ کسی نیک و بد پر بند نہیں تھا۔ آستانۂ عالی پر عجیب سماں رہتا تھا۔ کوئی تڑپ رہا ہے کوئی کوئی گریہ وبکا میں مبتلا ہے کوئی سَر جھکائے ہوئے مراقب ہے کوئی سربسجود ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے ؎ : (جناب جلیل مینائی)

دیتی ہے مزا ناصیہ سائی ترے در پر

اِک سجدہ جو کرتا ہوں تو کہتی ہے جبیں اور

ایما ہے کہ لوٹا ہی کریں خاک پہ عشاق

منشا ہے کہ ہموار ہو کوچے کی زمیں اور

اللہ اکبر کیسی عظمت و شان تھی کہ بڑے بڑے فلاسفر جو کرامات ومعجزات پر استہزا کرتے تھے آپؒ کے قائل ہو کر جاتے تھے۔ بڑے بڑے دہریوں نے (جو پیر و پیغمبر تو کیا خدا تک کے قائل نہ تھے) حضورِ انور کے دستِ حق پرست پر توبہ کی ہے۔ خدا جانے کیسی کشش تھی کہ کسی خیال سے کوئی شخص سامنے آجائے پھر ممکن نہیں کہ دل سلامت لیکر جا سکے۔ درِ اقدس پر چاروں طرف مجمعِ خلائق رہتا تھا اکثر اوقات راہ چلنا دشوار ہوتا تھا ؎ :

مرا بر کوئے تو رفتن چہ مشکل افتاد ست

بہر کجا کہ نظر میکنم دل افتاد ست

حضورِ انور کا گذر جس راستہ سے ہوتا تھا اس میں چلنا دشوار ہو جاتا تھا جپہ جپہ پر لوگ قدمبوسی کے لیے کھڑے رہتے تھے اور قدم قدم پر آنکھیں بچھائی جاتی تھیں

حضورِ انور کی جانب رجوعِ خلائق تھی اس کا بیان نہیں ہوسکتا۔ جن لوگوں نے وہ سماں دیکھا ہے وہ اس کو قیامت تک نہیں بھول سکتے۔

چنانچہ سیدی مولوی سید شرف الدین صاحب قبلہ وارثی (آنریبل ممبر ایگزیکٹو کونسل بہار) نے اپنی بیعت کا واقعہ خود ارسال فرمایا ہے جو نہایت دلچسپ ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ حضورِ انور کی جانب کیسی رجوعات تھی کہ اکثر لوگوں پر از خود رفتگی کا عالم چھا جاتا تھا۔ جو لوگ بیعت نہیں ہوتے تھے وہ بھی حضورِ انور کے قائل ہو جاتے اور پروانہ کی طرح اس شمعِ احدی کی طرف بے اختیار کھنچ جاتے تھے۔ جناب ممدوح الشان جو اپنی بیعت کا واقعہ ارسال فرماتے ہیں وہ حسبِ ذیل ہے:-

آں دل کہ رم نمودے از خوبرو جواناں
دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے

میرا وطن موضع نیورا میں ہے جو پٹنہ سے قریب اور پھلواری سے زیادہ متصل ہے۔ پھلواری میں ایک خانقاہ ہے جہاں عرصۂ دراز سے صاحب سجادہ رہتے ہیں، جن کے یہاں پیری و مریدی کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ میری یاد میں کل دو شخصوں کو ہمارے موضع میں وہاں بیعت نصیب ہوئی ہے بوجہ انگریزی دانی اور تعلیم موجودہ صاحبانِ نیورہ کو مطلق بیعت کی طرف توجہ نہ تھی بعد اختتام تعلیم میں انگلستان سے ۱۸۸۸ء کے آخر میں واپس آیا اور کچھ دنوں ٹھہر کر کلکتہ گیا اور کلکتہ ہائی کورٹ میں اندراجِ نام کے بعد وکالت شروع کی۔ میرے ایک دوست مسمّی لطافت حسین تعلیم عربی کے زمانہ میں میرے ہم مکتب و ہم سبق تھے۔ اور مولینا عبدالکریم صاحب متوطن شیخ پورہ ہمارے استاد تھے۔

مولینا موصوف نہایت متقی و پرہیزگار عابد و زاہد صابر و شاکر، ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔ اُن کے اوصافِ حسنہ سے ہم لوگوں کا یہ خیال یقین کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا کہ اگر بیعت کوئی چیز ہے تو مولینا عبدالکریم صاحب پیر بنانے کے لائق ہیں۔ جب میں کلکتہ میں تھا تو مولوی لطافت حسین صاحب بھی وہیں تھے۔ ۱۸۹۱ء کے آخر موسم سرما میں وہ پٹنہ آئے اور وہاں کی واپسی پر مجھ سے بیان کیا کہ

مولینا عبدالکریم صاحب پھلواری شریف کے ایک بزرگ سے مرید ہو گئے اور صرف وہی نہیں بلکہ ہماری برادری کے کل مردوں اور عورتوں نے انہیں بزرگ سے بیعت کی ہے۔ مجھے سخت تعجب ہوا کہ کہاں وہ نیچریاپن، وہ انگریزی والی وہ آزادی اور کہاں یہ بیعت۔ میں نے اس خبر کو سن کر مولوی لطافت حسین صاحب سے کہا کہ میں تعطیل میں وطن جاؤں گا اور اپنی برادری والوں کے لیے ایک پاگل خانہ بنواؤں گا۔

ابھی تک مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ وہ بزرگ کون تھے، کہاں کے رہنے والے تھے اور ان کا نام کیا تھا۔ چند ماہ کے بعد جب تعطیل کا زمانہ آیا تو میں پٹنہ پہنچا اور جناب مولینا عبدالکریم صاحب سے قدم بوس ہوا۔ اگرچہ وہ میرے استاد تھے مگر میں ان سے بہت شوخ تھا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ حضور نے مجھے فقہ و فرائض سب فنون پڑھائے مگر یہ نہ بتایا کہ بیعت کیا شے ہے اور ضروری ہے کہ نہیں۔ مولانا نے فرمایا یہ شے ... ہے معمولی سررشتہ کی چیز نہیں ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ بزرگ کہاں کے رہنے والے تھے اور کون تھے۔ انہوں نے پتہ و نشان بتایا۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ آپ کے پیر صاحب میں کچھ کرامات و خوارق عادات وغیرہ ہیں کہ نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ظاہرا اور کوئی بات نہیں دیکھی الاّیہ کہ طمع و حرص بالکل نہیں ہے۔

میرا یہ خیال ہمیشہ سے تھا کہ پیر بننا ایک پیشہ ہے جس کے ذریعہ سے لوگ شکم پروری کرتے ہیں۔ میرے دل میں مولینا کے پیر صاحب کی اتنی قدر ضرور ہوئی کہ وہ دنیادار نہیں ہیں۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک میں اس قصہ کو بھول گیا۔

۱۸۸۳ء کے آخر فروری یا اوائل مارچ میں جناب پیر صاحب پٹنہ تشریف لائے۔ میں اپنے وطن موضع نیورہ میں تھا۔ اس زمانہ میں نیورہ اسٹیشن

لے صوبۂ بہار کے باشندے لکھنؤ بارہ بنکی وغیرہ کو پچھم ہی کہتے ہیں۔

نہ تھا لوگ دانا پور آ کر ریل میں سوار ہوا کرتے تھے۔ میں پٹنہ جانے کے لیے دانا پور کی اسٹیشن پر پہنچا اور جس ٹرین سے میں جانے والا تھا اسی ٹرین میں حضرت اقدس تشریف لانے کو تھے۔ یہ اول دیدار اس جنابؒ کا ہوا جس کی غلامی پر اب مجھے فخر ہے میرے برادر عم زاد خان بہادر مولوی فضل امام صاحب مرحوم و مغفور جناب پیر و مرشد قبلہ و کعبہ کے ہمراہ دیوہ شریف تشریف لائے تھے۔ اسٹیشن دانا پور پر ایک جماعت کثیر مریدین کی موجود تھی۔ میں ان سب سے الگ تھا چند منٹ میں ریل آ پہنچی اور ریزرو فرسٹ کلاس میں ایک نور نظر آیا حسن لاجواب آنکھیں مستانہ اور ریلی، گھونگھر والے سیاہ و سفید بکھرے ہوئے بال، چہرہ پہ بالکل معصومیت۔ ریل کھڑی ہی ہوئی تھی کہ میرے اس وقت کے خیال سے جاہلوں نے قدمبوسی شروع کی، اس وقت میں انگریزی لباس میں تھا، میرے لبوں کے درمیان ایک لمبا چرٹ تھا، مریدوں کے زمرہ سے میں اس خیال سے کہیں جہالت کا دھبہ مجھ پر بھی نہ آجائے۔ بالکل الگ کھڑا تھا، خان بہادر مولوی فضل امام صاحب مجھے اسٹیشن پر دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے مجھے بڑی حیرت ہے کیونکہ دیوہ شریف سے یہاں تک جناب اقدسؒ نے بار ہا تم کو پوچھا ہے کہ نصیر الدین کا بھائی بالسٹر اسٹیشن پر ہوگا کہ نہیں۔ مجھ سے ملے گا کہ نہیں؟"

خان بہادر مولوی نصیر الدین صاحب وارثی سی ایس آئی (مدار المہام ریاست بھوپال) جن کا وصال بھوپال میں ہوا ہے۔ میرے حقیقی منجھلے بھائی تھے۔ بھائی صاحب مرحوم و مغفور ۱۸۹۱ء میں بشمول دیگر صاحبان نیورہ مرید ہو چکے تھے، اس وقت اسٹیشن پر موجود تھے۔ بعد حصول قدمبوسی میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم کو جناب قبلہ سے ملنے میں کچھ عذر تو نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ غرض کہ اسی انگریزی لباس میں ہاتھ میں چرٹ لیے ہوئے میں اس درجہ میں داخل ہوا جس میں حضورؒ رونق افروز تھے۔ حضرت اقدس نے مجھے اپنے بستر پر بیٹھنے کی اجازت دی۔ میں اس وقت بلحاظ ادب چرٹ پیتا تو نہ تھا لیکن روشن چرٹ دھواں نکلتا ہوا ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان دبا ہوا ضرور تھا۔ گاڑی بانکی پور

روانہ ہوئی دانا پور سے بانکی پور کی راہ چودہ پندرہ منٹ کی ہے اتنے قلیل وقت میں زیادہ گفتگو کا موقع نہ ملا۔ جناب اقدس نے مجھ سے فرمایا:

"تم انگریزی جانتے ہو؟"

میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ فرمایا:

"تمہاری انگریزی دانی تمہارے لیے ثواب ہے۔" یہ بھی فرمایا کہ "اگر تم کوشش نہ کرتے تو مولوی عبدالحی صاحب کو ضرور سزا ہو جاتی۔"

اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ مولینا عبدالحی صاحب اور مولینا ابراہیم صاحب ساکنان فرنگی محل لکھنؤ پر دربھنگہ سے ایک وارنٹ گرفتاری جاری ہوا تھا۔ مقدمہ یہ تھا کہ ایک نابالغ لڑکے کو مدعا علیہم بھگا لے گئے ہیں اور اسکو مسلمان کر دیا ہے دونوں صاحبوں کو میں نے دربھنگہ کی کچہری میں حاضر کیا اور بعد کوشش بلیغ دونوں کی بے جرمی ثابت ہوئی اور رہائی ہوئی۔ اس مقدمہ میں میں نے کچھ محنتانہ بھی نہیں لیا تھا۔ اس مقدمہ کے نتیجہ کی شہرت اطراف لکھنؤ میں بہت تھی اور حضرت صاحب قبلہ کو بھی اس کی اطلاع ہوئی۔ اس کا ذکر حضرتؒ نے فرمایا۔

جب گاڑی بانکی پور پہنچی تو زائرین کا ازدحام تھا۔ میں اپنے کو ان لوگوں سے بچا کر اسٹیشن کے باہر آیا اور معہ اپنے برادر عم زاد مولوی ظہیرالدین صاحب کے (جو پیشتر حضورؒ سے بیعت ہو چکے تھے) میں اپنی کوٹھی پر گیا وہاں میرے آنے کی پہلے سے اطلاع تھی۔ مولوی سید ظہیرالدین صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ موقع اچھا ہے حضرت حاجی صاحب قبلہ تشریف لائے ہیں تم بھی مرید ہو جاؤ۔ میں نے کہا کہ میرے نزدیک بیعت کوئی چیز نہیں ہے مجرد ہاتھ پکڑنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک دل کو نہ پکڑے مذہباً بیعت کوئی چیز نہیں ہے اور اگر کچھ ہے تو ہے:

بیعت مجھے خدا سے ہے بیواسطہ نصیب
دستِ خدا ہے نام مرے دستگیر کا

کوٹھی سے ناشتہ وغیرہ کر کے میں خان بہادر مولوی فضل امام صاحب کے مکان پر پہنچا جہاں حضرت صاحبؒ قبلہ تشریف رکھتے تھے وہاں ایک عجیب منظر

تھا زائرین کی بڑی کثرت تھی. عالم اور جاہل ادنیٰ اور اعلیٰ، شریف اور رذیل عورت اور مرد، گانے والے اور گانے والیاں غرض کہ ہر طبقہ کے افراد کا وہاں ہجوم تھا میں یہ واقعہ دیکھ کر سخت متوحش ہوا. اس گروہ کے افسر یا خادم ہمارے استاد مولانا عبدالکریم صاحب تھے اور ان کی عجیب لذت بخش کیفیت تھی. کمر میں زرد رومال باندھے ہوئے، عمامہ کچھ کھلا اور کچھ بندھا ہوا آنکھیں مست و سرخ. میں نے مولانا سے عرض کیا کہ مجھے بھی حضوری کی اجازت ہو. اسی وقت اطلاع ہوئی اور بلا لیا گیا کمرے کے اندر دوسرا نقشہ تھا حضور پر نور بستر پر استراحت فرما رہے تھے. لوگ جسم اطہر دبا رہے تھے میرے بڑے بھائی خان بہادر مولوی نصیر الدین صاحب وارثی سی ایس آئی حضور انور کے پیچھے بیٹھے ہوئے پشت مبارک دبا رہے تھے مجھے دیکھ کر جناب قبلہ اُٹھ بیٹھے اور فرمایا:

"بیٹھ جاؤ ایک طرف تم اور ایک طرف تمہارے بھائی"

اول سوال یہ ہوا کہ:

"بالسٹر تم کسی کے مرید ہوئے ہو کہ نہیں؟"

میں نے عرض کیا کہ حضور ابتک تو اتفاق نہیں ہوا. ارشاد فرمایا کہ:

"صرف ہاتھ پکڑنے سے کچھ نہیں ہوتا، جب تک دل کو نہ پکڑے"

مجھے تعجب ہوا کہ وہی کلمات جو میرے منہ سے نکلے تھے حضرت نے ارشاد فرمائے. میں تقریباً آدھ گھنٹہ تک حضوری میں رہا. چونکہ میں نے یورپ کی سیاحت بہت کی ہے. حضور نے زیادہ تر احوال جرمنی کا دریافت فرمایا حضرت کے سوالات سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ حضور جرمنی تشریف لے گئے ہیں. میں نے عرض کیا کہ حضور جرمنی تشریف لے گئے ہیں. فرمایا:

"ہاں بہت زمانہ ہوا"

میں کمرہ سے باہر نکلا تو دیکھا کہ مجمع کچھ اور زیادہ ہو گیا ہے. میں نے دل میں خیال کیا کہ اگر میں اپنی کوٹھی پر نہ جاؤں گا تو یہاں زمین پر سونا ہوگا، نیند نہ آنے کی وجہ سے کہیں بدہضمی نہ ہو جائے. میں اس خیال سے چلدیا کہ اپنی کوٹھی پر جا کر سو رہو

اور صبح کو حاضر ہوں۔ کسی شخص نے کہا کہ حضورؒ سے رخصت ہو آؤ۔ میں نے جواب دیا کہ میں یہیں سے رخصت ہوتا ہوں اگر حضرت صاحبؒ قبلہ نہ بلائیں گے تو انہیں خبر ہو جائے گی۔ میں کوٹھے سے اترنے ہی والا تھا کہ رحیم شاہ صاحب نے کہا سرکار بلاتے ہیں میں حاضر ہوا تو فرمایا:

"شرف الدین تمہیں یہاں سونے میں تکلیف ہوگی۔ تم گھر پر جاؤ صرف رخصت ہونے کے لیے بلایا ہے۔"

اس قسم کے واقعات مجھ پر متواتر گذرتے تھے۔ لوگوں نے حضورؒ کو مجھ سے مخاطب دیکھ کر مجھ سے کہا کہ مرید ہو جاؤ۔ میں نے سب کو یہی جواب دیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ نے خود فرمایا ہے کہ:

"ہاتھ پکڑنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک دل کو نہ پکڑے۔"

تین دن قیام کے بعد حضرت صاحبؒ قبلہ دربھنگہ تشریف لے گئے اور تین چار روز میں واپس تشریف لائے۔ مجھے یہ خبر ملی کہ میرے وطن موضع نیورہ کو بھی تشریف لے جائیں گے۔ میرے بڑے بھائی مولوی نصیر الدین صاحب مدار المہام بھوپال بوجہ ملازمت جس روز حضورؒ وہاں تشریف لائے حاضر نہ ہو سکے۔ مجھے بذریعہ خط اطلاع دی کہ میں نیورہ جاؤں اور استقبال کروں۔ چنانچہ میں نے تعمیل کی حضورؒ دو تین دن نیورہ میں جلوہ افروز رہے۔ میری طلبی بارہا ہوا کرتی تھی اور باتیں بھی ہوا کرتی تھیں مگر وہ باتیں کیا تھیں عشق و محبت کے افسانے تھے۔

مسٹر جسٹس حسن امام مدعمرہٗ اس وقت بہت صغیر السن تھے۔ جو آخری دن حضورؒ کے قیام کا تھا اس روز عصر کے قریب جسٹس حسن امام مدعمرہٗ میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ حاجی صاحبؒ قبلہ نے یاد فرمایا ہے۔ میں اس وقت کتاب دیکھ رہا تھا میں نے کہا تم چلو میں آتا ہوں۔ دو چار ورق اور پڑھنے کے بعد میں حاضر خدمت عالی ہوا اس وقت تک میری مطلق خواہش مرید ہونے کی نہ تھی [illegible] پہنچا جہاں حضورؒ تشریف رکھتے تھے۔ وہاں بجز رحیم شاہ صاحب کے اور کوئی نہ تھا میں جا کر بیٹھا تو حضورؒ نے نظر مبارک اٹھا کر مجھے دیکھا میں نہیں

کہہ سکتا کہ وہ نگاہ تھی یا جادو جس سے مجھ پر ایک عالم بیخودی طاری ہوگیا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میں نے حضرت صاحب قبلہ کا دستِ مبارک پکڑ لیا۔ یہ خبر نہیں کہ میں کس سلسلہ میں مرید ہوا اور مجھے کیا پڑھوایا گیا۔ اتنا ضرور یاد ہے کہ میں مرید ہوا اور مرید ہونے کے بعد حضور پرنور نے شفقت سے ایک گھونسہ میرے داہنے شانہ پر مارا اور یہ ارشاد فرمایا:

" تو بھاگا پھرتا تھا جانتا نہیں کہ تو میرا معشوق ہے " یہ خلاصہ میرے مرید ہونے کے واقعات کا ہے۔

حضور انور پر ہر مذاق کے لوگ جان دیتے تھے اور جن کے نزدیک پیری مریدی کوئی چیز نہیں تھی وہ بھی حضور کو دیکھ کر قائل ہوتے تھے۔

مولانا مولوی سید عبدالغنی صاحب قبلہ وارثی بہاری مترجم طبقات الکبریٰ الکلم الروحانیہ وغیرہ (فرسٹ اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ جنرل حیدرآباد دکن) اپنی بیعت کا واقعہ اور رجوعِ خلائق کا تذکرہ تحریر فرماتے ہیں جو حسب ذیل ہے:

" میری چچی صاحبہ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں مرید ہونا چاہتی ہوں اور میں نے ان کو جواب دیا تھا کہ بہار میں اور اس کے مضافات میں تو مجھے کوئی معلوم نہیں ہوتا جس سے میں کہوں اُس سے مرید ہو جائیے گا۔"

چنانچہ جب حضور پرنور بلھی تشریف لائے تو میں حاضر ہوا کہ اگر دل نے قبول کیا تو چچی صاحبہ کو بیعت کرا دوں گا۔ میں حضور پرنور کی خدمتِ عالی میں حاضر ہونے کے بعد مکان پر آیا اور چچی صاحبہ سے یہ کہہ کر واپس چلا آیا کہ بلھی میں ایک بہت بڑے بزرگ تشریف لائے ہیں آپ اگر ان سے مرید ہو جائیے۔ میری واپسی کے بعد میری چچی صاحبہ اور میری دونوں بہنیں اور میری علاتی والدہ اور میری بیوی سب سواریوں میں آئیں اور حضور کے دستِ مبارک پر بیعت ہوگئیں۔ اور میں بھی مرید ہوگیا ۱۸۹۰ء کی مردم شماری کا آخری دن اسی زمانہ میں واقع ہوا تھا جب حضور پرنور بلھی میں رونق افروز تھے۔ اس سبب سے معلوم ہوا کہ مردم شماری کی شب کو بلھی میں پانچسو بیبیاں باہر کی موجود تھیں جو حضور سے مرید ہونے کو اس چھوٹے گاؤں

میں حاضر ہوئی تھیں۔ علاوہ ازیں وہ مستورات جو آس پاس کے مواضعات سے برابر آتی اور چلی جاتی تھیں ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی۔ اس زمانہ میں پلکھی کے قرب و جوار میں کہاروں کی مانگ اس قدر بڑھ گئی تھی کہ جس گاؤں سے دو آنہ جو کڑی کہاروں کی مزدوری مقرر تھی وہاں روپیہ اور دو روپے کہار مزدوری ہو گئی تھی۔ اور ہر سمت سے خلقت آمدی چلی آتی تھی۔ خود میری بستی کے لوگوں میں سے جو بہت کم مرید ہوتے ہیں میرے ساتھ چالیس زن و مرد مرید ہوئے۔

منشی عبدالغنی صاحب وارثی رئیس پورہ غنی خاں ضلع رائے بریلی لکھتے ہیں کہ جب حضورؒ پہلی مرتبہ دربھنگہ تشریف لے گئے ہیں تو وہاں اس زمانہ میں ایک جھاڑو شاہ نامی ایک مجذوب درویش آبادی کے باہر رہا کرتے تھے جن کے تمام لوگ معتقد تھے۔ حضورؒ انور کے دربھنگہ میں تشریف لے جانے سے تین روز قبل جھاڑو شاہ خلافِ عادت شہر میں آئے اور جا بجا اونچے ٹیلوں پر کھڑے ہو کر کہنے لگے: "یہاں تاشہ بجے گا، یہاں ارگن بجے گا، یہاں روشن چوکی بجے گی"۔ جا بجا یہی کہتے پھرتے تھے جب نواب صادق علی خاں صاحب اور نواب انور علی خاں صاحب کی کوٹھی تک پہنچے تو ان کی کوٹھی کے عالی شان دروازہ کی طرف دیکھ کر بولے: "یہ پھاٹک آدمی دھکیل دیں گے۔ میاں کے ساتھ ایک دنیا ہو گی"۔ کبھی مترنم انداز سے یہ صدا لگاتے تھے: "کلوروا آدت ہے جواب شراب نہ پیہے وہ بھوؤں نہ پیہے وہ کا کبھوؤں نہ ملیئے"۔

جھاڑو شاہ تمام شہر کے گلی کوچوں میں نہایت جوش کے ساتھ صدا لگاتے پھرتے تھے۔ جب حضورؒ انور وہاں تشریف لائے تو اس مسرت میں وہاں کے رؤسا نے بڑا اہتمام و انتظام کیا۔ ہر گلی کوچہ میں بجلی کی روشنی کرائی گئی اور مختلف اقسام کے باجے جلوس میں بجتے جاتے تھے۔ حضورؒ جس وقت شہر میں داخل ہوئے تو صرف قرب و جوار ہی سے نہیں بلکہ اکثر دور دراز مقامات سے لوگ آ گئے تھے اور ایک لاکھ نفوس سے زیادہ کے مجمع نے حضورؒ کا استقبال کیا تھا اور پالکی کے ساتھ اس قدر زائرین کی کثرت تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ حضورؒ انور نے نواب صادق

علی خاں صاحب کے بالاخانہ پر قیام فرمایا۔ ہر چند لوگوں نے کوشش کی کہ حضور انور تھوڑی دیر آرام فرمالیں مگر زائرین کے ذوق شوق کا یہ عالم تھا کہ ان کی کشمکش سے مکان کا دروازہ ٹوٹ گیا اور مجمع کثیر وارث وارث کہتا ہوا بالاخانہ پر پہنچ گیا۔ حضور انور کی زیارت و قدمبوسی کے بعد جب یہ لوگ رخصت ہوئے تو انبوہِ کثیر کو دیکھ کر نواب صاحب کو خیال ہوا کہ یہ جمعیت بے اندازہ اور کشش روحانی ایسی نہیں ہے جس کو کوئی طاقت روک سکے اس لیے حضور پُر نور کے راحت و آرام کا انتظام انہوں نے زنانہ مکان میں کیا۔ دربھنگہ میں تقریباً ایک لاکھ آدمی حضور انور کے سلسلۂ عالیہ میں داخل ہوئے۔ حضورِ انور کی رونق افروزی کے زمانہ میں بھاڑ و شاہ مجذوب یہ صدا لگاتے تھے۔

"شہر کا قلب اُلٹ جائے گا۔ اب نہ اُلٹا تو پھر کب اُلٹے گا"

اس کے بعد حضور پاڑہ کی جانب تشریف لے گئے۔ وقتِ رخصت بہت زیادہ مجمع حضور کی پالکی کے ہمراہ تھا مگر جابجا حضور انور لوگوں کو رخصت کرتے جاتے تھے تقریباً دس کوس کی مسافت طے ہو چکی تھی کہ دس ہزار آدمیوں کا مجمع ہمراہ تھا جو رخصت ہی نہیں ہوتا تھا۔ جناب مرزا منعم بیگ صاحب وارثی اور حضور کے خادم نور محمد شاہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور یہ مجمع کثیر مرید ہونے کے لیے ہمراہ ہے جب تک حضور ان کو تسکین دیکر رخصت نہ فرمائیں گے۔ یہ رخصت نہ ہوں گے۔ حضور نے فرمایا:

"اچھا ہماری پالکی کسی ٹیلہ پر رکھ دو اور پکار کر کہہ دو کہ جس کو مرید ہونا ہو وہ ہماری پالکی کو چھو لے"

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ سب لوگ نہایت ادب و تعظیم سے اس پالکی کو چھوتے تھے اور چومتے تھے اور آنکھوں سے لگاتے تھے اور آپس میں عید کی طرح گلے ملتے تھے۔ اُن لوگوں میں جو جوشِ انبساط اور تصدیقِ قلبی کے آثار نظر آتے تھے۔ وہ حیرت انگیز تھے۔ حضور کے اس ارشاد سے عجیب شادمانی و مسرت کا عالم تھا۔

منشی عبدالغنی صاحب وارثی تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضور انور حضرت سید

سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں شریک ہونے کے لیے بہرائچ تشریف لے گئے تو تمام مجمع اس طرح ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہا تھا کہ ہم لوگ جو ہمراہ تھے سخت پریشان ہو گئے حضور کو مزار شریف تک پہنچنا سخت دشوار ہو گیا پولیس والوں نے بہت تدبیریں کیں کہ حضور کو بہ آسانی مزار تک پہنچا دیں مگر کامیابی نہ ہوئی بالآخر مزار شریف سے پچھم جانب جو مسجد ہے اس کی فصیل پر حضور نے نشست فرمائی اور معتقدین کی استدعا پر ان کی بیعت لینا شروع کیا۔ ایک چادر لٹکا دی گئی تھی جس کو بیک وقت بکثرت افراد پکڑ لیتے تھے اور مرید ہو جاتے تھے دو گھنٹے تک طالبانِ حق مستفیدِ بیعت ہوتے رہے۔

اس کے بعد حضورِ انور نے قصدِ واپسی فرمایا ہر چند کوشش کی گئی کہ حضور کو آرام سے لے چلیں مگر زائرین میں وہ جوش و اضطراب تھا کہ سینکڑوں آدمی نیچے سے جھک کر پیروں میں ہوتے ہوئے حضور تک پہنچتے تھے [illegible] عالم میں حضورِ انور فرودگاہ تک تشریف لائے۔ اس روز حضور پر نور کی شام کی دعوت تھا کہ فتح محمد خان صاحب تعلقہ دار کے یہاں تھی۔ ان کا مکان حضور کی فرودگاہ سے ایک کوس کے فاصلے پر تھا اس لیے وہ نہایت اہتمام سے اپنے ہمراہ کھانا لیکر آئے۔ راستہ میں آتشبازی چھوٹتی اور بیس بیس قدم پر قوالی ہوتی جاتی تھی۔ تین دن حضور پر نور کا بہرائچ میں قیام رہا بے شمار مخلوقِ الٰہی سلسلۂ عالیہ میں داخل ہوئی۔ واپسی میں حضور نے بہرام گھاٹ کے مقام پر پہنچکر مجھ سے ارشاد فرمایا:

"غنی خان جو جس کو ملنا تھا مل گیا۔ کسب سے کچھ نہیں ملتا البتہ کسب کا اسقدر اثر ہے کہ مزدور کی مزدوری ضائع نہیں ہوتی۔ یہ بات کہ من تو شدم تو من شدی مشکل ہے۔ محنت اور ریاضت سے دوسرے قسم کے فوائد حاصل ہوتے ہیں جو علم و عمل سے تعلق رکھتے ہیں۔ من تو شدم تو من شدی۔ یہ کام عشق کا ہے اور عشق پر کسی کا زور نہیں اور عشق کا سب زور ہے تمام عالم میں عشق کی نمود ہے۔ اس کے بعد حضور نے یہ شعر پڑھا:

سنبل و گل را ہوائے دیگر ست
من نمیدانم گدائے دلبر ست

مولوی حاجی نصیر الدین صاحب فتحپوری جو حضرت مولینا شاہ عبد الصمد صاحب سہسوانی رحمت اللہ علیہ کے قدیم اور خاص مریدین میں ہیں بیان فرماتے ہیں کہ میرا ایک موضع چندرا مئو پرگنہ موی ہلدر اتحصیل سنگ گھاٹ ضلع بارہ بنکی میں جانا ہوا۔ وہاں میں مسجد میں نماز کے لیے گیا تھا تو مسجد کے باہر پردہ کی دیوار میں ایک بڑا سوراخ دیکھا جو ہاتھ دو ہاتھ کا ہوگا۔ میں نے لوگوں سے اس سوراخ کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت سیدنا حاجی صاحب قبلہ یہاں تشریف لائے تھے۔ قرب و جوار کی بے شمار مخلوق یہیں مجتمع تھی اسی قیام کے زمانہ میں جمعہ کا دن بھی آیا۔ ازدہام خلائق کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی بڑے میدان میں نماز ہونی چاہیئے تاکہ زائرین حضور پر نور کی زیارت سے اچھی طرح مشرف ہوسکیں حضور پر نور نے لوگوں کی تشویش دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ:

"مسجد کی پردہ کی دیوار میں سوراخ کردو باہر آدمی کھڑے ہو جائیں گے۔ اور اس روزن سے دیکھتے رہیں گے۔"

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا یہ سوراخ اب تک حضور کی یادگار موضع چندرا مئو میں موجود ہے۔ حضور انور جہاں ہوتے زائرین کا ایسا مجمع کثیر ہوتا کہ ایک بڑا میلہ لگ جاتا تھا۔ جس قدر حضور انور کی جانب خلائق کی کشش اور میلان تھا زبان قلم اس کے بیان سے عاجز ہے عجیب کیفیت تھی عجیب ذوق و شوق کا عالم تھا کہ ہر کہ و مہ پر اظہر من الشمس ہے۔ چند واقعات کا لکھا جانا ضروری ہے کہ اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ جب خدا کی بے شمار مخلوق حضور پر شیفتہ و فریفتہ تھی تو ایسی حالت میں حضور انور فرداً فرداً کس طرح بیعت لے سکتے تھے آپ کے بیعت لینے کا طریقہ یہ تھا کہ اگر بعض اوقات کم آدمی ہوتے تو حضور انور دست مبارک پر بیعت لیتے تھے اور مجمع ہوتا تھا تو اس کی دو صورتیں ہوتی تھیں یا تو حضور انور سب کو ایک نظر دیکھ کر فرما دیتے تھے کہ تم سب مرید ہو گئے یا حضور انور کے لباس اطہر کا کوئی ٹکڑا طالبان حق پکڑا دیا کرتے تھے اور خدام بیعت لے لیتے تھے۔ بعض مواقع پر یہ صورتیں بھی پیش آئی ہیں۔ جیسا کہ دربھنگہ کی واپسی پر کہ حضور انور کی پالکی کو چھو کر ہزاروں رشتہ ارادت میں داخل ہو گئے۔

یہ حضورِ پرنور کی قوتِ روحانی کا کمال تھا کہ لاکھوں آدمی اس طرح مرید ہوئے اور آپ کی ذات مستجمع الصفات سے سب کی دستگیری ہوئی حضور کے حلقہ بگوشوں میں ہر مذہب وملت کے افراد ہیں آپ کے مریدین کا حقیقۃً کوئی شمار نہیں ہو سکتا۔

حکیم مولوی محمود علی صاحب وارثی فتحپوری تحریر فرماتے ہیں کہ شاہزادہ غلام محمد صاحب کا قول ہے جو اکثر فرماتے تھے کہ گروہِ وارثی ایک ایسا نیستانِ غیر متناہی ہے جس کا پتہ لگنا بہت دشوار ہے اس جنگل میں کروڑوں لاکھوں اقسام کے ذخیرے ہیں جس کو کوئی سمجھ نہیں سکتا اور یہ عجیب بات ہے کہ جو جس رنگ میں ہے کامل ہے اور اسی رنگ میں منزلِ مقصود تک پہنچ گیا ہے۔ محبت اور درد سے کوئی خالی نہیں ہے بلکہ غلامانِ وارثی کی یہی شناخت ہے۔ جس کو دیکھئے درد محبت میں مبتلا ہے اور اس بیابانِ نامتناہی کی نگرانی اور حوادث سے بچانے کی تدبیر اسی ذات مستغنی عن الصفات کی قوت کاملہ کا کام ہے جسکو بارگاہِ ایزدی سے یہ شرف ووقار ملا ہے جو بڑے بڑے خردمندوں کے لیے قابلِ حیرت ہے۔

اس طریقہ کی بیعت کو کہ کوئی ملبوس مبارک چھوکر مرید ہو گیا کوئی سامنے آتے ہی مرید ہو گیا کوئی پالکی چھوکر مرید ہو گیا۔ چونکہ یہ بیعت حضورِ انور کے ارشاد فیض بنیاد سے ہوتی تھی۔ اس لیے آپ بالکل کافی بیعت سمجھتے تھے۔ اور حضورِ انور کی پاک اور مقدس روحانیت سے طالبانِ حق کو پوری تسکین ہو جاتی تھی۔ اور حضور اس بیعت کو اس قدر کافی بیعت سمجھتے تھے کہ جب کوئی شخص ذکر و شغل کی تعلیم کے لیے حاضر ہوتا تو آپ بغیر تجدید بیعت تعلیم فرما دیتے تھے۔ جیسا کہ مسند آرائے رشد و ہدایت حضرت مولانا مولوی قیام الدین صاحب قبلہ فرنگی محل لکھنوی حضورِ انور کے حالاتِ معلومہ لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"مگر جب کوئی مرید ان سے تعلیم و افکار کی خواہش کرتا تھا تو بغیر تجدید بیعت تعلیم فرما دیا کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیعت کافی تصور کرتے تھے۔"

حضورِ انور نے جو ایک ساتھ مجمع کی بیعت اس طرح لی ہے یہ آپ کی روحانی قوت کی دلیلِ روشن تھی کہ ایک نظر میں ہزاروں کو بیعت فرماتے تھے۔ آپ کے بیشمار مریدین ہیں اور سب حضورِ انور کے فیوض و برکات سے مستفید ہیں۔ اکثر حضورِ انور طالبِ بیعت سے صرف اسی قدر ارشاد فرما دیتے تھے کہ :

" تم ازل میں ہمارے مرید ہو چکے ہو۔"

اور باقاعدہ بیعت نہیں لیتے تھے اس قسم کی بیعت جو ہجوم میں لی گئی ہے بیحد و بیشمار ہے۔ اس زمانے کے دیگر مستند مشائخِ عظام اور علمائے کرام نے بھی حضورِ پرنور کے اس طریق بیعت کو جائز تسلیم کیا ہے۔

چنانچہ مولٰینا سید علی نقی شاہ صاحب نقشبندی مجددی تحریر فرماتے ہیں کہ :

" حضرت حاجی صاحب قبلہؒ سے ایک شخص ہجوم میں مرید ہُوا تخیلِ باطنی سے حضرت مولٰینا شاہ فضل الرحمٰن رضی اللہ عنہ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہو کر طالبِ بیعت ہوا تو حضرت مولٰینا نے فرمایا کہ :

" پیری مریدی گھانس پھونس ہے جو جا بجا مُرید ہونے کو پھرتے ہو۔ جاؤ کافی ہے۔"

حضورِ انور کی طرف بیشمار مخلوق کی گرویدگی تھی کہاں تک باقاعدہ بیعت کا انتظام ہو سکتا تھا۔ مگر حضورِ انور کی قوتِ کاملہ سب کو دلی تسکین سے مشرف کرتی تھی۔

قاضی عبدالرزاق صاحب مارہروی حضرت مولٰینا صوفی محمد حسین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدینِ خاص میں ہیں بیان فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ حاجی صاحب قبلہؒ سے دریافت کیا کہ بے شمار مخلوقِ الٰہی کو آپؒ بیعت فرماتے ہیں اس کا کیا سبب ہے تو آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ :

" قیامت کے دن میں سب کو خدا کے روبرو پیش کروں گا کہ تیرے اتنے بندوں نے میرے ہاتھ پہ توبہ کی ہے میں شہادت کے لیے تیار ہوں وہ رحیم و کریم ہے۔ یقین ہے کہ ضرور رحم و کرم فرمائے گا۔"

فی زمانہ حضورِ انور کے جو فیوض و برکات ہیں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ بکثرت

مریدین کی جیسی دستگیری حضورؒ نے فرمائی ہے وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، ایسے مجمع کی بیعت کو بعض بزرگانِ عصر نے نہایت غور و تعمق سے دیکھا ہے۔

مولینا حاجی شاہ سید ابو محمد علی حسن صاحب اشرفی الجیلانی مسند آرائے کچھوچھہ شریف تحریر فرماتے ہیں کہ دہلی میں ایک درویش سے مجھے ملنے کا اتفاق ہوا اثنائے گفتگو میں حضرت حاجی صاحب قبلہ کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا:

"اس قوتِ باطنی کا درویش زمانہ میں کوئی نہ ہوگا۔ حضرتؒ دہلی کے اسٹیشن پر ریل میں سوار ہونے کے لیے رونق افروز تھے کہ صدہا مرد و عورت بغرض بیعت حاضرِ خدمت ہوئے" سب سے ارشاد فرمایا کہ:

"جاؤ ہم نے سب کو اپنی بیعت میں قبول کر لیا"

آن کی آن میں سب مرید ہو گئے۔ یہ کمال قوتِ روحی کا تقاضا تھا۔ حاجی صاحبؒ ولایت کے ایک روشن آفتاب تھے اُن کے محامد نہ تھوڑے ہیں نہ محتاجِ بیان ہیں۔"

ان روشن ضمیر درویش نے جو کچھ فرمایا وہ چشمِ باطن سے تعلق رکھتا ہے ؎

اس کے جلوے کا تو کیا کہنا مگر
دیکھنے والوں کو دیکھا چاہیئے

حقیقت یہ ہے کہ حضورؒ انور کی ادنیٰ توجہ عالی وہ بات پیدا کرتی تھی جو قابلِ حیرت تھی۔ آپؒ ہزاروں کو ایک آن میں شرفِ بیعت سے مستفید فرماتے تھے اور اِس زمانہ کے اکثر بزرگوں نے حضورِ پُر نور کی روحانی قوت کو نظرِ غائر سے دیکھا ہے۔

حضورؒ انور عموماً سلسلۂ قادریہ رزاقیہ اور چشتیہ نظامیہ میں بیعت لیتے تھے مگر اکثر لوگوں کو سلسلۂ صابریہ وغیرہ میں بھی مستفیدِ بیعت فرمایا ہے۔ آپؒ جب فرداً فرداً بیعت لیتے تھے تو وقتِ بیعت تین بار استغفار پڑھواتے تھے اور الفاظ ذیل کہلواتے تھے:

"ہاتھ پکڑتا ہوں پیر کا، ہاتھ پکڑتا ہوں خدا ورسولؐ کا ہاتھ پکڑتا ہوں پنجتن پاک کا۔"

اس کے بعد اکثر اوقات کوئی خاص ہدایت فرماتے تھے۔ جب مجمع کثیر سے ایک ساتھ بیعت لیتے تھے تو بھی خدام اسی قاعدہ سے بآواز بلند اقرار لیا کرتے تھے۔ حضورؐ انور کے ان الفاظِ بیعت میں جدت ہے کیونکہ دیگر بزرگان میں یہ طریقہ اس طرح مروج نہیں ہے حضورؐ انور کے الفاظِ بیعت سے متعلق جو ان الفاظ کی صراحت میں کافی ہے۔ مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی بیتھے پوری۔ ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور پر نور بیتھے پور میں رونق افروز تھے۔ آپؐ کے خدام و مریدین و فقرائے خرقہ پوش ایک مقام پر بیٹھے ہوئے آپس میں گفتگو کر رہے تھے اور آپؐ کے محامد و محاسن اخلاق و صفات پر باہمدگر اظہارِ خیالات کر رہے تھے۔ یہ بات زیر بحث میں آگئی کہ آپ بالکل جدید طریق سے بیعت لیتے ہیں اور یہ الفاظ کہلواتے ہیں کہ:

"ہاتھ پکڑتا ہوں پیر کا خدا و رسولؐ کا پنجتن پاک کا۔"

اس میں کیا راز ہے اور کونسی رمزِ فقر ہے۔ دیگر پیرانِ طریقت اس قسم کے الفاظ اس ترتیب سے نہیں کہلواتے۔ چنانچہ ان الفاظ کی تشریح میں تاویلات بیان ہو رہی تھیں اور سب اپنی اپنی سمجھ کے موافق شرح کر رہے تھے۔

شاہ مقصود علی صاحب وارثی نور اللہ مرقدہٗ جو ایک مست و مدہوش بزرگ تھے ایک گوشہ میں خاموش بیٹھے ہوئے تھے جب بحث کو طول ہوا تو اُن لوگوں نے کہا کہ حضرت آپؐ کیوں خاموش ہیں آپؐ بھی اپنی رائے کا اظہار کیجئے۔ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ:

"لفظ خداؐ سے اقرار واحدانیت اور لفظِ رسولؐ سے تصدیق رسالت اور پنجتن پاک سے اعتقادِ بالتطہیر ہے اور اسمیں حضرت سیدۃ النسا خاتونِ جنتؓ کا واسطۂ شفاعت متضمن ہے۔ جس شیخ کو فیضِ روحانی حضرت خاتونِ جنت سے ہوتا ہے۔ وہی عورات کی ہدایت کا مجاز ہے اور اسی کا اثرِ ہدایت عرفان عورتوں کے قلوب پر پڑتا ہے۔ اس تقریر پر گفتگو کا خاتمہ ہو گیا۔ جب بارگاہِ عالی میں سب حاضر ہوئے

تو حضورِ انور نے بحالت کیف نہایت سرور کے لہجہ میں فرمایا کہ :

"ہم حقیقی ہیں، ہم حقیقی ہیں مقصود سچ کہا ہے۔"

مستورات کو بیعت فرماتے وقت آپؒ دستِ مبارک نہیں دیتے تھے احرام شریف کا دامن دے دیتے تھے۔

اور حضرت سیدۃ النساءؓ کا اسم مبارک بھی زبانِ فیض ترجمان سے لیتے تھے۔ یہ خاص بات تھی کہ مستورات کو بیعت کرتے وقت خصوصیت سے منہ پھیر لیا کرتے تھے۔

ہندوؤں کو بیعت فرماتے وقت یہ نصیحت فرماتے تھے :

"برہم پہچانو، پتھر نہ پوجو، جھٹکا نہ کھاؤ۔"

جب کسی انگریز یا یہودی کو بیعت فرماتے تو ارشاد فرماتے تھے۔

"دیکھو موسیٰ کلیم اللہ عیسیٰ روح اللہ محمد رسول اللہ کسی کو برا نہ کہنا اور حرام نہ کھانا۔"

یہ نصائح علاوہ استغفار اور ان الفاظِ بیعت کے ارشاد فرماتے تھے جو حضورِ انور کا طریقہ مذکور ہو چکا ہے۔

بیعت لیتے وقت اکثر پیشہ کے اعتبار سے کوئی خاص ہدایت فرما دیا کرتے تھے کسی سے فرمایا کہ :

"ہاتھ کے سچے رہنا۔"

کسی سے فرمایا : "ظلم نہ کرنا۔"

کسی درزی کو مرید کیا تو فرمایا : "کپڑا نہ چرانا۔"

کوئی دکاندار ہے تو اس سے فرما دیتے کہ : "پورا تولنا۔"

چنانچہ جناب مولوی شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی رئیس گدیہ دبیر شرایٹ لاء تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بارگاہِ وارثی میں حاضر تھا۔ ایک تیلن بیعت کے لیے حاضر ہوئی، معلوم نہیں کہ وہ ہندو تھی یا مسلمان حسبِ معمول آپؒ نے مرید فرمایا اور فرمایا :

"ڈنڈی نہ مارنا۔"

مجھے اس وقت تو یہ ہدایت تعجب خیز معلوم ہوئی مگر بعد کو میں نے اسے

قرآن کریم سے بالکل مطابق پایا خداوند کریم نے خود اوزان کا خیال رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

اسی طرح حضور پُر نور نصائح بھی نہایت مختصر طور پر فرمادیا کرتے تھے ہر مذہب و ملت اور ہر فرقے اور پیشے کے افراد آپؒ سے بیعت ہوتے تھے ہر وقت آستانۂ عالی پر مشتاقوں کی بھیڑ رہتی تھی۔ عجیب سماں تھا اور عجیب جذبۂ محبت نظر آتے تھے جو ایک عدیم المثال منظر آنکھوں کے سامنے پیش کرتے تھے ؂

وہ کہتے ہیں کہ دروازہ تک آنا اب تو مشکل ہے
قدم کوئی کہاں رکھے جدھر دیکھو اُدھر دل ہے

بعض واقعات بیعت

حضور پُر نور کے طریق بیعت اور رجوعِ خلائق کے ضمن میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض واقعات کا ذکر کیا جائے۔ جو اگرچہ اس مناسبت کے لحاظ سے بہت کم ہیں جو رجوعِ خلائق حضورؒ کی جانب تھی کیونکہ ایسے ہزاروں اہم واقعات ہوں گے جن کا ہم کو علم بھی نہیں ہے مگر جو حاصل ہوئے ہیں وہ اس خیال سے درج کیے جاتے ہیں کہ ان سے اکثر و بیشتر مسائل پر روشنی پڑتی ہے اور خدا کی شان نظر آتی ہے کہ جو مقدس صورتیں بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہوتی ہیں خلائق کی نگاہوں میں ان کی کس درجہ وقعت و عظمت ہوتی ہے اور کس کس طرح ان کی مقبولیت اور شرف اختصاص کی تصدیق ہوتی ہے۔ حضور پُر نور کے عادات و صفات میں ایک یہ بات بھی مشہور ہے کہ جو شخص کسی بزرگ سے مرید ہوتا تھا اس کو طالب نہیں فرماتے تھے اور اس کو ایک امر معیوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ حکیم محمود علی صاحب وارثی فتحپوری تحریر فرماتے ہیں کہ جناب حافظ عبدالقادر صاحب فتحپوری جو ایک معمر بزرگ ہیں اور حضورؒ کے زمانۂ شباب کے دیکھنے والے ہیں بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ پُر نور کی خدمت فیضدرجت میں دو شخص حاضر

ہوئے اور عرض کیا کہ اگر کسی کا مرشد پردہ کر جائے اور مرید کچھ حاصل کرنا چاہے تو دوسرے پیر کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ یا کس طریقہ سے وہ حاصل کرے حضور نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:

"مرید کو اپنا یقین کامل کرنا چاہیئے، مرید ہونا چاہیئے مرید ہو تو خاک کے ڈھیر سے حاصل کر سکتا ہے۔"

حضور انور کے اس ارشاد سے ان کی پوری تعلیم و ہدایت ہوگئی اور وہ دولت تصدیق سے دامن بھر کے رخصت ہوئے۔

چوہدری خدا بخش صاحب وارثی جو ایک معمر بزرگ ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں بارگاہِ عالی میں حاضر تھا حضرت مولینا شاہ فضل الرحمن رضی اللہ عنہ کا ایک مرید حاضر ہوا۔ جس نے یہ درخواست کی کہ مجھے حضور انور بیعت فرمائیں۔ آپؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا "طلب صادق ہونی چاہیئے۔"

پھر فرمایا:

"ہر جگہ ایک ہی شان دیکھے، جگہ جگہ مرید ہونا مردوں کا طریقہ نہیں ہے ہرجائی عورتوں کا شیوہ ہے۔"

ہر چند اس نے کوشش کی مگر آپؒ نے بیعت نہیں فرمایا۔

اکثر ایسے واقعات پیش آئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؒ ایسے لوگوں کو ہدایت فرماتے تھے طالب نہیں کرتے تھے۔ البتہ بعض لوگوں کو خاص حالتوں میں تعلیم و خرقہ سے سرفراز فرمایا ہے۔ مگر اس کی خاص صورتیں تھیں جنکی مثال کے لیے مولینا حکیم مبارک حسین صاحب اور منشی ظہور علی صاحب کے واقعات کافی ہیں جو وہ خود تحریر فرماتے ہیں۔

حکیم مبارک حسین صاحب کی بیعت کا واقعہ

حکیم مبارک حسین صاحب عربی و فارسی کے مشہور ادیب تھے شاعر بھی

تھے تصوف میں چند کتابیں نظم و نثر میں آپ کی تصنیفات میں مقبولِ خاص و عام ہیں۔ آپ اپنی خرقہ پوشی کا واقعہ خود عین الیقین میں تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے۔

۱۴ر شوال سنہ ۱۳۰۰ھ کو جب کہ میری عمر غالباً بتیس برس ہوگی مجھے نہر بند عطا ہوا مجھے بیعت مولینا سید فخر الدین احمد المعروف بہ حکیم بادشاہ نقشبندی علیہ الرحمۃ سے تھی۔ میں جب بنظرِ تحصیل و تکمیل فن طبابت الہ آباد گیا تھا انہیں دنوں میں میری نقشبندیہ طریقہ سے تعلیم ہوئی تھی۔ میں نے کتب طب مولینا علیہ الرحمۃ سے پڑھی تھیں۔ جب تک مولینا زندہ رہے میں برابر خدمتِ عالی میں حاضر رہا۔ جب مولینا نے وصال فرمایا تو اجرائے مطب کے خیال سے پٹنہ رہنے کا اتفاق ہوا۔ خلافِ مذاق آدمیوں کی صحبت نے بیکار کر دیا چندے اپنے معمولات سے الگ ہو گیا۔ اسی زمانہ میں حضورِ پرنور عظیم آباد تشریف لائے اور خان بہادر سید فضل امام صاحب کے مکان پر قیام فرمایا۔ میں بھی خدمتِ عالی میں حاضر ہوا تو حکیم یعقوب صاحب خیر آبادی نے عرض کیا کہ یہ بڑے سیاح ہیں۔ بغداد وغیرہ کی تمام سیر کر آئے ہیں۔

یہ سن کر حضورؒ نے مجھ سے بمبئی کی کیفیت پوچھی۔ بغداد شریف کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف کا حال دریافت فرمایا۔ جہاں تک میرا علم تھا عرض کیا۔

اس کے بعد تین سال تک بدستور مطب وغیرہ میں مصروف رہا۔ اسی درمیان میں مجھے کلکتہ جانے کا اتفاق ہوا میرے اکثر اعزا وہاں تھے۔ ایک عزیز نے کہا کہ یہاں ایک درویش رہتے ہیں ان سے ضرور ملو میں ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھتے ہی انہوں نے فرمایا ؎ :

گر نبودے ذاتِ حق اندر وجود
آب و گل را کے ملک کردے سجود

پھر ان بزرگ سے مذاق آمیز گفتگو ہوتی رہی۔ وقتِ رخصت شاہ صاحبؒ نے فرمایا : " تم نے بہت دیر کی پھر ملکے جانا "

میں اپنی جائے قیام پر آ کر کھانے وغیرہ سے فارغ ہوا اور سو رہا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہی شاہ صاحبؒ جگا رہے ہیں، چونک کر بھی دیکھا تو ان کو موجود پایا۔ اس کے بعد میں پھر سو گیا تو تھوڑی دیر کے بعد شاہ صاحب کو بیدار کرتے ہوئے پایا۔ تین بار یہی کیفیت ہوئی صبح کو ایک دوست کے ہمراہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں گیا دیکھتے ہی فرمایا کہ رات تو خوب سوئے۔ میں نے کہا مہمان نوازی خوب کی۔ پھر شاہ صاحب نے یہ کہہ کر رخصت کر دیا:

"تلاش کرو"

میں رخصت ہو کر عظیم آباد آیا۔ یہاں وحشتِ دل اور بڑھ گئی۔ اکثر شب کو دریا کی طرف چلا جاتا۔ کبھی احباب میں جا بیٹھتا ایک دن کچھ بزرگانِ دین کا ذکر آیا تو میرا قصد ہوا کہ میں اس زمانہ کے بزرگوں سے ملوں۔ چنانچہ اسی دن میں روانہ ہوا اور پہلے دیوہ شریف حاضر ہوا وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت امام الاولیا سہالی تشریف لے گئے ہیں۔ اسی وقت سہالی گیا یہ بستی دیوہ شریف سے تین کوس کے فاصلے پر ہے۔

میں جس وقت قدمبوس ہوا حضورِ انور نے متبسم ہو کر فرمایا:

"آ گئے اچھا جاؤ مزے کرو"

میں نے کچھ مطلب اس ارشاد کا نہ سمجھا جہاں اور لوگ بیٹھے تھے وہیں میں بھی جا کر بیٹھ گیا۔ یہاں حضورِ پُرنور کے بعض اہلِ ریاضت فقرا کے حالات سن کر اور بھی وحشت ہوئی۔ پھر جب میری طلبی ہوئی تو میں حاضر ہوا۔ آپؒ نے ارشاد فرمایا:

"جاؤ جاؤ یہاں دوئی کا گذر نہیں ہے۔ تم تو مرید ہو چکے ہو جاؤ اسی کو کرو"

اس ارشاد کو سن کر میں نے اپنے دل میں کہا "خیر یہ اپنی قسمت یہاں نہ سہی کہیں اور سہی مگر جو سوال مکنونِ خاطر ہے اس کا جب تک جواب نہ ملیگا میں نہیں جاؤں گا"

پھر آپؒ نے طلب فرمایا اور دو تین باتوں کا جواب دیکر ارشاد فرمایا:

"اچھا جاؤ ہفتہ عشرہ میں عظیم آباد آؤں گا تو تم سے ملوں گا"

میں حضورؒ سے رخصت سے ہو کر الہ آباد پہنچا۔ اس وقت یہاں چند فقرا کاملین وقت سے تھے جو مختلف اوضاع میں تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ بالاتفاق سب نے یہی مشورہ دیا کہ استقلال سے نہ گذرنا اور نہ گھبرانا۔ اس کے بعد میں حضرت مولینا شاہ فخر الدین رحمتہ اللہ علیہ جن کے ہاتھ پر میں سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوا تھا، کے مکان پر آیا اور جناب مولوی مسیح الدین صاحب جو مولینا کے صاحبزادہ اور جانشین ہیں، اُن سے ملاقات کی۔ جناب موصوف کو مجھ سے دلی ربط ہے۔ نہایت عنایت فرماتے ہیں۔ مولوی صاحب سے عرض کیا کہ جب سے مولینا علیہ الرحمتہ نے وصال فرمایا ہے میرے دل کی عجیب حالت ہے اب آپ میری دستگیری فرمائیے۔

مولوی صاحب نے فرمایا:

"کہیں تم پر جناب امام الاولیا حاجی سید وارث علی شاہؒ صاحب کی نظر تو نہیں پڑی؟"

میں نے عرض کیا: "وہیں سے ہوتا ہوا آیا ہوں۔"

مولوی صاحب نے فرمایا:

"اب زمانہ میں کون اُن کے برابر ہے بہت مناسب ہے جہاں تمہارا حصّہ ہو کوشش کرو۔"

ایک روز رہکر سیدھا عظیم آباد چلا آیا۔ ایک ہفتہ کے بعد حضورِ پرنور عظیم آباد تشریف لائے۔ میں حاضرِ خدمت عالی ہوا تو فرمایا: "جاؤ" اب جب میں حاضر ہوتا تو یہی فرماتے:

"جاؤ، جاؤ"

میں نے ایک ساقی نامہ لکھ کر پیش کیا تو آپ نے خوش ہو کر ارشاد فرمایا:

"تو ازلی شاعر ہے۔"

اس کے بعد ایک ہولی کی فرمائش ہوئی۔ میں نے ہولی لکھ کر پیش کی دو تین دن کے بعد حضورِ پرنور سیوان تشریف لے گئے۔ میں بھی ساتھ ہوا جس وقت

اسٹیشن سیوان پر آیا دل کی اور ہی حالت ہوئی اس وقت کی عنایت و رحمت بیان سے باہر ہے۔ دیکھا جو دیکھا اور سنا جو سنا۔ گورکھپور تک حضورؒ کے ہمراہ گیا۔ اس کے بعد حضورؒ سے رخصت ہوا۔

دو تین مہینے کے بعد پھر حاضر خدمتِ عالی ہوا تو فتحپور میں شرف قدمبوسی نصیب ہوا ایک مثنوی لکھ کر پیش کی جس پر حضورِ پر نور بہت خوش ہوئے۔ پھر ایک شجرہ عربی میں بہ تعمیلِ ارشاد عالی لکھ کر پیش کیا۔

دیوہ شریف تک حضورؒ کے ساتھ گیا۔ اس کے بعد رخصت ہوا۔ میں عظیم آباد واپس آیا تو دل کو کمال انتشار رہنے لگا۔ اسی حالت میں ایک مثنوی فارسی زبان میں مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ کے طرز پر لکھنے کا اتفاق ہوا۔ اسمیں جو کچھ لکھا ہے اپنا واقعہ ہے۔

ایک شب کا ذکر ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے لوگ زرد رنگ کا کفن پہنا رہے ہیں۔ میں نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے زندگی میں کیوں کفن پہناتے ہیں۔ اسی اثنا میں کیا دیکھتا ہوں کہ بہت سے آدمی جنازہ لیے جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کس کا جنازہ ہے۔ یہاں پر مجھے یاد نہیں کہ لوگوں نے کیا جواب دیا۔ مگر اتنا کہہ سکتا ہوں کہ آواز آئی پانی لاؤ میں جلدی سے پانی لیکر گیا تو دیکھا کہ اپنا ہی جنازہ ہے۔ یہ خواب دیکھ کر سخت تشویش ہوئی۔

جب مثنوی فارسی ختم ہو چکی تو پھر حاضر خدمتِ عالی ہوا۔ اب کی دیوہ شریف میں شرف ملازمت نصیب ہوا۔ حضورؒ انور مثنوی ملاحظہ فرما کر بہت خوش ہوئے۔ اتفاقاً اس شجرۂ عربی کو جسے میں نے لکھا تھا آپؒ خود میرے سامنے پڑھنے لگے اُس وقت دل قابو سے جاتا رہا اور گریہ بے اختیار شروع ہو گیا۔ حضورؒ انور نے گلے سے لگا لیا۔ میں نے فوراً تہ بند کی تیاری کی اور جناب سید معروف شاہ صاحب و بے نظیر شاہ صاحب و مولوی بشارت حسین صاحب کے ہمراہ تہ بند لیکر حاضر ہوا۔ حضورؒ انور نے اپنا احرام شریف مجھکو مرحمت فرما کر ارشاد فرمایا:

”لو یہی کفن ہے، اس کو پہن لو۔“

اس وقت اس خواب کی تصدیق ہوئی۔ میں نے تہہ بند باندھا اور ترک لباس کیا۔

آپ نے سید عبدالآد شاہ میرا نام رکھا۔ جل شانہٗ بزرگوں کی بات کوئی کیا سمجھ سکتا ہے یہ سب ازلی معاملات ہیں ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ نعمت، یہ سب آپؒ کی بندہ نوازی ہے، سچ ہے ؎

بے عنایات حق و خاصانِ حق
گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

سید عبدالآد شاہ صاحب کی بیعت کا واقعہ حضورؒ انور کے طرزِ عمل کو صراحت سے بتاتا ہے کہ آپؒ دوسرے بزرگوں کے مریدوں کو بیعت فرمانے سے کسقدر احتراز فرماتے تھے۔ باوجود ان کی اضطرابی حالت اور خدا طلبی کے ذوق وشوق کے آپؒ نے یہی جواب دیا:

"جاؤ جاؤ یہاں دولی کا گذر نہیں ہے۔ تم مرید ہو چکے ہو جاؤ اسی کو کرو۔"

جب انہوں نے اپنے پیر کے جانشین اور صاحبزادے مولوی مسیح الدین احمد صاحب سے دریافت کر لیا تو حضورؒ نے خرقہ مرحمت فرمایا۔

مولینا سید عبدالآد شاہ صاحب حضورؒ پر نور کے ممتاز خرقہ پوشوں میں گذرے ہیں۔ بڑے صاحبِ تصرف درویش تھے۔ آپؒ کا فارسی کلام نہایت مقبول ہے۔ تحیر تخلص تھا۔ اس موقع پر دو تین غزلیں تبرکاً برسبیلِ تذکرہ درج ذیل کی جاتی ہیں۔ جو حقیقتہً ان کے قلبی جذبات کا آئینہ ہیں ؎

ساقیا بنگر ہمہ ایں ایجاد مست
بادہ مست و جام مست و مطرب و استاد مست
مستیٔ روزِ ازل رنگِ دگر پیدا نمود
سبزہ مست و سرو مست و قمری و شمشاد مست
جوشِ مستی چوں عَلَم زد بر دل و بر سینہ ہا
کوہ مست و کاہ مست و وامق و فرہاد مست

مستیٔ مستانِ وحدت مست کردہ در نظر
آب مست و خاک مست و آتش و ہم باد مست

مست مستِ بادۂ روزِ الست اللہ ابیں،
حسن مست و عشق مست و عاشق ناشاد مست

ایں چہ مستیہاست پیدا یارب اندر ایں جہاں
تیغ مست و حلق مست و مفتی و جلاد مست

رُخ سوے صحرا بکن در خیلِ مستاں کن نظر
نعرہ مست و آہ مست و نالۂ و فریاد مست

بوالعجب زیں ماجرائے جوشِ مستی بوالعجب
درد مست و رنج مست و خود ستم ایجاد مست

ذوقِ مستیٔ حلاوت تازہ بنگر در جہاں
ہجر مست و وصل مست و سہو مست و یاد مست

عالمے را مست کردہ ایں شرابِ وارثی
لیلیٰ و مجنون مست و شاہ عبد الآد مست

من مستِ شرابِ عشقِ ذاتم | بیرون ز حدودِ ایں صفاتم
تا ساغرِ بیخودی کشیدم | بیخوف ز بیم بردو باتم
تا لذتِ دردہا چشیدم | سیراب ز چشمۂ حیاتم
تا مژدہ رسید از جنابے | مفتونِ عطائے آن براتم

عالم ہمہ گشت ایں تحیر
زین مذہب و ملت و صلواتم

ہر زمان شکلِ دگر پیدا کنی | جان عالم بیشتر شیدا کنی
گاہ گوئی لن ترانی از زباں | گہ تجلی بر سر طوبیٰ کنی
گاہ گوئی خود دانا الحق از خودی | گاہ خود را پیشِ حق رسوا کنی
در لباس و کسوتِ مخلوق تھا | گہ بہ پوشی گاہ وا دیلا کنی

اے تحیرؔ نوش جام وارثی تا کجا فکر رہ انشا کنی

دل فارغ زبند کاکل افکار میخواہم
وگرنہ مرگ پیش از وقت را ناچار میخواہم

بگویم فاش سر عالم مثال و ہم معنی
ولے بہر شنودن محرم اسرار میخواہم

گناہم نیست غیر از عشق حسن دلربا دیگر
من انصاف از جنیدؒ و شبلیؒ و عطارؒ میخواہم

رہا کن تا بمیرم سرنوش از جوش ولائے او
نہ من ایں جبہ و سجادہ و دستار میخواہم

بہ شکوہ تر زباں دیدیم یاران طریقت را
تحیر زیں سبب ترک وطن ناچار میخواہم

مولینا تحیرؔ رحمتہ اللہ علیہ کا جو کلام بغرض استفادہ ناظرین درج کیا گیا ہے۔ اس سے آپؒ کے عاشقانہ مذاق کا پتہ چلتا ہے۔ آپؒ بڑے صاحب نسبت درویش گذرے ہیں۔ آپؒ کے وصال کا واقعہ بھی نہایت حیرت انگیز ہے۔

حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپؒ بیمار ہوئے تو دیوہ شریف ہی میں تھے۔ نواب عبدالشکور خان صاحب وارثی رئیس اعظم دھرمپور ضلع بلند شہر نے حضور پرنور کی خدمت عالی میں درخواست کی کہ اگر حکم ہو تو ان کو میں اپنے مکان پر لیجاؤں اور علاج کراؤں۔ حضور انور نے جواب دیا کہ:

"تمہارے بھائی ہیں تمہیں اختیار ہے۔"

نواب صاحب موصوف سید عبدالآد شاہ صاحب کو دھرمپور لے گئے اور متعدد طبیبوں کو دکھایا مگر سب نے متفقہ طور پر زیست سے ناامیدی کا اظہار کیا کیونکہ مرض لاعلاج ہوچکا تھا۔ حکیم عبدالآد شاہ صاحب جس

مکان میں ٹھہرائے گئے تھے ایک مولوی صاحب بھی اسی مکان میں رہتے تھے
جن کو سید عبدالآد شاہ صاحب سے بہت اختلاف تھا اور ان کے طریق
درویشی کو نہایت مخالفانہ نظر سے دیکھتے تھے۔ اس وجہ سے مولوی صاحب
نے ان کے قربت و عیادت سے بھی احتراز کیا اور سید عبدالآد شاہ
صاحب کے جائے قیام سے کسی قدر فاصلہ پر ایک مکان میں اقامت
فرمائی دوسرے دن قریب تین بجے کے سید عبدالآد شاہ صاحب
کا وصال ہوگیا۔ طبیبوں نے نبض وغیرہ دیکھ کر کہہ دیا کہ اب ان میں کچھ نہیں
ہے۔ نواب عبدالشکور خان صاحب وارثی اپنے باغ واقع شکور گنج میں مزار
مبارک کے لیے جگہ تجویز کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ باغ نواب صاحب کی
کوٹھی سے تھوڑے فاصلے پر ہے۔ یکایک سید عبدالآد شاہ صاحب کے قلب
سے اک آواز پیدا ہوئی جو رفتہ رفتہ اس قدر بلند ہوئی کہ جس کمرہ میں مولوی صاحب
موجود تھے وہاں تک پہنچی۔ یہ اللہ اللہ کی آواز تھی۔ اس وقت بہت مجمع ہو گیا
تھا۔ نواب عبدالشکور خانصاحب نے یہ ماجرا دیکھ کر ایک جوابی تار دیوہ شریف
کو حضور پرنور کی خدمتِ عالی میں ارسال کیا۔ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی نے
اس تار کا مضمون حضور انور کی خدمتِ عالی میں عرض کیا۔ تو آپؒ نے ارشاد فرمایا
کہ جواب دیدو ہے :

سپردم بتو مایۂ خویش را

جس وقت یہ جواب دھرمپور پہنچا نواب صاحب نے سید عبدالآد شاہ
صاحب کی لاش کے قریب یہ ارشاد سنایا تو وہ آواز بند ہوگئی۔

یہ ۲۳ رذی الحجہ ۱۳۲۱ھ ہجری کا واقعہ ہے ۳ر بجے دن سے سات بجے رات
تک چار گھنٹے یہ آواز جاری رہی بعد ازاں نواب صاحب کے باغ میں دفن کیے
گئے اور مزار مبارک نہایت عمدہ اور خوبصورت بنایا گیا۔ ان کا عرس بھی ہر سال
ریاست کی جانب سے ہوتا ہے۔

آخر کار مولوی صاحب بھی حکیم سید عبدالآد شاہ صاحب تحیر کے کمال

فقر و درویشی کے قائل ہوئے، سچ ہے :

(از مولینا تحیّتؔ وارثی)

جسمِ خاکی مظہرِ انوار شد — تیرہ خاک از فیضِ او گلزار شد
ہیچ ناید کار ایں گفت و شنید — تا نہ بیند سرّ حق از چشم دید

منشی ظہور علی صاحب کی بیعت کا واقعہ

آپؒ کی بیعت کا واقعہ بھی سیّد عبدالآد شاہ صاحب کے واقعہ بیعت سے ملتا جلتا ہے۔

منشی ظہور علی صاحب بازید پور صوبۂ بہار کے ایک مقتدر خاندان کے بزرگ تھے اور سلسلۂ عالیہ وارثیہ کے ممتاز فقرا میں گذرے ہیں۔ پیشتر حضرت سیّد محب علی صاحب عرف شاہ مسافر قادری قلندر رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ بیعت رکھتے تھے۔ سلسلۂ عالیہ وارثیہ میں داخل ہونے کا واقعہ خود تحریر فرماتے ہیں جو حسبِ ذیل ہے :

"میں سرہن میں تحصیلدار تھا۔ ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۹۸ھ ہجری کی شب کا واقعہ ہے۔ اس وقت میری عمر چالیس سال سے چند ماہ متجاوز تھی کہ میں نے صبحِ صادق کے وقت ایک خواب دیکھا — جو یہ ہے کہ میرے والد ماجد کے پیر و مرشد اور خود میرے پیر و مرشد حضرت شاہ محب علی صاحب عرف شاہ مسافر قادری قلندر قدس سرہٗ تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ تم کو مردانِ خدا کے دیکھنے کی آرزو ہے حضرت حاجی سیّد وارث علی شاہ صاحب حسنی الحسینی دیوہ شریف سے باڑہ جاتے ہیں میرے ساتھ چلو کہ میں تم کو ان کی خدمت میں پہنچا دوں میں نے تعمیلِ ارشاد کی اور حضرت پیر و مرشد کے ہمراہ بارگاہِ وارثی میں حاضر ہوا تو حضور پر نور نے اپنے آغوش میں لے لیا۔ اور فرمایا : "یہ محبوب ہے اور مجھ سے ہے۔"

اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ میں نے گیارھویں شریف کا کھانا وغیرہ تقسیم کیا اور سرہن سے چلدیا۔ رات کو قصبہ باڑہ میں پہنچا۔ حضورؒ جس مکان میں رونق افروز تھے۔ اس کا دروازہ بند تھا۔ رحیم شاہ صاحب خادم قدیم بارگاہِ وارثی نے جاکر عرض کیا کہ وہ تحصیلدار جورات کو اپنے پیرومرشد کے ہمراہ آئے تھے حاضر ہوئے ہیں۔

اُسی وقت دروازہ کھُلا۔ جس وقت میں حاضر ہوا تو حضورؒ پرنور اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی میرے ہاتھ سے ملتے رہے۔

جب تک حضورؒ کا قیام رہا میں باڑہ ہی میں مقیم رہا۔ اس واقعہ سے ایک عرصہ کے بعد ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۰۹ھ کو حضورؒ نے بمقام آرہ، جب خان بہادر مولوی نصیر الدین صاحب وارثی سی آئی ای مدارالمہام ریاست بھوپال کی کوٹھی میں مقیم تھے۔ مجھکو خرقۂ عالی سے سرفراز فرمایا۔ اور معانقہ کی عزت بخشی اور فضیحت شاہ نام رکھّا۔

حضرت فضیحت شاہ صاحب قلندر وارثی جیسے صاحب نسبت اور ممتاز درویش گذرے ہیں۔ ایک زمانہ واقف ہے آپؒ نہایت ذی علم اور شاعر بھی تھے۔ مشہور ہے کہ آپؒ کا فارسی کلام بہت ہے مگر مختلف طور پر چھپا ہے ایک غزل بطورِ نمونہ ہدیۂ ناظرین ہے ؎:

اے زکثرت بر رُخِ وحدت نقاب انداختے
طالبان را زیں حجاب اندر عذاب انداختے

چوں مرا دیدے بروئے خود نقاب انداختے
چہ حجابست ایں کہ خود را در حجاب انداختے

گرچہ من مست وخرابم طاعتم را رد مکن
چوں دریں کارم بر امیدِ ثواب انداختے

ازنگہ دزدیدہ دزدیدی متاعِ جان و دل
دزد و زلفِ عنبریں در پیچ وتاب انداختے

کیست در عالم کہ در دل طالب دیدار نیست
تخم عشق اندر دل ہر شیخ و شاب انداختے

زاں تجلائے صفاتِ تو کہ شُد بر کوہِ طور
موسئ عمران را در اضطراب انداختے

عاشقِ بیباک را باشد چہ خوف از یوم حشر
دفترِ اعمالِ ما را چوں در آب انداختے

آبرو دیم ریختے در بزم خود کردے خجل
ایں بطِ مے پر تکالی را بہ آب انداختے

شُد فضیحت چوں گدائے کوئے تو در عشقِ تو
ایں گدا را از چہ رو در اضطراب انداختے

حکیم سید عبدالآد شاہ صاحب اور فضیحت شاہ صاحبؒ کے واقعاتِ بیعت سے ظاہر ہے کہ حضورؒ انور کے عادات و صفات میں یہ بات داخل تھی کہ کسی بزرگ کے مرید کو بیعت نہیں فرماتے تھے۔ اگر اس قسم کے بعض واقعات پیش آئے ہیں تو ان کی خاص صورتیں ہیں جیسی کہ ان دونوں بزرگوں کی مذکور ہوئی ہیں کہ خود ان کے پیرانِ طریقت کی خواہش سے حضورؒ انور نے ان کو خرقۂ عالی سے سرفراز فرمایا۔ ایسے اکثر واقعات ہیں کہ اس زمانہ کے بزرگوں نے اپنے صاحبزادوں کو اور مریدینِ خاص کو حضورؒ انور سے بیعت ہونے کے لیے بھیجا ہے۔

شاہ بدرالدین صاحب کی بیعت کا واقعہ

آپؒ حضرت سیدنا شاہ شمس الدین صاحب قادری چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند رشید ہیں۔

حضرت شاہ شمس الدین صاحب اس زمانہ کے مشہور و معروف بزرگوں میں گذرے ہیں۔ پیشتر حضرت حاجی غلام رسول صاحب خلیفہ حضرت آخون جی سوات نبیرئی سے بیعت تھے۔ اپنے پیر و مرشد کے حکم سے بارہ برس تک سیاحی میں رہے اور اسی زمانہ سیاحت میں حج بیعت اللہ بھی کیا ہندو فقرا میں بھی عرصہ تک رہے۔ بعد سیاحت جب اپنے مرشد برحق کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ پیران کلیر شریف میں حاضر ہو اور ۱۴ ربیع الاول کو ۱۲ بجے شب کے جو بزرگ مزار اقدس پر ملیں ان سے بیعت ہو جاؤ۔

چنانچہ حضرت شاہ شمس الدین علیہ الرحمۃ نے ایسا ہی کیا مگر اُن بزرگ نے بشکل تمام بیعت فرمایا اور حضرت سیدنا مخدوم صابر صاحب رضی اللہ عنہ کے مزار پُر انوار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کے سپرد ہو۔

اس کے بعد جو کیفیت گذری اُس کا اظہار حضرت شمس الدین صاحب نے نہیں فرمایا۔ ایک غزل اسی رات میں تصنیف ہوئی تھی جس کا مطلع یہ تھا :

تصدق اپنے مرشد کے کہ جس نے ہم کو دکھلایا
جمال عارض زیبا علاؤ الدین صابرؒ کا

حضرت مولینا شاہ شمس الدین صاحب کا طریق درویشی سراپا عشق و محبت پر مبنی تھا بڑے صاحب کمال درویش گذرے ہیں۔ سہارنپور اور پنجاب کی طرف آپؒ کے بکثرت مُریدہیں۔ چار بزرگوں کو خلعتِ خلافت سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔

۱۱ ذی قعدہ ۱۳۱۳ھ کا واقعہ ہے کہ جب آپ کی طبیعت ناساز ہوئی تو آپؒ کے صاحب زادہ بدرالدین صاحب نے درخواست بیعت کی شاہ شمس الدین صاحب نے ان کی تسکین فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جو تمہارا حصہ ہے وہ تم کو مل جائے گا۔ مگر میں بیعت نہیں لونگا۔ میں وصیت کرتا

ہوں کہ تم حضرت امام الاولیا حاجی سید وارث علی شاہ صاحب قبلہؒ سے بیعت ہو جانا اور شادی نہ کرنا۔ اگر تم حضرت حاجی صاحب قبلہ سے بیعت نہ ہو گے تو میں قیامت میں دامن گیر ہوں گا۔ یہ بھی فرمایا کہ اس زمانہ میں حضرت حاجی صاحب قبلہ کے سوا کوئی فقیر نہیں ہے۔ ہاں بزرگ اور بھی ہیں۔ اس وصیت کے دوسرے دن رحلت فرمائی۔ آپؒ کے صاحبزادہ بدرالدین صاحب خود تحریر فرماتے ہیں کہ مجھکو کچھ دنوں اِس ارشاد کی یاد تازہ رہی پھر رفتہ رفتہ یہ خیال دِل سے اُتر گیا۔

جمادی الاول ۱۳۱۴ھ میں میں نے ایک خواب دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ تمہارے والد بلاتے ہیں اور اس قصبہ سے پورب کی طرف ایک باغ میں مقیم ہیں۔ ان کی جانب میں چلا تو دیکھا کہ راستہ میں ایک سانپ زمین کے دونوں جانب گھسا ہوا ہے۔ میں اس کو نکالنے لگا تو وہ نہیں نکلا۔ ایک شخص نے چاقو دیا کہ اس سے کاٹ دو تب نکلے گا۔ میں نے اس کو بیچ سے کاٹ دیا تو وہ باہر آگیا پھر آگے بڑھا تو ایک دریا اس باغ سے ادھر کو دیکھا وہاں کوئی کشتی نہ تھی میں نے گھبرا کر آواز دی کہ میں کس طرف سے آؤں۔ والد صاحب قبلہؒ کو میں نے دیکھا کہ اس باغ میں ذکر رہے ہیں۔ میری آواز کو سن کر میری جانب متوجہ ہو گئے اور فرمایا کہ پورب کے راستہ سے آؤ گے تو مجھ تک پہنچو گے اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ صبح کو دل ہی دل میں میں نے اُس خواب کی تعبیر خیال کی کہ بیعت ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ میں دیوہ شریف میں حاضر ہوا۔ بیعت ہونے کے بعد حضرت شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین شاہ ولایت کی خانقاہ میں مقیم ہوا۔ جس وقت میں اپنے بستر پر آرام کرنے لگا میرے دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ حضرت حاجی صاحب قبلہؒ بیعت کرنا نہیں جانتے۔ سب کے سامنے مجھکو بیعت فرمالیا۔ حالانکہ بیعت تنہائی میں ہوتی ہے۔ کیونکہ میں نے اپنے والد اور دیگر بزرگوں کے طریقے دیکھے تھے۔

غرضکہ اسی قسم کے خیالات اور خدشات قلب پر گذرتے رہے۔ صحن

مکان میں ایک چبوترے پر شاہ فضل حسین صاحب وارثی رونق افروز تھے انہوں نے مجھکو خود بخود طلب کیا اور فرمایا کہ تم نے فقیر کہاں دیکھے ہیں تمہارے والد البتہ فقیر تھے جو تم کو ایسا حکم دے گئے۔ کیا وہ خواب تم کو یاد نہیں ہے۔ وہ سانپ یہی خیال ہے اور چاقو ہماری باتیں ہیں۔

شاہ فضل حسین صاحب وارثی کے ارشاد سے مجھے اپنا خواب یاد آیا میں نے اپنے والد بزرگوار کی وصیت اور اس خواب کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے اس ارشاد سے میرے تمام خیالاتِ فاسد دُور ہو گئے اور اس خیال نے دل میں گھر کر لیا کہ جب مرید اسقدر روشن ضمیر ہے تو پیر کی کیا حالت ہوگی۔ میں اسی خوف سے تمام دن بارگاہِ عالی میں حاضر نہیں ہوا۔ حضرت شاہ فضل حسین صاحبؒ نے شام کے وقت فرمایا کہ تم آج بارگاہِ عالی میں کیوں حاضر نہیں ہوئے۔

میں نے کہا "خوف سے۔"

انہوں نے کہا "وہ کچھ نہیں فرمائیں گے، تم جاؤ۔ یہ تو ہمیں لوگ اچھے ہیں جو کہہ دیتے ہیں وہ بحرِ ذخار ہیں۔"

میں ان کے ارشاد سے بارگاہِ عالی میں حاضر ہوا تو حضورِ انور نے مجھے دیکھ کر تبسّم فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"جاؤ بچھرایوں میں ہمارے بہت مرید ہیں۔"

حالانکہ اُس وقت دو مرید ایک قادر شاہ صاحبؒ اور دوسرے حافظ عبدالمجید صاحب تھے مگر اس ارشاد کا ظہور بعد میں ہوا کہ اس وقت تقریباً دو سو شخص حضورؒ کی غلامی کا شرف رکھتے ہیں۔

پھر حضورؒ نے مجھے تہہ بند عطا کیا اور ارشاد فرمایا:

"کسی سے سوال نہ کرنا چاہے دم نکل جائے اور اپنے والد کے مزار پر رہنا اگر تم یہاں نہ آتے تو وہ قیامت میں تمہیں پکڑے پکڑے پھرتے۔"

پھر حاضرین سے ارشاد فرمایا:

"یہ خاندانی فقیر ہوئے ہیں" اور اوگھٹ شاہ خطاب مرحمت ہوا۔ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب کا ایک شعر ہے ؎

گھٹ گھاٹی گھاٹ نہ اوگھٹ جانے نجانے کو لوزاہ
کرپا بھئی گورو وارث کی جو ہو گئے اوگھٹ شاہ

حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی کو آخر زمانہ میں مکتوب نویسی کی خدمت سپرد تھی حضورِ پُرنور کے ارشادِ عالی سے چند سال سیاحی بھی کی ہے اور اس زمانہ کے اکثر بزرگوں سے ملے ہیں۔ پھر ایوں ضلع مراد آباد میں اپنے والد بزرگوار کے مزار پر حضورِ پُرنور کے ارشاد فیض بنیاد کے بموجب قیام رکھتے ہیں۔

مدنی شاہ صاحب کی بیعت کا واقعہ

مدنی شاہ صاحب مدینۂ طیبہ کے رہنے والے تھے۔ نہایت حسین و خوبصورت شخص تھے۔ حضرت مولینا شاہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاد سے حضورِ پُرنور کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور خرقۂ عالی حاصل کیا کچھ عرصہ تک حضورِ پُرنور کے حکم سے غلہ وغیرہ ترک کر دیا تھا اور سیاحی کرتے تھے۔ اسی سیاحی کے زمانہ میں مولوی محمد سمیع اللہ خان صاحب جج مرحوم اور مولوی محمد شفیع خانصاحب جج میرٹھ کے ہمراہ بیت اللہ شریف اور مدینہ طیبہ بھی گئے تھے اگرچہ یہ عربی تھے مگر لباس فقر میں آئے تو بارگاہِ وارثی سے ان کو وہ آنکھ مرحمت ہوئی کہ مسجد مندر گرجا میں جہاں جاتے ایک ہی شان دیکھتے۔

کفر و اسلام کی تفریق ان کے قلب سے زائل ہو گئی تھی۔ مولوی علی احمد خان صاحب وکیل آگرہ تحریر فرماتے ہیں کہ آخر میں ایک دو سال آگرہ میں مقیم رہے۔ تمام دن ایک گوشائیں کے ساتھ شہر میں گشت کرتے۔ مندروں میں گوشائیں کے ساتھ جاتے۔ اہلِ ہنود جیسی تعظیم گوشائیں کی کرتے ویسی ہی مدنی شاہ صاحب کی کرتے۔ اہلِ ہنود ان کی بہت تعظیم کرتے تھے اُن مندروں میں جانے سے بہت خوش ہوتے تھے۔ شب کو دریائے جمن آگرہ کے کنارے ایک بسرات

کی برجیوں پر مدنی شاہ اور گوشائیں بسر کرتے تھے۔

اکتوبر ۴ ء میں دریائے جمن کے کنارہ ہی پر مدنی شاہ صاحب نے انتقال فرمایا ان کی قبر قبرستان پیرگیلانی میں تجویز ہوئی۔ ان کا مزار خان بہادر مولوی محمد شفیع صاحب نے پختہ بنوایا اور سنگ لوح نصب کرائے۔ تاریخ وفات حسب ذیل ہے ہے:

(از ہاشمی صفی پوری)

مدنی شاہ عرب سے جو عجم میں آئے
شاہ وارث نے کیا وارثِ علم عرفان
مدنی شاہ گئے شاہِ مدینہ کے حضور
آگرہ سے مدنی شاہ ہوئے خلد مکان،
خاص مرشد کے یہ عاشق تھے مدینہ والے
چاند پہلے چھپا پھر مہر ہوا ہائے نہاں
ہاشمی مصرعِ تاریخ ہے سال ہجری
مدنی شاہ گئے خلد میں سیاحِ جہاں،

ایسے اکثر واقعات ہیں کہ اِس زمانہ کے محترم بزرگوں نے لوگوں کو حضور انور کی خدمتِ عالی میں استفادۂ روحانی کی غرض سے بھیجا ہے اور بعض کو خود حضور سیدِ عالم فخرِ بنی آدم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اشارۂ روحانیت ہوا ہے جیسا کہ واقعاتِ ذیل سے ظاہر ہوگا۔

دارا خان صاحب کی بیعت کا واقعہ

صاحب تحفۃ الاصفیا لکھتے ہیں کہ شہر لکھنؤ میں ایک نہایت دولتمند شخص دارا خان نامی تھے نوابی شان تھی، ہر وقت مصاحبین کا مجمع رہتا تھا۔ ایک روز وہ اپنی حالت پر افسوس کرنے لگے کہ عرصہ سے مجھے اس بات کا خیال ہے کہ

کاش کوئی ایسا ولی کامل ملتا جو میری رہبری کر کے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرا دیتا۔

ایک شب کا واقعہ ہے کہ دارا خان نے خواب میں حضورِ سرورِ عالم کی زیارت کی اور دو بزرگوں کو ہمراہ دیکھا جن میں سے ایک صاحب نے قدمبوسی کا اشارہ کیا۔ انہوں نے چاہا کہ اپنی آنکھیں پائے مبارک سے ملیں اتنے میں آنکھ کھل گئی۔ دارا خان کو بہت افسوس ہوا۔ اسی حالت میں نمازِ فجر کے لیے مسجد میں آئے اور نماز سے فارغ ہو کر اسی خواب کے تصور میں بیٹھ گئے۔ یہ بیٹھے ہی تھے کہ حضورِ انور کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ دارا خان آپؒ کو دیکھ کر نہایت مضطربانہ حالت سے قدمبوس ہوئے اور بار بار کہتے تھے :

”میں حضورؒ کو خوب پہچانتا ہوں آپؒ حضرت سرورِ کائنات کے ہمراہ تھے اور آپؒ ہی نے مجھکو قدمبوسی کا اشارہ کیا تھا۔“

آپؒ نے فرمایا :

”جوش میں نہ آؤ۔“

وہ خوش نصیب اور بیدار بخت حضورؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور ۱۲ ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ میں انہوں نے اس مسرت میں اپنے احباب کو ایک پر تکلف دعوت دی اور دوسرے سال حضورِ انور کے حکم سے عازمِ بیت اللہ ہوئے۔

مولوی کبیر الدین صاحب کی بیعت کا واقعہ

مولانا مولوی سید عبد الغنی صاحب قبلہ وارثی بہاری مدظلہ العالی (مترجم طبقات الکبریٰ وغیرہ) تحریر فرماتے ہیں کہ غازی پور کے رہنے والے مولوی سید کبیر الدین صاحب یہاں حیدر آباد دکن میں اسکول ماسٹر تھے۔

ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

نے مجھ سے عالم رویا میں ارشاد فرمایا ہے کہ حاجی وارث علی شاہ سے بیعت ہو جاؤ۔ اس لیے میں حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ کی بیعت سے مشرف ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ میں دو تین ماہ کے بعد وطن جاؤں گا اور آپ کو ساتھ لیجا کر مرید کرا دوں گا۔ مگر ان کو ایسا ذوق شوق تھا کہ انہوں نے کہا کہ میں اتنے عرصے تک انتظار نہیں کر سکتا۔ میں اسی تعطیل میں جاکر مرید ہو جاؤں گا۔

چنانچہ وہ تیار ہو گئے اور جس مہاجن سے وہ قرض لیا کرتے تھے اس سے مانگا تو اس نے اپنی عادتِ مستمرہ کے خلاف اس مرتبہ فوراً قرض دیدیا، حالانکہ وہ شخص بغیر دو تین مرتبہ دوڑائے ہوئے کبھی قرض نہیں دیتا تھا۔

جب یہ جانے والے تھے تو ان کی تعطیل کے کُل آٹھ یا سات دن رہ گئے تھے چلتے وقت انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ آستانۂ عالی پر باہر سے آنے والوں کے لیے کیا انتظام ہے۔ تو میں نے جواب دیا کہ وہاں نواب عبدالشکور خان صاحب اور ٹھاکر پنچم سنگھ صاحب کی طرف سے پورا انتظام ہے۔ آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مولوی کبیرالدین صاحب بیان کرتے تھے کہ جب میں لکھنؤ سے بارہ بنکی جانے لگا تو مولینا فضل الرحمٰنؒ صاحب کے ایک مرید کا ریل میں ساتھ ہو گیا۔ اُن کے استفسار پر میں نے بیان کیا کہ میں مرید ہونے کے لیے دیوہ شریف جا رہا ہوں۔ اُن بزرگ نے کہا کہ حاجی صاحب قبلہ کسی کو ٹھہرنے نہیں دیتے۔ اگر تم چاہو کہ وہاں ایک شب قیام رکھو تو اخیر وقت میں جانا۔

مولوی کبیرالدین صاحب باوجود اس کے کہ دس بجے رات کے وقت بارہ بنکی پہنچ گئے تھے مگر پورا دن بارہ بنکی میں گذار دیا اور شب کے وقت دیوہ شریف میں پہنچے۔ اطلاع ملنے پر فوراً بلا لیے گئے۔ جیسے ہم قدمبوسی سے مشرف ہوئے، حضور انور نے ارشاد فرمایا:

"فقیر کے یہاں آئے ہو تو کھانے کی کیا فکر ہے۔ بھوکے رہنا اور نہ میں کسی سے ٹھہرنے کو کہتا ہوں نہ جانے کو جس کا دل جتنے دنوں تک ٹھہرنے کا ہو

ٹھہرے"

مولوی کبیرالدین صاحب کہتے تھے کہ مجھے سخت ندامت ہوئی کہ کیوں میں نے سارا دن بارہ بنکی میں ضائع کیا۔

دوسرے دن مرید ہو کر رخصت ہوئے اور حیدرآباد آتے ہی پچاس روپیہ سے ڈیڑھ سو روپیہ کے ملازم ہو گئے۔ دوسرے سال جب حاضر خدمت ہوئے تو حضورؒ نے میاں ظہور اشرف صاحب یاکسی اور خادم سے متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ "یہ تو اپنے گاؤں کے امیر اور رئیس آدمی ہیں۔" جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولوی کبیرالدین صاحب کی شادی اپنے گاؤں میں ایک رئیس کی اکلوتی لڑکی سے ہوئی جس کی دو تین ہزار روپیہ منافع کی جائداد ہے۔

نادر شاہ کابلی کی بیعت کا واقعہ

حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی تحریر فرماتے ہیں کہ اکثر خدام و مریدین و زائرین بارگاہ عالی میں موجود تھے کہ نادر شاہ کابلی آستانۂ عالی پر حاضر ہوئے اور حضور پر نور کو دیکھتے ہی جوش محبت سے نہایت بے تکلفانہ انداز سے لپٹ گئے۔ ہم لوگوں کو ان کی اس حرکت پر تعجب تھا مگر حضورؒ انور کے خلق عظیم سے واقف تھے۔ اس لیے ساکت و دم بخود رہے۔ نادر شاہ نے حضورؒ سے اپنی زبان میں کچھ عرض کیا جس کا جواب حضور پُر نور نے انہیں کی زبان میں ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد وہ باہر چلے گئے جب ان کے ساتھ ہم لوگوں کی نشست ہوئی تو ان سے گفتگو کا موقع ملا انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ میرا مکان علی مسجد سرحد کابل میں ہے، نادر شاہ نام ہے ہم سات بھائی ہیں۔ مجھکو عبادت کا شوق ہے عرصہ سے مجھے یہ خیال تھا کہ کاش کسی کامل کی زیارت ہو۔ میں دعائیں مانگتا تھا اور ہمہ تن آرزو تھا کہ مجھے کسی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ اس وقت بھی کوئی جناب علی مرتضیٰ شیر خدا کا جانشین ہے یا نہیں۔ اس خیال نے بڑھتے بڑھتے یہاں تک ترقی کی کہ میں اس میں بالکل منہمک ہو گیا اور عیش و راحت جاتی رہی بس یا علی وظیفہ

تھا۔

ایک شب کو میں نے دیکھا کہ دو بزرگ مسجد میں تشریف لائے جن میں سے ایک بزرگ نے دوسرے بزرگ کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا کہ یہ اس وقت میرے جانشین ہیں اور ان کا نام وارث علیؒ ہے ہندوستان میں قیام ہے۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں دیوانوں کی طرح سب سے دریافت کرتا تھا۔ لوگ میری وحشت پر مضحکہ کرتے تھے اور مجھکو پتہ نہیں چلتا تھا کس شہر میں قیام ہے۔ آخر میں نے خدا پر بھروسہ کر کے ہندوستان کا رُخ کیا اور راولپنڈی لاہور دیکھتا ہوا دہلی آیا۔ جامع مسجد دہلی میں جمعہ کی نماز کے لیے گیا۔ جن بزرگ کی طرف جناب علیِ مرتضیٰ کا اشارہ ہوا تھا میں ان کا لباس پہچانتا تھا۔ جامع مسجد دہلی میں نمازِ جمعہ کے بعد میں دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔ مجھکو اسی لباس کے ایک درویش نظر آئے نہایت اضطراب و شوق سے میں ان کے پاس گیا اور نام پوچھا تو انہوں نے معصوم شاہ نام بتایا۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ تم کو یہ لباس کہاں سے ملا۔ انہوں نے دیوہ شریف ضلع بارہ بنکی کا پتہ بتایا۔ مجھے نہایت مسرت ہوئی اور میں دہلی سے یہاں حاضر ہوا۔

حضورؒ کو دیکھتے ہی میں نے پہچان لیا کہ یہ وہی مبارک صورت ہے جو جناب علی مرتضیٰ نے دکھائی تھی۔

اس کے بعد نادر شاہ کابلی بیعت ہوئے اور انہوں نے عربی، فارسی اور اُردو کے مختلف شجرے طلب کئے اور فرطِ انبساط سے کہنے لگے کہ لوگ میرے خیال پر مضحکہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس وقت زمانہ میں کوئی ایسا نہیں ہے میں ان لوگوں سے کہوں گا اور شجرے دکھاؤں گا کہ میں اپنی تمنا میں کامیاب ہوا۔

مرید ہونے کے بعد انہوں نے لباسِ فقر کی درخواست کی مگر حضورؒ پُر نور نے اس وقت منظور نہیں فرمایا اور حکم دیا کہ:

"فی الحال تم اپنے مکان پر جاؤ تین سال کے بعد فقیر بنائے جاؤ گے خبردار کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرنا"

جب تین سال بعد نادر شاہ کابلی حضورؒ کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے تو وہ حضورؒ کی ناسازیٔ طبع کا زمانہ تھا۔ انہوں نے تہ بند کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ حضورِ پرنور کے وصال سے ایک روز قبل وہ خلعتِ فقر سے ممتاز کئے گئے اور فقیر شاہ ان کا نام رکھا گیا اور یہ ارشاد ہوا :

"یہاں سے ابھی چلے جاؤ۔"

اسی شب کے آخر حصہ میں حضورِ انور نے وصال فرمایا۔ جس وقت یہ خبر فقیر شاہ نے سنی فوراً ایک چیخ ماری اور جان کو جانِ آفریں کے سپرد کر دیا ہے :

مریض اپنے مسیحا کے پاس جا پہنچا

کلّن شاہ صاحب کی بیعت کا واقعہ

حاجی اوگھٹ شاہ صاحب مکتوب نویس بارگاہِ وارثی "ضیافتِ احباب" میں کلّن شاہ صاحب کا ایک عریضہ نقل کرتے ہیں جو حضورِ انور کی خدمتِ عالی میں پیش ہوا تھا اور جس کا مضمون حسبِ ذیل ہے۔

" اس کمترین کو گھر سے نکلے ہوئے بیس سال کا عرصہ ہوا سب سے آزاد ہو کر حضرت جمال الدین شاہ صاحب کنجوری سے بیعت کی، انہوں نے جو کچھ تعلیم کیا میں کرتا رہا۔ پھر نو سال تک حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندرؒ کے در کی خدمت کی اور وہاں سے اجمیر شریف جانے کا حکم ہوا۔ تین ماہ تک وہاں حاضر رہا، پھر وہاں سے کرنال کا حکم ہوا۔ پھر حضرت قلندر صاحبؒ کا حکم ہوا کہ تم میراں صاحب کی خدمت کرو اب خاکسار میراں صاحبؒ کے در پر حاضر ہے اور چراغ بتی کی خدمت کرتا ہے۔ اب میراں صاحب کا حکم ہوا ہے کہ تم حاجی وارث علی شاہ صاحبؒ سے بیعت کرو۔

ہم کو حاجی صاحبؒ کی بیعت منظور ہے۔ اب خدا کے واسطے کمترین کو اپنی بیعت میں داخل کیجئے اور میرے حال پر رحم فرمائیے ....."

حضورِ انور کی خدمتِ عالی میں جب کلّن شاہ صاحب کا عریضہ پیش ہوا تو آپ نے ان کی التجا کو قبول فرمایا اور تسلی بخش جواب دیا۔ اس کے بعد کلّن شاہ صاحب کی حالت میں جو تغیر ہوا اور وہ جس خدمتِ عالی سے سرفراز ہوئے۔ اس سے اہلِ کرنال بخوبی واقف ہیں۔

عبدالرحمٰن صاحب حیا کی بیعت کا واقعہ

حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی عبدالرحمٰن صاحب کا عریضہ جو بیعت سے متعلق ہے "ضیافتِ احباب" میں نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے۔

"عرصہ دراز سے میری یہ تمنا تھی کہ میں کسی ایسے بزرگ سے بیعت ہونگا جو مجھے اپنا سا کرلے اور جلوۂ جاناں بے حجاب دکھادے۔ حضورِ والا مجھکو عام رسم و رواج کے موافق بیعت ہونا نہ تھا۔ اس وجہ سے مرید ہونا بہت مشکل جانتا تھا کیونکہ میں سُن چکا تھا کہ پیر ہونا آسان ہے مگر مرید ہونا دشوار۔

چنانچہ ایک ہفتہ ہوا کتاب کرشمۂ وارث میرے مطالعہ میں تھی۔ بیدم شاہ صاحب کے اشعارِ پُر عرفان سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ ؎

اے شیخ تو چیزے دیگری

لہٰذا آج شبِ جمعہ کو علی الصّباح میں نے یہ خواب دیکھا کہ جنابِ محبوبِ خدا شافع روزِ جزا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسجد میں رونق افروز ہیں اس مجلسِ مبارک میں بہت سے اولیا اللہ شریک ہیں اور دونوں شاہزادے حضرات حسنین علیہم السلام بھی تشریف فرما ہیں۔

جناب سرورِ کائنات خلاصۂ موجودات مجھسے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے عبدالرحمٰن مرحبا ہم تجھے بہت پیارا سمجھتے ہیں مگر بغیر واسطہ کے ہم تک آنا درست نہیں۔ اس ارشاد کو سنتے ہی حضرت خواجۂ خواجگان سلطان الہند نے حضرت

محبوبِ الٰہی نظام الدینؒ قدس سرہٗ نے کچھ میری بابت فرمایا۔
حضور محبوبِ الٰہی نے میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لیکر حضورؒ کے دستِ مطہر میں دیدیا۔
اور حضورؒ انور نے بڑی خوشی سے اُسی مجلسِ اقدس میں مجھے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت فرمایا۔
اور حضورؒ نے مجھے "محبوب شاہ" خطاب دیا۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی تو دیکھا کہ اوّل وقت نماز کا ہے۔ میں نے اس نعمت کو نعمتِ غیر مترقبہ سمجھا اور اس خواب کو اسرار جانا۔ سوائے حضورؒ کے یہ خواب کسی سے نہیں کہا ہے۔"
مندرجہ بالا واقعات سے ظاہر ہے کہ اکثر لوگ جناب محبوبِ خدا سرورِ انبیا علیہ التحیۃ والثنا اور جناب شیرِ خدا شاہِ لافتیٰ علی مرتضیٰؓ کے اشارات روحانیت سے حضور کے دستِ بیع ہوئے ہیں۔
بعض واقعات دیگر اقسام کے بھی سماعت میں آئے جو اپنی نوعیت میں بے نظیر ہیں اور ان سے اکثر نتائج مرتب ہوتے ہیں حضور پُر نور کی کمالِ روحانیت پر دال ہیں۔

محمد علی ساکن اجمیر شریف کی بیعت کا واقعہ

منشی عبدالغنی خان صاحب رئیس پورہ غنی خان ضلع رائے بریلی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور پُر نور کی خدمتِ عالی میں حاضر تھا ایک صاحب حضور پُر نور کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے اور آتے ہی مرید ہو گئے۔ اور قیام پذیر ہوئے۔ جب ان سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا تو ہر قسم کی باتیں ہونے لگیں۔ ان کا نام محمد علی تھا۔ ایک روز انہوں نے بر سبیلِ تذکرہ اپنے آنے کا اور بیعت کا واقعہ بیان کیا جو حسبِ ذیل ہے:

"میری سکونت اجمیر شریف محلہ مدار دروازہ کی ہے۔ میں پنجاب میں سواروں میں ملازم تھا۔ میرا رسالہ چھاؤنی کوہاٹ کی طرف گیا تھا۔ میں اتفاق سے اس رسالہ سے بچھڑ گیا۔ دو روز تک پہاڑیوں میں سر مارتا پھرا۔ تیسرے دن ایک پہاڑی پر مجھکو ایک بزرگ ملے انہوں نے کھانے کے لیے دریافت فرمایا۔ میں نے خواہش ظاہر کی تو انہوں نے درخت کی جانب اشارہ فرمایا۔ وہاں کھانا موجود تھا۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور پانی پیا۔ اس کے بعد میں نے التجا کی کہ مجھکو میرے لشکر میں پہنچا دیجئے۔ انہوں نے فرمایا۔ آنکھیں بند کر لو۔ میں آنکھیں بند کر کے بیس قدم چلا تھا کہ آنکھیں جو کھولتا ہوں تو رسالہ میں سواروں کے ساتھ ہوں مجھ سے کسی نے یہ دریافت نہیں کیا کہ تم دو تین دن کہاں رہے۔ میں اپنے دل میں خیال کرتا تھا کہ مجھکو کوئی غیر حاضر نہیں سمجھتا یہ کیا بات ہے۔ جب میں نے لوگوں سے کہا کہ تین دن میری جگہ کون کام کرتا رہا۔ انہوں نے کہا یہ عجیب سوال ہے تم کیا کہیں گئے تھے۔ روز تو ہمارے ساتھ رہے۔ مجھکو حیرت تھی کہ یہ کیا معاملہ ہے یکایک ملازمت سے دل اچاٹ ہو گیا اور میں نے استعفا دیدیا۔

کوہاٹ سے رخصت ہو کر ڈیرہ غازیخان میں آیا وہاں سے تیس کوس کے فاصلہ پر حضرت شاہ سلیمانؒ صاحب کا مزار مبارک ہے۔ میں نے قصد کیا کہ وہاں کے صاحب سجادہ سے بیعت ہو جاؤں۔

میں شام کو پہنچا اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر سو گیا۔ اسی شب کو خواب میں دیکھا کہ مزار مبارک سے وہی بزرگ، برآمد ہوئے جنہوں نے پہاڑ پر رہنمائی کی تھی انہوں نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے گھر جاؤ یہاں بیعت ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے صبح اٹھ کر اجمیر شریف کا قصد کیا۔ یہاں آکر حضور خواجہ غریب نوازؒ کے روزۂ مبارک پر تین دن مراقب رہا۔ تیسرے دن بشارت ہوئی کہ اودھ کی طرف جاؤ وہاں تم کو پیر ملیں گے۔ مجھے اس ارشاد سے یہ پریشانی ہوئی کہ اودھ کی طرف جانے حکم ہوا ہے یہ معلوم نہیں کہ کس شہر یا قصبہ میں جاؤں۔

ڈھائی دن کے جھونپڑے میں ایک درویش حضرت شاہ صادق علی صاحب رہتے ہیں میں نے ان سے جا کر اس واقعہ کا تذکرہ کیا تو انہوں نے ایک اسم تعلیم فرمایا کہ اس کو پڑھ کر سو رہو۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ اسی وقت خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف لائے اور فرمایا کہ :

" تمہارے پیر کا نام حاجی وارث علی شاہ ہے اور دیوہ میں قیام ہے پیادہ پا چلے جاؤ لکھنؤ سے قریب دیوہ ہے وہاں ملیں گے "

اب جو یہاں آکر دیکھتا ہوں تو اور بھی حیرت میں ہوں۔ یہی مبارک صورت تھی جو پہاڑ میں خضرراہ ہوئی اور یہی بزرگ شکل ہے جو حضرت شاہ سلیمان صاحب کے مزار پر انوار سے برآمد ہوئی تھی۔

یہی ہیں جنہوں نے اجمیر شریف میں اودھ کی بشارت دی تھی اور شاہ صادق علی صاحب کے اسم بتانے پر جن بزرگ نے خواب میں پتہ اور نام بتایا وہ بھی یہی ہیں۔ حق یہ ہے کہ آپ نے ہر جگہ میری دستگیری فرمائی اور خدا کا شکر ہے کہ میں تصدیق و یقین کے ساتھ بیعت ہوا اور لاالٰہ الا اللہ کے حقیقی معنی سمجھ گیا۔

چار دن تک محمد علی سوار دیوہ شریف میں مقیم رہے پھر رخصت ہو گئے۔

مسکین شاہ صاحب کی بیعت کا واقعہ

مسکین شاہ صاحب بھی حضور پرنور کے ممتاز فقرا میں گذرے ہیں۔ الہ آباد وغیرہ کی جانب آپ کے بکثرت مرید ہیں کوٹ ضلع فتحپور ان کا وطن تھا حضور سے بیعت ہونے کے بعد راجہ پور ضلع باندہ میں دریا کے کنارے سکونت اختیار کر لی تھی۔

سید علی اصغر صاحب وارثی متوطن شاہ پور ضلع فتحپور ہسوہ لکھتے ہیں

کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت مسکین شاہ صاحب سے اُن کے اختیارِ درویشی کا واقعہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے دل میں یکایک خیال پیدا ہو گیا کہ فقیری و خدا طلبی ہی مایۂ زندگی ہے۔

چنانچہ اس خیال نے رفتہ رفتہ یہانتک استحکام حاصل کیا کہ ایک خاص امنگ پیدا ہوئی اور میں صحراؤں میں پہاڑوں میں عرصہ تک سرگرداں پھرتا رہا۔ اتفاقِ وقت سے ایک درۂ کوہ میں مجھکو ایک نہایت ضعیف العمر درویش ملے جن کے سر پر بہت بڑے بڑے بال تھے اور ایک جگہ بیٹھے رہنے کے باعث ان کے بالوں میں دیمک سی لگ گئی تھی۔ میں ان کے قدموں میں گر پڑا پہلے تو وہ غیض و غضب سے مجھے دیکھنے لگے مگر جب میں نے اس کی پروا نہ کی اور عرض کیا کہ اب آپ کے قدموں کو چھوڑ کر نہ جاؤں گا تو بڑی دیر کے بعد انہوں نے فرمایا کہ تم اپنا حق حضرت سیدنا حاجی وارث علی شاہ صاحب قبلہؒ کے دربار سے پاؤ گے۔ میں نے ان سے پتہ اور نشان دریافت کیا اور دیوہ شریف حاضر ہوا تو حضورؒ نے مجھے دیکھتے ہی تبسم آمیز لہجہ سے ارشاد فرمایا کہ:

"اپنا حق لینے کو آ گئے۔"

میں نے سر جھکا لیا۔ تھوڑے دنوں بعد حضورؒ انور نے خلعتِ فقر سے سرفراز فرمایا اور مسکین شاہ نام رکھا اور فرمایا:

"ہم نے مسکین نہیں بنایا بلکہ امیر بنایا ہے۔"

مسکین شاہ صاحبؒ کے واقعاتِ زندگی نہایت حیرت انگیز ہیں بڑے متوکل اور مستغنی المزاج اور بے پرواہ درویش تھے۔ ہزاروں نے آپ سے روحانی استفادہ کیا۔ یہ حضورؒ انور کا بسنت نہایت دھوم دھام سے کرتے تھے۔ اب بھی ان کے مُریدین عقیدت گزین اُسی تزک و احتشام سے تقلیدِ شیخ میں حضورؒ انور کے تبرکات وغیرہ کی زیارت اور نذر و نیاز کا اہتمام بلیغ کرتے ہیں۔

حضورِ انور کے بیعت ہونے والوں کے واقعات بھی اکثر و بیشتر نہایت اہم ہیں۔ یہ بات مشہور ہے کہ جو لوگ حضورِ انور کے مخالف ہوتے تھے وہ سامنے آتے آتے بیعت ہو جاتے تھے۔ بعض کو بغیر آئے ہوئے غائبانہ ہدایت ہوتی تھی جیسا کہ سید حامد علی شاہ صاحب سجادہ نشین سانڈی ضلع ہردوئی تحریر فرماتے ہیں کہ شاہ آباد ضلع ہردوئی کے ایک معتقد رئیس (جو حکیم ضامن علی صاحب مرحوم کے عزیز تھے) نہایت دیندار بزرگ تھے۔ حضرت سیدنا حاجی صاحب قبلہؒ کے سخت مخالف تھے ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب کی تشریف آوری کی خبر گرم ہوئی تو انہوں نے بہت ہی مخالفانہ اور درشت لہجہ میں الفاظ نازیبا استعمال کیے۔ نمازِ عشاء سے فارغ ہو کر مکان پر گئے شب کو خدا جانے ان پر کیا واقعہ گذرا کہ صبح ہوتے ہوتے بارگاہِ وارثیؒ میں حاضر ہوئے اور نہایت گرمجوشی سے قدمبوس ہو کر بیعت ہوئے۔ بیعت ہوتے ہی ان پر عجیب از خود رفتگی کا عالم پیدا ہوا اُس وقت احباب ان کو چھیڑتے تھے کہ وہ زہد و اتقا کیا ہُوا تو وہ شرمندہ ہو جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ کچھ نہ پوچھو۔

انہوں نے حضرت کی شان میں ایک دیوان بھی لکھا تھا جو نصف ہو گیا تھا کہ مکان میں آتش زدگی کے سبب سے ضائع ہو گیا مخالفت رکھنے والوں کو بھی مختلف طریقوں سے ہدایت ہوئی ہے۔

ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب کی بیعت کا واقعہ

جناب مولوی حسام الدین احمد صاحب قبلہ فضلی (پنشنر ڈپٹی کلکٹر) مؤلف "انوار العیون و لباس المحبوب" وغیرہ رئیس سراوہ ضلع میرٹھ تحریر فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب ۹۲ء یا ۹۳ء میں فتحپور ضلع بارہ بنکی میں ڈاکٹر تھے انہوں نے خود اپنی بیعت کا واقعہ مجھ سے بیان کیا تھا جو یہ ہے کہ ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب حضرت حاجی صاحبؒ کو ایک خلافِ شرع درویش سمجھتے تھے اور بدعقیدہ تھے

ڈاکٹر صاحب کے ایک بھائی مکان سے ان کے پاس آئے اور حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے خیال کے بموجب ان کو منع کیا لیکن وہ واپسی کے وقت مرید ہوتے ہوئے اپنے مکان کو گئے اور وہاں سے ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دی کہ میں مرید ہو گیا۔

اور حضرت قبلہ حاجی صاحبؒ نے وقتِ رخصت ایک کاغذ مرحمت فرمایا جس پر ایک آیت لکھی ہوئی تھی۔

اور اس آیت میں موت کا مضمون تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ بات ناگوار گذری کہ ان کے بھائی نے ان کے منشا کے خلاف کیا۔ ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب کا بیان ہے کہ کچھ دنوں کے بعد جب میرے بھائی کا انتقال ہو گیا تو مجھے خود اس بنا پر عقیدت ہو گئی کہ آپؒ کا وہ پرچہ عطا فرمانا جس میں موت کے مضمون کی آیت لکھی تھی خلافِ عادت تھا۔

مولوی فضل علی صاحب ڈپٹی کلکٹر کی بیعت کا واقعہ

قاضی محمد الیاس صاحب غازی پوری ناقل ہیں کہ مولوی فضل علی صاحب ڈپٹی کلکٹر جو فتح پور ہسوہ کے رئیس تھے نہایت پر مذاق تھے۔ انگریزی تعلیم یافتہ اور نوجوان ہونے کے باعث وہ بیعت ہونے والوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ مرزا قاسم جان وارثی مرزا پوری سے ان کو خاص ربط و اتحاد تھا جب وہ پیری مریدی کی باتیں سنتے استہزا کرتے۔

اور اکثر ہم لوگوں سے کہتے تھے کہ تم کس خبط میں مبتلا ہو یہ سب کھیل تماشا ہے۔ مرزا قاسم جان کہتے تھے کہ جب تک تم سرکار عالم پناہؒ کے روبرو نہیں جاتے جب تک یہ خیال ہے۔ سامنے چلے جاؤ اور مرید نہ ہو تو ہم جانیں۔ اس قسم کی باتوں پر وہ اور بھی ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ ہم قائل ہی نہیں ہیں۔

ایک مرتبہ دیوہ شریف سے حضورؒ انور بارہ بنکی تشریف لائے تو مولوی عزیزالدین صاحب ڈپٹی کلکٹر کے ہمراہ مولوی فضل علی صاحب بھی حضورؒ کی خدمت عالی میں حاضر ہوئے قاضی محمد الیاس صاحب غازی پوری نے حضور سے اطلاع کی. حضورؒ انور نے ان دونوں صاحبوں سے معانقہ فرمایا اور شفقت سے دونوں کے ایک ایک گھونسا مارا اور مولوی فضل علی صاحب سے صرف اتنا ارشاد فرمایا کہ "تم بھی آ گئے" دیر تک باتیں ہوتی رہیں. اس کے بعد حضورؒ سے رخصت ہو کر مولوی عزیزالدین تو اپنے بنگلہ میں روانہ ہوئے اور مولوی فضل علی صاحب کی کچھ عجیب حالت ہوئی کہ بار بار ہم لوگوں سے اضطراب کے ساتھ کہتے تھے کہ ہم کو مرید کرا دو اور ہمارے سب گھر والوں کو بیعت کرا دو. صبح ہی کو حضورؒ انور لکھنؤ تشریف لیجانے والے تھے انہوں نے یہانتک اصرار کیا اور اتنا مجبور کیا کہ ہم لوگوں نے حضورؒ انور کی خدمت بابرکت میں التماس کیا کہ مولوی فضل علی صاحب بیعت ہونا چاہتے ہیں اور حضورؒ کی دعوت کی بھی آرزو رکھتے ہیں. کل حضورؒ پر نور قیام فرمائیں تو مناسب ہو حضورؒ نے دونوں باتیں منظور فرمائیں مگر ایک دن کا قیام اور منظور نہیں فرمایا اور دوسرے دن بارہ بجے دن کی گاڑی سے لکھنؤ جانے کا قصد تھا اور یہ طے ہوا کہ حضورؒ انور صبح کو جائے قیام سے رخصت ہو کر مولوی فضل علی صاحب کے یہاں خاصہ تناول فرماتے ہوئے اسٹیشن پر تشریف لے جائیں.

چنانچہ دوسرے روز ۹ بجے دن کو حضورؒ انور مرزا قاسم جان صاحب وارثی کے مکان سے مولوی فضل علی صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے مولوی فضل علی صاحب نے نہایت اعلیٰ پیمانہ پر حضورؒ پر نور کی دعوت کا اہتمام کیا تھا اور اپنے بنگلہ پر عید کے چاند کی طرح حضورؒ کا انتظار کر رہے تھے اور بار بار بیقرار ہو کر کہتے تھے کہ ابھی حضور تشریف نہیں لائے. آخر کو خود مع دیگر صاحبوں کے اس قصد سے اٹھے کہ راستہ حضورؒ کی پالکی کو خود اپنے کاندھوں پر اٹھا کر لائیں.

سو قدم کے قریب وہ گئے ہوں گے کہ حضورؒ کی پالکی مل گئی۔ ڈپٹی صاحب نے مراسم آداب و تسلیم ادا کرنے کے بعد خود پالکی لے چلنے کے لیے منت سماجت کی مگر حضورؒ نے منع فرمایا۔

جب حضورؒ ان کے بنگلہ پہ پہنچے تو عجیب جوشِ مسرت کا عالم تھا اول ڈپٹی صاحب کے زنانہ مکان میں خواتین بیعت سے مشرف ہوئیں اور بعد میں خود ڈپٹی صاحب شرفِ بیعت سے مستفید ہوئے شیرینی تقسیم ہوئی اور خاصہ وغیرہ تناول فرما کر حضورؒ انور معہ خدام و ہمراہیاں کے رخصت ہوئے۔

حضورؒ انور کے سامنے جاتے جاتے مخالفت دور ہو جاتی تھی اور قلوب محبت کے انوار سے معمور ہو جایا کرتے تھے اور اس قسم کے واقعات آئے دن پیش آتے رہتے تھے۔

مولوی نور کریم صاحب قدوائی کی خرقہ پوشی کا واقعہ

مولوی نور کریم صاحب قدوائی کا واقعہ اگرچہ بیعت سے متعلق نہیں ہے مگر خرقہ پوشی سے ضرور علاقہ رکھتا ہے اور اس واقعہ سے حضورؒ پرنور کی شانِ غیوری متحقق ہوتی ہے اور اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے کہ حضورؒ انور سے بیعت ہونے کے بعد اگر کوئی شخص اپنی بدبختی سے حضورؒ سے منکر ہو کر کسی اور توسل سے مدارجِ روحانی حاصل کرنا چاہتا تھا تو نتیجہ بالکل برعکس پیدا ہوتا تھا اور اس وقت تک وہ نہیں سنبھلتا تھا جب تک کہ حضورؒ خود ہی اس کی دستگیری نہیں فرماتے تھے۔

چنانچہ منشی عبد الغنی خان صاحب وارثی رئیس پور وہ غنی خان ضلع رائے بریلی تحریر فرماتے ہیں کہ مولوی قاضی نور کریم صاحب قدوائی ساکن بڑا گاؤں ضلع بارہ بنکی نواب گنج میں طلبا کو درس دیتے تھے۔ نہایت پابندِ صوم و صلوٰۃ اور ذاکر و شاغل شخص تھے طلبِ حق کا شوق ان کے قلب میں موجزن تھا مگر زہد و عبادت اور چیز ہے تصدیق اور چیز ہے۔

ایک مرتبہ ان کے سامنے ذکر ہوا کہ مانک پور ضلع پرتاب گڑھ میں شاہ خدا بخش صاحب جو صاحب سجادہ ہیں وہ بڑے بافیض درویش ہیں ان کے یہاں اکثر لوگ فیض پاتے ہیں۔ مولوی نور کریم صاحب قدوائی کی زبان سے نکلا کہ ہم کو تو حضرت حاجی صاحب قبلہؒ سے بیعت ہوئے دس بارہ برس گذر گئے لیکن ابھی تک کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ ان لوگوں نے مشورہ دیا کہ تم مانک پور چلے جاؤ چنانچہ مولوی صاحب موصوف وہاں گئے اور طالب ہو کر ذکر و شغل کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔

اس واقعہ کو دو ماہ گذرے ہوں گے کہ حضورؒ پر نور بڑے گاؤں میں تشریف لے گئے۔ یہاں حضورؒ انور نے مولوی صاحب کو طلب فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ وہ حضور کی جانب سے بدعقیدہ ہو گئے مانک پور میں ذکر و شغل سیکھ رہے ہیں۔

یہ سنتے ہی غیرت وارثی کو حرکت پیدا ہوئی اور حضورؒ نے بیساختہ ارشاد فرمایا:

"وہ سڑی سودائی ہے اس کو تمیز ہی کیا ہے۔"

حضور انور کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ مولوی صاحب سڑی سودائی ہو گئے اور برہنہ مادرزاد ہو کر مانک پور میں گلی گلی پھرنے لگے۔ چند روز میں یہ خبر مولوی نور کریم صاحب کے مکان پر پہنچی سب نے سمجھ لیا کہ حضورؒ کی پھٹکار کا سبب ہے دو تین ماہ کے بعد پھر حضورؒ انور بڑے گاؤں میں تشریف لائے اس وقت اتفاق سے مولوی نور کریم صاحب بڑے گاؤں میں موجود تھے۔

حضورؒ کی تشریف آوری پر مولوی صاحب کے اعزا و اقربا سب کے سب حاضر ہو کر آپؒ کے قدموں پر گر پڑے اور منت درازی سے عرضِ حال کیا۔

حضورؒ کا رحم و کرم تو مشہور ہے فوراً ان کو بلانے کا حکم دیا۔ یہ سنتے ہی لوگ ان کو لینے کے لیے گئے تو دیکھا کہ وہ ایک جوتیوں کا ہار گلے میں ڈالے ہوئے ایک گدھے پر سوار ہیں اور بستی کا چکر لگا رہے ہیں۔ بالکل مادرزاد برہنہ تھے۔ اسی

ہیئت سے وہ حضورؒ کی خدمتِ عالی میں لائے گئے اُن کے اعزا و اقربا نے جب اُن کو اِس شکل سے دیکھا تو بے اختیار شور نالہ و فریاد بلند کیا اور حضورؒ کی خدمتِ عالی میں عرض کی کہ یا تو یہ اپنی اصلی حالت پر آجائیں ورنہ ہم لوگ بھی زیست سے تنگ ہیں اور موت کے لیے تیار ہیں حضورِ انور نے ارشاد فرمایا کہ :

" مولوی صاحب کو غسل کراؤ "

اور اپنا ملبوسِ مبارک عطا فرمایا کہ اِس کو پہناؤ۔

جیسے ہی غسل کے بعد وہ لباسِ اطہر اُن کو پہنایا گیا وہ اپنے ہوش میں آگئے اور حضورؒ کے قریب پہنچ کر نہایت ادب و تعظیم سے قدمبوس ہوئے اور گریہ زاری سے اظہارِ ندامت کیا۔ اس روز سے مولوی نور کریم صاحب قدوائی نے حضورؒ کا ساتھ نہیں چھوڑا اور اپنی سابقہ بدعقیدتی پر بیشتر اوقات آبدیدہ رہتے تھے۔ پھر تو فیضانِ وارثی نے ان میں حسنِ عمل کے ایسے چار چاند لگائے کہ وہ نورٌ علیٰ نور ہو گئے۔

جن بزرگوں نے ان کو دیکھا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی حالت میں یک بیک ایسا تغیر ہو گیا تھا جس کا سان و گمان بھی نہیں تھا۔ ظاہری طور پر بھی ان کو حضورؒ کی ذات میں ایسی فنائے کامل ہو گئی تھی کہ خط و خال آواز و صورت نشست و برخاست غرضکہ ہر ایک بات میں ان کو حضورِ پرنور سے مشابہتِ تامہ حاصل تھی۔

مدت العمر حضور کے ساتھ رہے مرض الموت میں حضورِ انور کے حکم سے اپنے مکان پر قیام کیا اور بعد وصال اپنے باغیچہ میں دفن ہوئے۔

یہ بات بھی شانِ وارثی کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے کہ حضورؒ کے دیکھنے والے کی خواہ کیسی ہی حالت کیوں نہ ہو جائے اور وہ کیسا ہی پلٹا کیوں نہ کھائے مگر انجام کار حضور ضرور دستگیری فرماتے ہیں اور وہ فیضانِ وارثی سے محروم نہیں رہتا۔

حافظ احمد شاہ صاحب اکبر آبادی کی بیعت کا واقعہ

حافظ احمد شاہ صاحب کی سات یا آٹھ سال کی عمر ہو گی جب ان کے والدین نے حضور انور کی غلامی میں پیش کر دیا ان کو اس بیعت کا ہوش نہ تھا۔ ان کی تعلیم ظاہری بھی اعلیٰ درجہ کی ہوئی اور زمانہ طفولیت سے شباب تک ان کو علمی مشاغل ہی سے سروکار رہا۔

ظاہری شریعت میں بڑے استوار تھے اور صحبتیں بھی ایسی رہیں جن کی وجہ سے یہ درویشی کے سخت خلاف ہو گئے۔

تصور برزخ کو علانیہ شرک کہتے تھے اور اپنے مرید ہونے کے بارے میں اکثر کہا کرتے تھے کہ میں تو نابھی اور بے شعوری کے زمانہ میں بیعت ہوا تھا یہ بیعت قابلِ وثوق نہیں ہے۔

عرصہ تک اسی خیال میں رہے۔ یکایک ان کی حالت میں خود بخود تغیر پیدا ہوا اور ان کے دل میں خدا طلبی کے جذبات پیدا ہوئے مگر اس پر بھی وہ حضور انور کی جانب سے خوش اعتقاد نہیں ہوئے۔

اجمیر شریف پیرانِ کلیر شریف اور دیگر مقدس مزارات پر جا جا کر انہوں نے ریاض کیا اور مراقب رہے مگر ہر ایک مقام پر ان کو یہی اشارہ ہوا کہ جو کچھ حاصل ہو گا انہیں سے ہو گا جنہوں نے پہلے تمہارا ہاتھ تھام لیا ہے۔

ان کی جو حالتیں گذری ہیں اُن کے متعلق ایک مفصل خط انہوں نے چوہدری خدا بخش صاحب وارثی کو لکھا تھا اور اپنی ایک مختصر سوانح عمری اپنے ہی قلم سے تحریر کی تھی جو فارسی زبان میں ہے اور قلمی ہے۔ راقم الحروف نے اُس کو چودھری خدا بخش صاحب کے پاس دیکھا ہے ان حالات کو دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حافظ احمد شاہ صاحب نے جو حضور انور سے بے پرواہ ہو کر دیگر ذرائع سے طلب حق کی کوشش کی اس میں ذرہ برابر کامیاب نہیں ہوئے۔

اور ہر جگہ سے مایوس ہو کر بارگاہِ وارثی میں حاضر ہوئے اور اپنی خطا ؤں

کا اعتراف کر کے معافی کے لیے استدعا کی۔ اس کے بعد جو حالت ان کی ہوئی اس سے ایک عالم آگاہ ہے۔ آزاد فقیر وہ مشہور تھے۔
حضور پر نور کے خاص جانثاروں میں ان کا شمار تھا۔ خرقہ بھی مرحمت ہوا تھا وصال کے بعد حضور پر نور کے آستانۂ عالی سے متصل ان کا مزار تھا جس کو نواب عبدالشکور خان صاحب وارثی رئیس دھرمپور نے نہایت خوبصورت اور پختہ بنوا دیا ہے۔ لوحِ مزار پر شاہ شاکر صاحب وارثی کا یہ مصرع تاریخ وفات کندہ ہے ؎:

عاشقِ جانباز احمد وارثی آزاد بود

سیّد محی الدین صاحب بیرسٹر کی بیعت کا واقعہ

حضور انور کی تاثیرات محبت سے کوئی خالی نہیں رہتا تھا اور نہ آپ اسکو کبھی چھوڑتے تھے۔ جو آپ کی خدمتِ عالی میں پیش ہو جاتا تھا۔
معصوم بچوں کے قلب میں بھی تاثیراتِ محبت اپنا کام کر کے رہتی تھیں۔
سیّد محی الدین صاحب بیرسٹر ایٹ لا کی بیعت کا واقعہ بھی اسی نوعیت سے علاقہ رکھتا ہے۔
سیّد صاحب موصوف مولٰنا مولوی سیّد عبدالغنی صاحب قبلہ وارثی بہاری (مترجم طبقات الکبریٰ والکلم الروحانیہ وغیرہ) کے فرزند رشید ہیں ان کی بیعت کا واقعہ جناب مولٰنا ممدوح خود تحریر فرماتے ہیں ان کی عمر ۲ سال کی تھی جب اپنی والدہ اور دادی صاحبہ کے ہمراہ حضور پر نور کی خدمت عالی میں پیش ہوئے۔
حضور انور نے شفقت سے ان کی پشت پر دست مبارک پھیر دیا۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ جب وہ جوان ہوئے تو خود بخود ان کو حضور سے بیعت ہونے کی

خواہش پیدا ہوئی حالانکہ کوئی ترغیب و تحریک نہیں تھی۔ چنانچہ جب وہ علی گڑھ کالج کے میٹرک کلاس میں تعلیم پاتے تھے تو علی گڑھ سے اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ دیوہ شریف میں آئے اور خاص عید الفطر کو وقتِ صبح بیعت سے مشرف ہوئے۔

جب میٹرک کا امتحان دیکر علی گڑھ سے وطن جانے لگے تو پھر بصد اشتیاق حاضرِ بارگاہِ عالی ہوئے۔ حضورِ انور نے حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی سے فرمایا کہ:

"کون ہیں؟"

انہوں نے عرض کیا کہ "سید محی الدین سید عبد الغنی صاحب کے فرزند ہیں"۔ ارشاد فرمایا کہ:

"کیوں آئے ہیں؟" عرض کیا گیا کہ "میٹرک کا امتحان دے کر آئے ہیں"۔ یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ:

"یہ پاس ہو گئے"۔

حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ "ابھی تو امتحان دے کر آئے ہیں"۔ حضورِ انور نے فرمایا:

"تمکو کیا معلوم یہ پاس ہو گئے"۔

چنانچہ وہ بفضلہ پاس ہو گئے۔ جب پھر حاضر ہوئے تو حضورِ پُر نور نے ارشاد فرمایا کہ "ابھی تو یہ اور پڑھیں گے"۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے بغیر کسی رکاوٹ کے علی گڑھ کالج سے ایف اے اور بی اے میں کامیابی حاصل کی اور اس کے بعد ولایت گئے اور بیرسٹری میں کامیاب ہو کر واپس آئے۔ باوجود اعلیٰ مغربی تعلیم کے حضورِ پُر انور کی محبت کے انوار اُن کے قلب میں بدرجۂ غایت موجود ہیں۔

جمالِ وارثی کا یہ ادنیٰ کرشمہ تھا کہ جس کی آپؒ پر نظر پڑ جاتی تھی وہ آپؒ ہی کا ہو جاتا تھا ؎

زاندیشۂ عشقِ تو خالی نہ بود یک دِل
اے جانِ جہاں پنہاں چوں جان تو پنہائی

شیخ حسین علی صاحب وارثی کی بیعت کا واقعہ

بعض واقعاتِ بیعت ایسے بھی سماعت میں آئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبلِ بیعت ہی وہ دولت تصدیق سے مالامال ہو گئے۔ جیسا کہ شیخ حسین علی صاحب متخلص نواب وارثی کا واقعہ ہے جس کو وہ خود تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ میں اپنا مکان بنوا رہا تھا اور مکان تیاری کے قریب تھا کہ نہایت زور شور سے پانی برسا اور اس کا کچھ حصہ گر پڑا۔ میں نے دعا مانگی اور عرض کیا کہ یا حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی آپ دعا کریں کہ میرا مکان بن جائے یہ کہتے کہتے میں سو گیا۔ دن میں میرا لڑکا سخت علیل ہو گیا تھا جس کی پانچ سال کی عمر تھی۔ پچھلی رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت حاجی صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ:

"حسین علی جاؤ پھلواری میں کھیرا لگا ہے اس کو توڑ لاؤ"

میں گیا اور دیکھا تو کھیرا ٹوٹا پڑا تھا واپس آکر میں نے عرض کیا کہ کھیرا ٹوٹا پڑا ہے اور کھانے کے قابل نہیں ہے۔ حضور نے فرمایا:

"جانے دو خدا نعم البدل دے گا اور کھیرا اس کی دوا ہو گا"

صبح کو وہ لڑکا مر گیا۔ مجھے بالکل رنج نہیں ہوا۔ سال بھر کے بعد لڑکا پیدا ہوا بفضلہ اب موجود ہے اس کا نام واجد علی سلمہٗ ہے۔

واجد علی کو بھی چار برس کے بعد وہی عارضہ ہوا اور دست اور قے متواتر ہونے لگے۔ بارہ بنکی فیض آباد رونا ہی سب جگہ واجد علی کو لیکر علاج کے لیے گیا مگر کوئی صورتِ صحت کی پیدا نہ ہوئی بالآخر جب میں رونا ہی سے واپس ہو کر گدیہ میں آیا جہاں واجد علی کی ننہال ہے تو ایک عورت کھیرے بیچتی ہوئی آئی

اس سے مستورات نے کھیرے خریدے اتفاق سے کچھ بیج اور کھیرے پلنگ پر پڑے رہ گئے۔ اس مریض بچہ نے وہ بیج اٹھا کر منہ میں ڈال لیے۔ میں نے دیکھا مگر شرم و لحاظ سے کچھ نہیں کہا۔ اس وقت سے قے اور دست بند ہو گئے۔ اور اس نے دودھ بھی پیا۔ آثار صحت نمودار ہونے لگے جب دو گھنٹہ گذر گئے تو میری خوشدامن صاحبہ نے کہا کہ تم لحاظ وادب برطرف کرو اور یہ بتاؤ کہ لڑکے کے دو گھنٹہ سے قے اور دست کیوں بند ہیں۔

میں نے کہا کہ آپ باتوں میں مصروف تھیں یہ کھیرے کے بیج کھا گیا تب یکایک ان کو خیال پیدا ہوا اور انہوں نے کہا کہ تم کو اپنا خواب یاد نہیں ہے حضرت حاجی صاحب قبلہؒ نے فرمایا کہ لڑکا ہوگا اور کھیرا اس کی دوا ہوگی۔ اس وقت مجھے خیال آیا دو کھیرے رکھے ہوئے تھے وہ مسلسل طور پر تراش کر کھلائے گئے۔ واجد علی کو بفضلہ صحت کلی ہو گئی۔

ایک مرتبہ پھر واجد علی کو سخت علالت سے سابقہ پڑا تو بڑی دشواری سے کھیرا تلاش کیا گیا جب صحت ہوئی۔ غرض کہ اس کے علاج کے لیے کھیرا ہی اکسیر ہے۔

شیخ حسین علی صاحب کو اپنی تمنا کے موافق قبل بیعت یہ امتحان ہوا ان کی بیعت کا واقعہ بھی امتحان پر مبنی ہے جس کو وہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شکوہ آباد میں حضور پُر نور کا مزاج مبارک ناساز ہو گیا اور میں نے سنا کہ دیوہ شریف میں شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین شاہ ولایت عفی عنہٗ کو لانے کے لیے شکوہ آباد گئے۔ جس روز وہ روانہ ہوئے ہیں اس کے دوسرے دن میں اپنے موضع سے نواب گنج جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک جگہ کھڑے ہو کر میں نے پان کھایا اور اپنے دل میں عہد کیا کہ اگر آج حاجی صاحب قبلہؒ نواب گنج میں مل جائیں تو واللہ بغیر مرید ہوئے کھانا نہ کھاؤں۔

آگے چل کر میں خود بخود اپنے دل کو ملامت کرنے لگا کہ تو ایسے جلیل القدر بزرگ کی آزمائش کرتا ہے۔ پہلی آزمائش ہی میں کیا کم تجربہ ہوا ہے۔ غرضکہ

میں نواب گنج پہنچا اور کچھ کپڑا وغیرہ ایک دوکان پر خرید رہا تھا کہ حضورؒ انور پالکی پر سوار تشریف لئے جاتے ہیں میں دوڑ کر سامنے حاضر ہوا اور اداب بجالایا حضور انور نے پالکی رکوادی اور فرمایا :

"کیوں دل سے ایک ہیں"

میں نے عرض کیا کہ مجھکو مرید کر لیجئے ۔ پھر حضورؒ نے مکرر ارشاد فرمایا :

" دل سے ایک ہیں"

میں سخت نادم و شرمندہ کھڑا ہوا تھا کہ حضورؒ پُر نور نے فرمایا :

"تمہاری کچھ سزا ہونی چاہیئے ۔ اچھا جاؤ گدیہ سے شیخ منصب علی کو اپنے ساتھ لیکر ستر کھ میں آجاؤ جب مرید کریں گے "

میں نے عرض کیا کہ میں قسم کھا چکا ہوں بغیر مرید ہوئے کھانا نہیں کھاؤں گا ۔ حضورؒ نے فرمایا :

" ستر کھ میں کھانا"

میں بہ تعمیلِ ارشاد عالی گدیہ سے شیخ منصب علی کو اپنے ساتھ لے کر ستر کھ میں ۴ بجے دن کے حاضر ہوا ۔ آپؒ نے مجھے دیکھتے ہی میرے لیے کھانا منگایا جب کھانا آگیا تو فرمایا :

" اب کھانا سامنے ہے تسکین رہے گی، آؤ مرید ہو جاؤ "

مرید ہونے کے لیے میں قریب حاضر ہوا تو پھر ارشاد فرمایا :

" دل سے ایک ہیں " میں نے عرض کیا خواستگارِ معافی ہوں ۔ حضورؒ نے ارشاد فرمایا :

" ہم تم سے بہت خوش ہیں، وہ مرید کیا جو پیر کو جانچ کر مرید نہ ہو اور وہ پیر کیا جو وقت پر کام نہ آئے وہ پیر مثل اس درد کے ہے جو تکلیف دہ ہوتا ہے ۔"

مرید کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ " اب ہمارے سامنے کھانا کھاؤ ۔" یہ حضورؒ انور کی قوتِ روحانی تھی کہ حاضر و غائب کی خبر گیری فرماتے تھے ۔

اکرام حسین کے بیعت کا واقعہ

حضورِ انور کے روحانیت اور قوتِ باطنی کے واقعات اس قدر حیرت انگیز ہیں کہ فہم و ادراک میں نہیں آتے۔ حضورِ انور کی حیاتِ ظاہری میں جس طرح ایسے واقعات نظر آتے رہتے تھے ویسے ہی اب بھی مشاہدہ ہوتے ہیں۔

قاضی محمد لیاقت حسین صاحب وارثی ردولوی رقمطراز ہیں کہ ۲۸ محرم ۱۳۳۴ھ کے شب میں بحالتِ خواب مولوی عبد العلی صاحب وارثی خدا نما نے دیکھا کہ وہ حضورِ انور کی خدمت میں حاضر ہیں اور ایک نوجوان آدمی کو انہوں نے حضورِ انور سے بیعت کرایا ہے۔

بعد بیعت حضورِ انور سے ارشاد ہوا کہ:

"ان کو دو رکعت نماز بھی پڑھوا دو۔"

نیت نماز کی اس طرح ارشاد فرمائی:

"نیت کرتا ہوں میں دو رکعت نماز واصل الی اللہ کی۔ اللہ اکبر۔"

ہر رکعت میں ایک ایک بار سورۂ فاتحہ اور گیارہ گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔

چنانچہ بہ تعمیلِ ارشاد نماز پڑھا دی گئی۔

جب بیدار ہوئے تو خدا نما صاحب کو ظنِّ غالب پیدا ہوا کہ خواب کا واقعہ خارج میں وقوع پذیر ہونے والا ہے۔

۲۹ محرم کو خدا نما صاحب بوقت شام نواب گنج بارہ بنکی سے بعزم دیوہ شریف روانہ ہوئے۔ راہ میں صفر کا چاند دیکھا۔ صبح کو عرسِ خاص سرکار عالم پناہ کا تھا۔ دیوہ شریف پہنچکر خواب کا واقعہ بعض خاص احباب سے بیان کیا۔

یکم صفر دو بجے دن کے حسبِ معمول مزارِ پُرانوار کو غسل دیا گیا۔ بعدہ

قبہ شریف سے باہر صحنچوں میں اور چبوترے پر قوالیاں ہونے لگیں، خان بہادر مولوی محمد باقر پنشنر ڈپٹی کلکٹر رئیس رائے بریلی اور ان کے برادر عزیز مولوی محمد ناصر خان صاحب پنشنر کورٹ انسپکٹر اور ان کے بھانجے اکرام حسین اور عبدالحمید خاں صاحب ایک طرف کھڑے قوالی سُن رہے تھے ان صاحبوں میں صرف عبدالحمید خاں خدانما صاحب کو جانتے تھے، یہ وہاں پر ٹہل رہے تھے۔ عبدالحمید خاں صاحب اور اکرام حسین ان کی طرف دیکھ دیکھ کر آپس میں کچھ باتیں کر رہے تھے۔ خدا نما صاحب نے اس کو محسوس کر کے عبدالحمید خاں صاحب سے کہا:

"شاید کچھ ذکر میرا ہو رہا ہے" عبدالحمید خاں صاحب نے خندہ رو ہو کر کہا:

"اکرام حسین کہتے ہیں کہ یہ خُدا نما کیونکر ہیں اور کس طرح سے ہیں"

یہ سُن کر خُدا نما صاحب نے فی الفور برجستہ کہا:

"کیا دیکھو گے؟"

اکرام حسین نے کہا:

"ضرور"

بس معاً خدا نما صاحب اکرام حسین کو اپنے ساتھ شہ نشین میں لے گئے اور اکرام حسین سے کہا:

"دروازہ پر جو کتبہ تاریخی (فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ) کندہ ہے دیکھو"

اکرام حسین دیکھنے لگے۔

خدا جانے انہوں نے کیا دیکھا کہ دیکھتے دیکھتے مثلِ نقش بر دیوار ساکت اور متحیر ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

خدا نما صاحب ان کو اسی حال میں چھوڑ کر باہر چلے آئے۔ دیر کے بعد اکرام حسین بھی باہر آئے تو خدا نما صاحب نے ان کو مخاطب کر کے کہا:

"دیکھا؟"

انہوں نے ایک آہِ سرد بھر کر کہا:

"ہاں دیکھا"

اس وقت سے اکرام حسین خدا نما صاحب کے گرویدہ ہوگئے۔

شب کو عبدالحمید خاں صاحب روتے ہوئے مولوی محمد باقر صاحب کے پاس آکر کہنے لگے:

اکرام حسین فقیر ہو جانے پر کمربستہ ہے"

سب لوگ محوِ حیرت ہو گئے اور ماموں صاحبان کو ان کے تردّد پیدا ہو گیا۔ اکرام حسین نے بیعت کی درخواست کی۔ محفل شریف کے بعد وہ مرید کرا دیئے گئے اور خدا نما صاحب نے ان کو وہ نماز بھی پڑھوادی۔

اکرام حسین کی محویت اور حضورِ انور کی محبت میں ان کی بے خودی قابلِ دید تھی۔

سرکار والا تبار کے فیوض اور برکات اَلْآنَ کَمَا کَانَ جاری ہیں اور رہیں گے ؎:

چلتا ہے روز دورِ مئے ارغواں ہنوز
جاری ہے فیض محفلِ پیرِ مغاں ہنوز

شیخ عبد العلیم صاحب رئیس فتحپور کی بیعت کا واقعہ

مولوی حکیم محمود علی صاحب وارثی فتحپوری تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ عبد العلیم صاحب وارثی ایک نہایت وسیع اور تاریخی خاندان کی یادگار ہیں، نہایت مقدس بزرگ ہیں اپنی بیعت کا واقعہ خود تحریر فرماتے ہیں جو یہ ہے کہ ان کے والد ماجد کسی اور بزرگ سے بیعت تھے اور اسی سلسلہ میں ان کو بیعت کرانا چاہتے تھے۔ انہی دنوں کا ذکر ہے جس کو خود عبد العلیم صاحب بیان فرماتے ہیں کہ حضور انور فتحپور میں تشریف رکھتے تھے میں ایک ضرورت سے اپنے موضع میں گیا اور واپسی کے وقت اپنے دل میں خود بخود یہ تہیا کیا کہ اگر حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ سچے پیر ہیں تو اس وقت مجھے میرے ہی مکان پر فتح پور میں موجود ملیں فوراً مرید ہو جاؤں گا۔

میں جس وقت اپنے مکان کے قریب پہنچا تو مجھے سماع کی آواز معلوم ہوئی جب احاطۂ مکان میں داخل ہوا تو دیکھا کہ حضور انور میرے مکان میں رونق افروز ہیں۔

میں جس وقت حضورؒ کے سامنے حاضر ہوا تو میرے والد قبلہ سے خود بخود حضورؒ نے فرمایا:

"مظفر علی مظفر علی اس لڑکے کو ہمیں دیدو۔"

انہوں نے عرض کیا "حضور مالک ہیں" چنانچہ میں فوراً حضور کے دستِ مبارک پر بیعت ہوا۔ یہ حضور انور کی نامتناہی قوتِ مدرکہ تھی جس کا اشراقی اثر حضورؒ پرنور کے قلبِ انور کو فوراً طالبانِ صادق کی طرف متوجہ کر دیتا تھا اور وہ آپؒ کی اس بدیہی خرقِ عادت سے حیران و ششدر رہ جاتے تھے۔

مستقیم شاہ صاحبؒ اور انکے خاندان کی بیعت کا واقعہ

حکیم محمود علی صاحب وارثی فتحپوری تحریر فرماتے ہیں۔ مستقیم شاہ صاحبؒ

کے بزرگ کابل سے لکھنؤ میں آئے اور شاہ اودھ کے یہاں ملازمت کی اور فتحپور ضلع بارہ بنکی ان کا مستقر ہوا۔ یہ لوگ جب یہاں آئے تو بالکل تازہ ولایت تھی کہ صاف طور اُردو زبان نہیں بول سکتے تھے۔ ان صاحبوں میں سلیمان خلیل اور یوسف زئی دو گروہ تھے حضورؒ انور جب فتحپور تشریف لائے تھے تو اپنی وضع داری کے مطابق ایک سقہ کے یہاں قیام فرماتے تھے اگرچہ اس وقت مستقیم شاہ صاحبؒ کے اعزا میں سے کوئی حضورؒ انور کا مُرید نہ تھا مگر حضور پُر نور کے سامنے حاضر وغائب سب یکساں تھا کوئی بات مخفی نہ تھی یہ خاندان ازل سے حضور کی جاں نثاری اور محبت میں نام زد ہو چکا تھا اور مستقیم شاہ صاحبؒ اپنی ازلی سعادت سے حضورؒ کے دامِ محبت میں اسیر پیدا ہوئی تھیں۔ آپؒ کے سامنے حالات آئینہ تھے۔ اس لیے حضورؒ بغیر کسی شخص سے ظاہری تعارف کے جس مکان میں مستقیم شاہ صاحبؒ رہتی تھیں تشریف لے گئے۔ حضورؒ انور سقفِ مکان پر مستقیم شاہ صاحبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ مستقیم شاہ صاحبؒ کے والدِ ماجد معز اللہ خاں صاحب قندھاری مکان میں آئے اور انہوں نے نہایت تعجب سے سُنا کہ ایک نوجوان فقیر ان کی دخترِ نیک اختر کے پاس بالاخانہ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس موقع پر خیال کرنا چاہیئے کہ ایک شریف آدمی کو کس قدر پیچ و تاب ہو گا اور شریف بھی کیسا قندھار کا تازہ ولایت شعلہ خو افغان۔

غرض کہ معز اللہ خاں صاحب نے یہ بات سنتے ہی تلوار اٹھالی قصد کیا کہ کوٹھے پر پہنچ کر دونوں کا کام تمام کر دیا جائے۔ پھر زینہ پر پہنچکر خود بخود رُک گئے اور خیال کیا کہ جب نیچے اُتریں اس وقت حملہ کرنا چاہیئے۔

چنانچہ معز اللہ خاں حضورؒ کے تشریف لے جانے کے منتظر تھے اور شمشیر بکف کھڑے تھے کہ حضورؒ پُر نور کوٹھے سے اُتر کر اطمینان سے چلے گئے اور معز اللہ خاں پر ایسی ہیبت حق طاری ہوئی کہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کر سکے۔ تلوار اٹھانا تو درکنار رہا ان کی زبان سے کوئی بات بھی نہ نکلی۔ حضورؒ کے تشریف لے جانے کے بعد پھر خاں صاحب کے وہی خیالات تازہ ہو گئے۔ حضورِ انور نے کچھ پرواہ نہیں

کی ۔ سچ ہے اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون)

آپ اکثر اسی طرح جاتے آتے رہے ۔ چند مرتبہ ایسا ہی اتفاق ہوا تو معزز اللہ خاں صاحب کے خیالات نے خود بخود پلٹا کھایا اور اس بات پر غور کیا کہ جب سامنا ہوتا ہے تو میں ساکت و دم بخود رہ جاتا ہوں اور جب وہ صورت آنکھوں سے اوجھل ہوتی ہے تو پھر وہی خیالات عود کر آتے ہیں ضرور اس میں کوئی راز ہے ۔

غرضکہ تائیدِ غیبی خاں صاحب کے شاملِ حال ہوئی جس نے صراط مستقیم کی راہ دکھائی اور دو ہی چار روز میں سب گھر والے حضورؒ کی غلامی کا دم بھرنے لگے اور حضورؒ کی جس محبت و جاں نثاری میں اس خاندان نے ثابت قدمی کا اظہار کیا وہ مشہور و معروف ہے ۔ حضورؒ انور کے خاص محبوں میں اس خاندان کا شمار ہے خصوصاً مستقیم شاہ صاحبؒ جس پایہ کی درویش گذری ہیں وہ اظہر من الشمس ہے ۔ تجرید و تفرید میں وہ ضرب المثل تھیں اور بڑی صاحبِ نسبت اور کامل گذری ہیں ۔ بارگاہِ وارثی میں نہایت مقبول تھیں ۔

حضورؒ انور کے دستِ مبارک پر اس قسم کی بھی بیعتیں ہوئی ہیں کہ کسی پردہ نشین کے دل میں حضورؒ انور کی بیعت کی تمنا ہے تو حضورؒ انور خود بخود تشریف لے گئے اور بیعت فرما لیا ۔

حق یہ ہے کہ حضورؒ انور کی ارفع و اعلیٰ شان عدیم المثال تھی جس کی ماہیت و حقیقت سے خبردار ہونا نہایت مشکل کام ہے ۔

عالم رویا میں استفادۂ بیعت

بشارات و اشارات اکثر خواب میں ہوتے ہیں اور رویائے صادقہ کی حدیث شریف میں بہت تعریف ہے کہ سچے خواب جزو نبوت ہوتے ہیں

مگر شریعت نے خواب کی بات پر عمل کرنے کو منع کیا ہے کیونکہ اکثر خواب ایسے ہوتے ہیں جو خواہ کتنے ہی سچے اور اچھے کیوں نہ ہوں ان کی حقیقت فوری طور پر سمجھ میں نہیں آتی اور بعض اوقات نتیجہ برعکس برآمد ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کتاب میں وہ واقعات خواب نہیں درج کئے گئے جنکی حضورِ پر نور نے خود تصدیق نہیں فرمائی یا جن کو اصلیت پر مبنی ہونے میں احتمالِ شک ہے اسی وجہ سے بعض نہایت اہم واقعاتِ خواب چھوڑ دیئے گئے ہے:

چو غلامِ آفتابم ہمہ آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم نہ حدیثِ خواب گویم

حضورِ انور جن لوگوں کو خواب میں بیعت فرماتے اُن کو سامنے آتے ہی پہچان لیتے اور خواب میں بیعت ہونے کی تصدیق فرماتے تھے۔ راقم الحروف نے بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ حضورِ انور کا خواب میں اس طرح بیعت فرمانا اور تعلیم وغیرہ کرنا نسبتِ اویسیہ کے کمال پر مبنی ہے حضورِ انور سے خواب میں بیعت ہونے کے بعض مختلف واقعات حاصل ہوئے ہیں جو تمثیلاً لکھے جاتے ہیں۔

شیخ نہال الدین صاحب وارثی متوطن ضلع بارہ بنکی روایت کرتے ہیں کہ ۱۳۳۰ھ کا واقعہ ہے کہ سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب جو بمبئی کے ایک نامور اور مشہور تاجر ہیں انہوں نے خواب میں حضورِ پر نور کی بیعت کا شرف حاصل کیا سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب نے حضورِ پر نور کو کبھی نہیں دیکھا تھا جب وہ مسجد میں نمازِ فجر کے لیے آئے تو بعد نماز انہوں نے اکثر لوگوں سے اس خواب کا تذکرہ کر کے یہ بیان کیا کہ اس خواب کا اثر تو قلب پر ایسا ہے جس کو بالکل اصل کہنا چاہیئے مگر معلوم نہیں وہ کون بزرگ تھے اور ان کا کیا نام تھا اور کہاں کے رہنے والے تھے مولوی شیخ عبدالعزیز صاحب متوطن کرسی ضلع بارہ بنکی اُس مسجد میں پیش امام تھے انہوں نے جب مفصل واقعہ خواب کا سنا اور ان بزرگ کا سراپا سماعت کیا تو سیٹھ صاحب سے فرمایا: "اس شکل و شمائل کے بزرگ تو حضرت سیدنا حاجی صاحب قبلہ ہیں جو ہمارے جوار میں رہتے ہیں۔"

سیٹھ صاحب کو حضورؒ کا پتہ و نشان معلوم ہوا تو وہ بارگاہِ عالی کی حاضری کے لیے بے چین ہو گئے اور مولوی عبدالعزیز صاحب پیش امام کو اپنے ہمراہ لے کر عازم ہوئے۔ جس وقت آستانۂ عالی پر حاضر ہوئے۔ حضورِ انور نے سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب کو دیکھتے ہی فرمایا:

"تم تو مرید ہو چکے ہو اس قدر دور دراز سفر کی کیا ضرورت تھی"۔

مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی تحریر فرماتے ہیں کہ میری نانی صاحبہ اہلیۂ حکیم رحمت علی صاحب کی بیعت کا یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضورِ انور اُن کے سامنے رونق افروز ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

"تم ہم سے کیوں مرعوب ہوتی ہو ہم تمہارے ہیں، تم ہماری ہو مرید ہو جاؤ"۔

یہ ارشاد سنتے ہی ان کی آنکھ کھل گئی۔ یہ خواب انہوں نے قریبِ صبح دیکھا تھا۔ اس کے بعد پھر اُن کو نیند نہیں آئی۔ صبح کو انہوں نے ایک صاحب کو بلوایا جو اُس قصبہ میں نہایت بزرگ سمجھے جاتے تھے اور میاں جی وارث علی صاحب ان کا نام تھا۔ جب وہ تشریف لائے تو ڈیوڑھی میں بٹھائے گئے۔ پردہ سے اہلیہ حکیم رحمت علی صاحب نے اپنا پورا خواب بیان کیا۔ میاں جی وارث علی صاحب نے فرمایا کہ: "یہ حلیہ تو میرے پیر و مرشد کا ہے۔ مگر وہ عرصہ دراز سے مکہ معظمہ کی طرف گئے ہوئے ہیں"۔

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ میاں جی صاحب کی لونڈی دوڑی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ میاں صاحب آپ کو ایک شاہ صاحبؒ دریافت فرماتے ہیں۔ میاں جی صاحب نے ڈیوڑھی سے قدم باہر ہی رکھا تھا کہ خود حضورِ انور سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے وہ دوڑ کر قدموں پر گر پڑے۔ آپؒ نے دریافت فرمایا کہ "یہ کس کا مکان ہے؟"

میاں جی صاحب نے عرض کیا کہ یہ حکیم رحمت علی صاحب کا مکان ہے

یہ سن کر حضورِ انور نے ارشاد فرمایا!

"وہ ہمارے پکتی بھائی ہیں" اور دریافت فرمایا!

"کہاں ہیں؟"

میاں جی نے عرض کیا! "ابھی حضور ہی کا ذکر خیر تھا۔ ان کی بیوی نے حضور کو آج ہی خواب میں دیکھا ہے۔ حضور اندر تشریف لے چلیں اور ان کو بیعت فرمائیں۔"

حضور نے فرمایا!

"بس بس وہ تو مرید ہیں" اور تشریف لے گئے۔

منشی الہ یار خان صاحب متوطن علی گڑھ ناقل ہیں کہ حضور پرنور باندہ تشریف لے گئے وہاں میرے والد ماجد ڈاکٹر تھے ایک شخص نے بڑی تمنا سے خواہش کی تھی کہ جب حضور باندہ تشریف لائیں تو مجھے ضرور اطلاع دینا میں مرید ہونا چاہتا ہوں۔ مگر وہاں حضور جب تشریف لائے تو وہ شخص ایک دور دراز مقام پر تھا۔ اس کو فوراً اطلاع دی گئی اور اس کے اشتیاق کی وجہ سے اکثر لوگوں نے حضورِ انور سے ٹھہرنے کے لیے اصرار کیا اور عرض کیا کہ ایک شخص طالب بیعت ہے۔ آپ نے فرمایا:

"اب ہم نہیں ٹھہر سکتے اور وہ مرید ہو گیا"

چنانچہ جب وہ شخص پردیس سے واپس آیا تو اس نے ٹھیک وہی تاریخ اور دن بتایا جب حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ مرید ہو گیا۔ اور بیان کیا کہ مجھکو خواب میں حضورِ انور کی بیعت نصیب ہوئی ہے۔

مولوی سید علی حامد شاہ صاحب قادری چشتی سجادہ نشین سانڈی ضلع ہردوئی تحریر فرماتے ہیں کہ منشی صادق علی صاحب متوطن گوپامئو ضلع ہردوئی حضورِ انور کے سخت مخالف تھے۔ مجھ سے وہ خود اپنی بیعت کا واقعہ بیان کرتے تھے۔ جو یہ ہے کہ جب حضور پرنور گوپامئو تشریف لے گئے تو مولوی محمد فاضل صاحب تعلقہ دار نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قبلہ

آئے ہیں تم کو بھی ملنا چاہیئے۔ میں نے جواب دیا میں ایسے فقیروں سے نہیں ملتا اور بھی چند سخت الفاظ زبان سے نکل گئے۔

جیسے ہی میں اپنے مکان میں آیا نہایت شدت سے شکم میں درد شروع ہو گیا۔ اسی وقت ایک طبیب کو بلایا گیا۔ انہوں نے ہر چند دفیعہ کی تدبیریں کیں مگر کچھ سودمند نہ ہوئیں۔ میں نے سمجھ لیا کہ اب موت آگئی۔ اسی بے چینی اور بیقراری کی حالت میں کچھ غفلت سی ہوئی تو میں نے دیکھا کہ ایک عالی شان مسجد ہے جس میں بزرگان دین کا مجمع ہے اور سب نماز سنت ادا کرنے کے بعد کسی انتظار میں خاموش بیٹھے ہیں اتنے میں باہر سے کچھ آواز معلوم ہوئی تو وہ سب اٹھ کر استقبال کے لیے باہر گئے اور ان بزرگ کو اپنے جھرمٹ میں لیکر اندر لائے۔ اُن بزرگؒ نے اندر تشریف لاکر نماز سنت ادا کی اور پھر فرض پڑھائے۔ میں نے دیکھا تو یہ بزرگ حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ تھے۔ میں قدمبوس ہوا اور درخواست بیعت کی تو آپؒ نے بیعت فرمایا۔

اس کے بعد وہ غفلت جاتی رہی آنکھ جو کھلی تو اپنے آپ کو بالکل صحیح و تندرست پایا۔ کوئی درد یا کرب یا بے چینی کی علامت نہ تھی۔

اسی وقت میں اپنے خیالات باطلہ سے تائب ہوا اور حضورؒ انور کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ حضورؒ انور نے مجھکو دیکھتے ہی ارشاد فرمایا :

"کیا دوبارہ مرید ہو گئے ؟"

میں نے بڑھ کر قدمبوسی کی اور اپنی گذشتہ بے ادبی پر اظہار ندامت کیا تو حضورؒ انور نے تبسم آمیز لہجہ سے ارشاد فرمایا :

"تمہاری خطا نہیں ہے آنکھوں کا قصور ہے۔"

حافظ عبدالاحد صاحب فضلی متوطن میرٹھ ناقل ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جس نے بظاہر کبھی حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ کی زیارت نہیں کی تھی مگر وہ عالم رویا میں حضورؒ کی بیعت سے مشرف ہوا۔ لوگوں نے اُس سے کہا کہ خواب کی بیعت جائز نہیں ہے۔ تم کسی بزرگ سے بیعت ہو جاؤ۔ اُس نے ارادہ کیا تو آپؒ نے

پھر خواب میں ارشاد فرمایا :

"تم مرید ہو چکے ہو اب کوئی ضرورت نہیں"

اس کو چند بار ایسا ہی اتفاق ہوا کہ جب لوگوں کے کہنے سننے سے اس نے کسی بزرگ سے بیعت ہونے کا قصد کیا حضورؒ نے اس کی تسکین فرمائی کہ "تم ہماری بیعت میں آچکے ہو"

اب اس کو پوری تصدیق ہو گئی ہے اور خواب ہی میں حضورؒ نے اس کو مطمئن فرمایا۔

حضورؒ انور کی ذات محمود الصفات سے حاضر و غائب کے لیے ہر وقت فیوض جاری رہتے تھے اور لوگوں کو جو مشاہدات ہوتے تھے وہ بالکل اصل پر مبنی ہوتے تھے اور حضورؒ انور نے بغیر اُن کی زبان سے کچھ سنے ہوئے اس بیعت کو صحیح ارشاد فرمایا اور مکرر بیعت نہ لینا اس بات کی بیّن شہادت ہے کہ حضورؒ خود لوگوں کو مستفید فرماتے تھے۔ اور خداوندِ قدیر نے حضورؒ انور کو کمالاتِ روحانی کا مظہر اتم بنایا تھا اور نسبتِ اویسیہ میں وہ کمال بخشا تھا جو اپنی آپ نظیر ہے۔ خواب میں بیعت ہونے کے اکثر واقعات ہیں اور یہ بات حضورؒ انور کے ایک معمولی تصرفات پر مبنی تھی۔

بعض واقعاتِ خواب نہایت اہم ہیں۔ جن سے اکثر روحانی نتائج اخذ ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ دو تین واقعے جو ہم کو دستیاب ہوئے ہیں لکھے جاتے ہیں اور چونکہ ہماری محدود نظر میں یہ بالکل اچھوتے اور جدید واقعاتِ بیعت ہیں اس لیے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان سے بھی اہم واقعات گذرے ہوں اور ہمارے علم میں نہ ہوں۔ کیونکہ حضورؒ کے صفاتِ برتر کا کوئی احاطہ نہیں ہو سکتا اور نہ حضورؒ کی تاثیراتِ روحانی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ واقعات حسب ذیل ہیں :

قاضی سلیمان احمد صاحب کی بیعت کا واقعہ

مقرب بارگاہ وارثی
جناب مرزا محمد ابراہیم

بیگ صاحب شیدا لکھنوی قاضی سلیمان احمد صاحب رئیس سیہجہ ضلع بارہ بنکی کی بیعت کا واقعہ تحریر فرماتے ہیں جو یہ ہے :

قاضی سلیمان احمد صاحب کی یہ بیدار بختی اور خوش نصیبی اس لیے قابلِ ذکر ہے کہ قبل ازیں کوئی ایسا واقعہ سنا نہیں گیا۔ حالانکہ بظاہر قاضی صاحب کا واقعہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے واقعات قلم بند ہوئے ہیں کہ اکثر لوگ خواب میں شرفِ بیعت سے مستفید ہوئے لیکن اس واقعہ سے ایک عجیب آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ بیعت کا تعلق روح سے ہے اور یہ مسئلہ قاضی صاحب کے واقعہ سے حقیقی طور پر متحقق ہوتا ہے جو یہ ہے کہ قاضی سلیمان احمد صاحب رئیس سیہجہ ضلع بارہ بنکی بہت کم سنی میں یتیم ہو گئے اور آپ کے والد اور بڑے بھائی مولینا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رضی اللہ عنہ کے مرید تھے اسی زمانہ میں ان کا ارادہ ہوا کہ ان کو بھی مولینا رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کرا دیا جائے مگر ۱۳۱۰ھ میں قاضی سلیمان احمد نے عالم رویا میں ایک مکان کا نقشہ دیکھا جسمیں زمین کا فرش ہے اور اسمیں ایک بزرگ رونق افروز ہیں اور زائرین کا غیر معمولی مجمع ہے۔

ایک شخص اپنے سر پر زرد رنگ کا تہہ بند رکھ کر لایا اور اس ذی شان بزرگ کی خدمت میں پیش کیا بعد ازیں ایک صاحب نے قاضی سلیمان احمد صاحب کی بیعت کے لیے گذارش کی جو قبول ہوئی اور قاضی صاحب سلسلۂ عالیہ میں داخل ہوئے۔

قاضی سلیمان احمد صاحب نے جب یہ خواب دیکھا ہے اس وقت تک حضورِ انور کا اسم گرامی بھی نہیں سنا تھا اور نہ کسی قسم کا شوق یا خیال ان کو مرید ہونے کا تھا بلکہ اپنے خیال میں زہد و عبادت ہی کو خدا شناسی کا ذریعہ جانتے تھے۔ اس خواب کو دیکھے ہوئے پانچ سال کا عرصہ گذر گیا تو ۱۳۱۵ھ میں حضرت امام الاولیا حضورِ وارث پاکؒ کے والد ماجد سید نا قربان علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کا عرس تھا تو سیر و تفریح کی غرض سے قاضی سلیمان احمد صاحب

بھی جناب راجہ دوست محمد خان صاحب وارثی تعلقہ دار نہونا ضلع سلطان پور کے ہمراہ دیوہ شریف میں آئے۔ یہاں آکر قاضی صاحب نے مکان کا نقشہ اور مکین کی شان خدام و حاضرین کی صورت اور وضع بجنسہ وہی دیکھی جو پہلے خواب میں دیکھ چکے تھے۔

اور جس کو جس طرح خواب میں دیکھا تھا کہ زرد رنگ کا تہہ بند سر پر رکھ کر حاضر ہوا اُسی طرح اُس شخص کو انہوں نے یہاں تہہ بند پیش کرتے ہوئے دیکھا اور جس شخص نے ان کو خواب میں بیعت کرایا تھا اُسی شخص نے یہاں بیعت کرایا غرضکہ خواب میں جن لوگوں کو جن خدمات سے دیکھا تھا اُسی طرح انہیں لوگوں کو انہوں نے یہاں بھی اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھا۔ اس خواب میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ ۱۳۱۰ھ میں جب قاضی سلیمان احمد صاحب نے خواب دیکھا تھا تو اس وقت تک نہ وہ مرید ہوئے تھے، جو سر پر رکھ کر تہہ بند لائے اور نہ وہ بیعت ہوئے تھے جنہوں نے قاضی صاحب کو مرید کرایا۔ سر پر رکھ کر تہہ بند لانے والے بابو کنہیا لال صاحب (غلام وارث) وکیل علی گڑھ تھے اور مرید کرانے والے راجہ دوست محمد خان صاحب تعلقہ دار نہونا تھے اور یہ ہر دو صاحب ۱۳۱۰ھ کے بعد بیعت ہوئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ عالم اجسام میں جو بیعت ہوتی ہے یہ اس بیعت کا تکملہ ہے جو عالم ارواح میں ہو چکی ہے۔

اور جس طرح اس عالم میں حاضر ہوتے ہیں اور خدمات بجالاتے ہیں بالکل اسی طرح ازل میں بھی حاضر باش و خدمت گذار رہے ہیں ورنہ قبل وقوع بیعت بابو کنہیا لال صاحب وغیرہ کی حاضری اس طرح نہ ہوتی جسطرح بعد حصول بیعت ہوتی رہی۔

بابو وارث علی خانصاحب رئیس اعظم جگدیش پور کی بیعت کا واقعہ

بابو وارث علی خان صاحب رئیس اعظم

جگدیش پور حضورؒ انور کے خاص محبوں اور جاں نثاروں میں ہیں۔ آپؒ کی بیعت کا واقعہ بھی عالمِ ارواح اور عالمِ اجسام کے تعلقات کی خبر دیتا ہے جو حسبِ ذیل ہے :

جنابِ موصوف بیان فرماتے ہیں کہ اپنے بیعت ہونے سے ایک سال قبل میں نے حضورؒ انور کی خواب میں زیارت کی کہ حضورؒ تشریف فرما ہیں اور میں حاضر ہوا حضورؒ نے مجھکو دو تصویریں عنایت فرمائیں ایک تصویر تو مسٹر آرنلڈ پروفیسر مدرستہ العلوم علی گڑھ کی تھی اور دوسری تصویر علامہ شبلی نعمانی کی تھی ان دونوں صاحبوں کو میں نے اس سے قبل نہیں دیکھا تھا۔

ایک سال کے بعد میں دیوہ شریف حاضر ہوا خواب میں جو حضورؒ کی شکلِ مبارک اور طرزِ نشست دیکھی تھی اسی طرح دیکھا کچھ فرق نہ تھا۔

علامہ شبلیؒ کو اس خواب سے پانچ سال بعد دیکھا اور دیکھتے ہی محض اس تصویر کی وجہ سے پہچان لیا۔ اور بیعت سے تیرہ چودہ برس بعد جب میں انگلستان گیا تو مسٹر آرنلڈ کو دیکھا اور ان کو بھی اس خواب کی وجہ سے فوراً پہچان لیا۔

مولوی محمد سرفراز خان صاحب محقق وارثی کی بیعت کا واقعہ

حضورؒ کی ذات محمود الصفات سے عجیب عجیب رموزِ باطنیہ کا انکشاف ہوا ہے جن کا سمجھنا ہمارے فہم و ادراک سے باہر ہے۔

مولوی سرفراز خان صاحب محقق شکوہ آبادی، سابق منیجر درگاہ اجمیر شریف کے والد ماجد اکبر خان صاحب کا جب انتقال ہوا ہے تو ان کی عمر گیارہ سال کی تھی اور اس وقت سے مولوی محمد سرفراز خان صاحب کے عم مکرم صوبہ دار وزیر خان

صاحب ان کے کفیل پرورش ہوئے۔

مولوی صاحب موصوف ایک تاریخی خاندان کی یادگار ہیں اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہیں۔ ہندوستان میں ان کے آباؤاجداد معزز و وقیع رہے ہیں مولوی سرفراز خان صاحب وارثی اپنی ابتدائی حالت اور بیعت کا واقعہ خود تحریر فرماتے ہیں جو حسب ذیل ہے۔

میرے والد ماجد اکبر خان صاحب مکان پر رہتے تھے اور میرے عم مکرم وزیر خان صاحب چھاؤنی پونا میں صوبہ دار تھے چچا صاحب کو صدا سہاگ کے ایک درویش کامل سے بیعت تھی مگر ان کی بیعت کا راز نہایت پوشیدہ تھا جب وہ پنشن لے کر اپنے وطن میں رہنے لگے تو ان کا یہ قاعدہ تھا کہ دو دو تین تین روز تک ایک حجرہ میں دروازہ بند کر کے معتکف رہتے تھے خورد و نوش اور دیگر ضروریات کے لیے بھی باہر نہیں نکلتے تھے جب دو تین دن میں واپس آتے تھے تو ان کی نہایت پر جلال حالت ہوتی تھی چہرہ اور آنکھیں سرخ ہوتی تھیں مہینہ میں دو ایک مرتبہ اس طرح اعتکاف میں رہتے تھے۔

میرے عم مکرم کی کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے وہ مجھکو نہایت پیار اور محبت سے رکھتے تھے اور اپنی ہی اولاد سمجھتے تھے۔ میری عمر گیارہ سال کی ہوگی جب میرے والد ماجد کا انتقال ہو گیا اس روز عمو ی صاحب جوش محبت سے بیقرار ہو کر بولے کہ میرے پیارے بھائی مجھے کیا معلوم تھا کہ تم مجھ سے ایک سال پہلے چلے جاؤ گے ورنہ اپنی عمر کا ایک سال تمہیں کو دے دیتا۔ غرضکہ ایک سال کے بعد ہی انہوں نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا اور حالت نزع میں مجھے طلب فرمایا اور اپنے سینہ سے لگا لیا اور اس زور سے مجھکو دبایا کہ نہایت تکلیف ہوئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی گرم سلاخ میرے دل میں گھس گئی اور اس کے بعد چچا صاحب قبلہ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

"خیر وارث تیرا وارث ہے"

یہ کہتے ہوئے مجھکو چھوڑ دیا اس وقت جو میری حالت تھی وہ بیان

ے باہر سے مجھکو غشی طاری ہوگئی میرے بھائی اور میری والدہ مجھکو سنبھالنے لگیں
پندرہ بیس منٹ کے بعد مجھے ہوش آیا. اُس وقت ان کا وصال ہو چکا تھا ان
کی تجہیز و تکفین میں سب متوجہ ہو گئے پندرہ روز تک مجھے بہت تکلیف رہی اور
قلب میں سوزش رہی جس کے ساتھ ہی ایک سرور بھی طاری رہتا تھا. رفتہ رفتہ
یہ حالت کم ہوتی گئی اس کے بعد بعض اسباب ایسے پیش آئے جن سے طبیعت
منتشر ہوگئی. میں مانڈلہ میں تھا کہ سخت علیل ہو گیا جب صحت ہوئی تو گرمی
محبت کے آثار قلب پر محسوس ہونے لگے. احباب نے مشورہ دیا کہ مولینا کرامت
علی صاحب کے صاحبزادہ مولوی شاہ احمد میاں صاحب سے بیعت ہو جاؤ
یہ ابھی ارادہ ہوا کہ ضرور شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اس سعادت
کو حاصل کروں گا مگر چھ سات سال برہما میں رہنے کے بعد جب میں نے رخصت
لی تو معلوم ہوا کہ مولوی احمد میاں صاحب کا وصال ہو چکا ہے.

اس کے بعد خیال ہوا کہ گنج مراد آباد میں جا کر حضرت مولینا شاہ فضل الرحمٰن
صاحب رضی اللہ عنہ سے بیعت ہو جاؤں مگر بظاہر خانگی ضروریات کے باعث
حاضری نہ ہوسکی. رخصت ختم ہونے کے بعد کاغذات دیہی کے کام میں تعینات
ہو کر ضلع بریلی میں جانا ہوا وہاں جناب قبلہ شاہ نظام الدین صاحب رحمتہ اللہ
علیہ کے قریب ہی میرا مکان تھا جس کے سبب سے اکثر شب کو حضرت شاہ
صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا شاہ صاحب مجھ پر نہایت شفقت فرماتے تھے مگر وہاں
بھی میرا حصّہ نہیں تھا. اس لئے بیعت نہ ہوسکا اس کے بعد پیلی بھیت میں حضرت میاں
محمد شیر شاہ صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں بھی اکثر حاضری کا اتفاق ہوا مگر
میری طبیعت کا رجحان مولینا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رضی اللہ عنہ کی طرف تھا
اسی زمانہ میں میں نے حضرت مولینا ممدوح کے وصال کی خبر سنی جس سے بے حد
رنج و ملال ہوا اور ضلع بریلی سے محکمہ کاغذات دیہی منتقل ہو کر میں پوری آیا
وہاں جو میں نے مکان کرایہ پر لیا وہ خاص حضرت حافظ شاہ محمد عارف صاحب
رحمتہ اللہ علیہ کے دروازہ پر تھا. شام کو مغرب کی نماز کے لیے میں حضرت حافظ
صاحبؒ کی مسجد میں گیا اور شرف قدمبوسی حاصل کیا. حافظ صاحب کی عمر

اس وقت قریب سو برس کے تھی نہایت پاک اور مقدس صورت تھی۔ حافظ قبلہ کی خدمت میں مجذوب وغیرہ بہت آتے تھے۔ چند ہی روز میں جناب ممدوح میرے ساتھ نہایت شفقت و محبت کا برتاؤ کرنے لگے اور میں بھی بہت زیادہ ان کی خدمت میں حاضر رہنے لگا۔

ایک روز تخلیہ میں مجھ سے فرمایا کہ میرے پاس کچھ تھوڑی سی پونجی ہے جو میں تجھکو دینا چاہتا ہوں میں نے عرض کیا مجھ سے یہ بار نہیں اٹھ سکے گا۔

اس کے بعد ایک مرتبہ مولینا محمد محسن صاحب کارکوروی نور اللہ مرقدہ اور میر مخدوم احمد صاحب سے بھی شاہ صاحب نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے جو پونجی میرے پاس ہے وہ میں سرفراز خان کو دوں مگر یہ گریز کرتا ہے۔ یہ سنکر دونوں بزرگوں نے مجھ سے فرمایا کہ یہ نعمت سینکڑوں برس کی خدمت سے بھی نہیں ملتی پھر کیوں تامل ہے میں نے ان کو بھی یہی جواب دیا کہ میں اپنے کو اس قابل نہیں پاتا کچھ عرصہ کے بعد حافظ صاحب قبلہ کا بھی وصال ہو گیا۔ اسی زمانہ میں میں نے رخصت لی اور بعد ختم رخصت شکوہ آباد سے ۹ بجے شب کی گھوڑا گاڑی میں معہ اپنی زنانہ سواریوں کے روانہ ہوا۔

یہ ۴ر جنوری ۱۹۰۲ء کا واقعہ ہے اس گاڑی کے نیچے کا درجہ میں نے پورا لے لیا تھا۔ اوپر کے درجہ میں اور مسافر تھے۔ میرے ساتھ زیور وغیرہ کل مال قریب پانچہزار روپیہ کے تھا۔ جب گھوڑا گاڑی موضع ارادن کے قریب پہنچی تو میں اتفاق سے سو گیا وہاں سے موضع بہارمل سے نکل کر ایک وسیع اور سنسان میدان میں شکوہ آباد سے بارہ میل کے فاصلہ پر جب گاڑی پہنچی تو گاڑی پر ڈاکہ پڑا قریب چالیس ڈاکوؤں کے تھے جو گاڑی کو روک کر کھڑے ہو گئے اور مسافروں کو مارنا شروع کر دیا۔ میں جب بیدار ہوا ہوں تو مجھ پر بھی حملے شروع ہو گئے تھے۔ اس وقت میں نے بچشم خود دیکھا کہ ایک سفید ریش بزرگ جو نہایت حسین و خوبصورت تھے ڈاکوؤں کو میرے پاس سے ہٹاتے تھے۔ ان کی امداد کو میں بغور دیکھ رہا تھا اور خود بھی ڈاکوؤں سے مقابلہ کرنے لگا۔ آخر کار میرے ہاتھ سے بہت سے

ڈاکو زخمی ہوئے اور چار ڈاکو جان سے مارے گئے جنمیں سے ایک میں کچھ جان باقی تھی جو شام تک ختم ہوگیا باقی لاشیں ڈاکو اٹھا کر لے گئے میرے ہمراہی بالکل لٹ گئے مگر میرا ذرا سا بھی نقصان نہیں ہُوا اس شجاعت کے صلہ میں مجھکو گورنمنٹ سے بندوق وغیرہ انعام میں ملی۔

اس واقعہ کو بھی ایک عرصہ گذر گیا۔ ایک مرتبہ دورہ کی وجہ سے میرا شکوہ آباد جانا ہوا اور رسالدار کے باغ میں خیمے وغیرہ نصب ہوئے وہیں ہم لوگ مقیم تھے۔ ایک شخص کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت اقدس حاجی صاحب قبلہ اٹاوہ میں تشریف لائے ہوئے ہیں اور شاید ملاؤلی میں ٹھاکر ہنجم سنگھ صاحب کے یہاں بھی تشریف لے جائیں گے مگر فیروز آباد کی طرف سے جائیں گے۔

اس شخص کی زبانی آپ کا ذکر سُن کر یکا یک میرے دل میں بیعت کا خیال پیدا ہو گیا اور آناً فاناً وہ خیال اشتیاق و اضطراب کی حد تک پہنچ گیا۔ اسی وقت میں نے سواری کے انتظام کے لیے ایک رئیس کو خط لکھا اور اسی خیال میں محو ہو گیا۔ رات کے دس بجے ہوں گے کہ مجھے نیند آ گئی میرے ڈیرہ میں دو چپراسی اور دو ذاتی ملازم تھے اور باہر چوکیداروں کا پہرہ تھا۔ ڈیرہ میں میز اور کرسیاں بھی رکھی تھیں۔ ایک کوری ہانڈی میں شکر منہ تک بھری ہوئی رکھی تھی اور پانی کے گھڑے بھی بھرے رکھے تھے۔ رات کے آخری حصے میں میں نے خواب دیکھا کہ حضور پرنور تشریف لائے آپ کے ہمراہ تین اور شخص بھی تھے۔ میں دیکھتے ہی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ میرے دریافت کرنے پر کسی شخص نے بتایا کہ حاجی صاحب قبلہ ہیں۔ میں نے بڑھ کر سلام عرض کیا اور قدمبوس ہُوا۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر گلے سے لگا لیا اور ارشاد فرمایا کہ "تم کیوں اتنی زحمت اٹھاتے ہو، میں خود آ با ہوں کیا چاہتے ہو؟"

میں نے عرض کیا کہ "میں غلامی میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔"

حضور نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"تم ازل سے ہمارے مرید ہو چکے ہو تمہارے بڑے باپ نے ہمارے

سپرد کر دیا ہے اطمینان رکھو۔"

میں نے عرض کیا:

"حضورؒ مجھے مرید کیجئے۔"

آپؒ نے میرا ہاتھ تھام کر فرمایا:

"تم بیعت ہو چکے ہو۔"

میں نے عرض کیا:

"حضور بیعت کرتے وقت شربت پلایا جاتا ہے۔"

آپؒ نے مسکرا کر ایک صاحب سے ارشاد فرمایا، جو ہمراہ تھے کہ:

"بے نظیر شاہ اچھا پیالہ میں پانی لاؤ۔"

چنانچہ بے نظیر شاہ صاحب ایک کٹورے میں پانی لائے۔ اور جو شکر کی ہانڈی میز پر رکھی ہوئی تھی اسمیں سے حضورؒ پُر نور نے اپنے دستِ مبارک سے شکر نکالی اور دو مٹھی شکر اُس پانی میں ڈال کر ہانڈی بدستور میز پر رکھ دی اور میز پر سے ایک پنسل اٹھا کر اس کو چلایا ایک گھونٹ شربت کا خود نوش فرمایا بعد ازاں وہ شربت کا کٹورا مسکرا کر مجھے عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"پی لو!"

میں نے پہلے اس کو سر پر رکھا پھر پی لیا۔ ہمراہیوں میں سے ایک صاحب نے کہا کہ حضرت آپ سب پی گئے!۔

حضورؒ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا:

"یہ اسی کا حصہ تھا۔" اس کے بعد حضورؒ انور نے مجھے اپنے گلے سے لگایا اور فرمایا:

"خدا حافظ! اب تمہارے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

خواب میں یہ واقعہ دیکھتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت میرا دل دھڑک رہا تھا۔ سوچنے لگا کہ یہ کیا معاملہ ہے، خواب ہے یا بیداری دونوں ہونٹ شربت کی شیرینی سے چمٹ رہے تھے زبان میں شربت کا ذائقہ محسوس ہو رہا تھا

لالٹین ڈیرہ میں روشن تھی میں نے اسی متحیرانہ حالت میں جو آدمی سو رہے تھے اُن کو اٹھایا شکر کی ہانڈی کو دیکھا تو اسمیں سے شکر نکلی ہوئی معلوم ہوتی تھی ۔ میں اسی تعجب میں تھا کہ اُن آدمیوں نے بیان کیا کہ اس وقت ڈیرہ میں خوشبو بہت مہک رہی ہے ۔ اس کا کیا سبب ہے ۔ میں نے بھی خیال کیا تو واقعی عجیب روح پرور خوشبو تھی ۔ اس وقت میرا دل فرطِ مسرت سے باغ باغ ہو رہا تھا ۔

مولوی محمد سرفراز خان صاحب محقق وارثی کا واقعۂ بیعت بھی اپنی نوعیت میں فرد ہے کہ جو بات خواب میں دیکھی اُس کا بیداری میں پورا ظہور تھا ۔ ابتدائے عُمر سے ان کو حضور پُرنور کی ذات بابرکات سے بالکل بے تعلقی رہی حالانکہ مولوی صاحب کے عمِ مکرّم نے جو ایک باکمال درویش تھے ۔ وقتِ وصال ارشاد فرمایا تھا :

"خیر وارثؒ تیرا وارث ہے ۔"

مگر ظاہر ہے کہ صغیر السن ہونے کے باعث مولوی محمد سرفراز خان صاحب اس فقرہ کے مفہوم کو بالکل نہیں سمجھے اور دوسرے ہی خیالات میں رہے ۔ مگر جو جس کا حصہ ہوتا ہے وہ اس طرح گھر بیٹھے پہنچتا ہے ۔

مولوی سرفراز صاحب نے اپنی زندگی میں صرف ایک مرتبہ حضورؒ کی زیارت کی ہے اس وقت ان کی چودہ سال کی عمر تھی ۔ جو کچھ بھی ان پر حضورؒ کا لطف و کرم رہا وہ محض ان کی نادانستگی میں تھا کیونکہ ابتدا سے بیعت کے لیے ان کا رجحانِ طبیعت حضورؒ کی جانب نہ تھا بلکہ دیگر بزرگانِ دین سے بیعت ہونے کے مشتاق رہے مگر حضور پُرنور اُن کی ہر مصیبت میں کام آئے ۔ ڈاکوؤں کے محاصرہ کے وقت بھی مدد فرمائی پھر خود تشریف لاکر ان کی بیعت لی اور مولوی سرفراز خان صاحب اپنے بیعت ہونے کے بعد اپنے عمِ مکرّم کے اس فقرہ کا مطلب سمجھے کہ "خیر وارثؒ تیرا وارث ہے ۔"

حق یہ ہے کہ خداوندِ کائنات نے حضور پُرنور کو وہ مدارج عالی عطا فرمائے تھے جن کی مقدس اور نورانی تاثیرات سے ایک عالم محوِ حیرت ہے اور آپؒ کی

ذاتِ بابرکات میں وہ قوتِ کاملہ تھی کہ حاضر و غائب کی یکساں دستگیری فرماتے تھے۔

حضورؒ انور کی بیعت کا دائرہ اس قدر وسیع ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ بیحد و بے شمار افراد حضورؒ انور کی غلامی کا شرف رکھتے ہیں۔ کوئی ملک اور مقام ایسا نہیں ہے جو حضورؒ انور کا نام نامی لینے والوں سے خالی ہو جس طرح آپ کی بیعت وسعتِ تامہ رکھتی ہے اسی طرح ذرائع بیعت بھی مختلف اور بکثرت ہیں اور ایسے مہتم بالشان کہ جن سے بعض نہایت اہم مسائل کی عملی تصدیق ہوتی ہے۔ حق یہ ہے کہ خداوندِ کریم نے آپؒ کی ذات محمود الصفات سے اپنی قدرتوں کا ایک نمونہ دنیا میں پیش کر دیا ہے جس نے تمام عالم میں ایک نئی رُوح پھونک دی جس طرح مسلمانوں کو حضورؒ کے فیوض و برکات نے مالامال کر دیا۔ اسی طرح دیگر مذاہب کے افراد نے بھی حضورؒ پر نور میں وہ کمالات فقر و تصوف مشاہدہ کیے۔ جن کے مقابل سرِ تسلیم خم کر دینے کے سوا اور کچھ نہ بن آیا۔

حضورؒ پر نور کی جانب ہر مذہب و ملت کے افراد کا رجحان تھا کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کونسی کشش ہے کہ ہر شخص آپؒ کا دلدادہ ہے۔

جو ایک نظر دیکھ لیتا تھا وہ متاعِ صبر و قرار نذر کر دیتا تھا۔ جس طرف سے گذر ہوتا تھا ہزاروں تیرِ نگاہ سے زخمی ہو جاتے تھے۔ خدا کی مخلوق دیوانہ وار حضورؒ پر نثار تھی عجیب عالم تھا کہ خود بخود لوگ حضورؒ پر گرتے تھے۔ جس طرف سے گذر ہوتا۔ جہاں قیام ہوتا خلقت دروازہ پر جمع ہو جاتی۔ ہر مذہب و ملت کے افراد حضورؒ ہی کا دم بھرتے اور حضورؒ پر نور کی صورت و سیرت دونوں کے فدائی تھے۔ حضورؒ کے حُسنِ صورت کی طرح سیرت بھی لاجواب تھی کہ بیشمار مخلوق حضورؒ کی جانب رجوع تھی اور سب کی ظاہری و باطنی طور پر تشفی فرماتے تھے ؎

اے زندہ زحُسن تو آئینِ دل آرائی
جاں بندۂ رُوئے تو زاں رو کہ تو مولائی

دیگر مذاہب کے افراد کی رجوعات و واقعاتِ بیعت

زمانۂ حال جو باعتبارِ شیوعِ علوم و فنونِ مغربیہ روشنی کا زمانہ کہا جاتا ہے اور جس میں وہ باتیں جو مشاہدات سے خارج ہیں باطل سمجھی جاتی ہیں خداوند عالم نے حضورؒ انور کی ذاتِ محمود الصفات کو سراپا عین الیقین اور حق الیقین بنا کر جلوہ گر فرمایا اور حضورؒ پرنور کے مقدس اثراتِ روحانیہ نے کوس لِمَنِ المُلکی بجادیا۔ آپؒ کی حیاتِ ظاہری بھی نہایت مہتمم بالشان تھی اور تمام ادیان و ملل کے افراد حضور پر شیفتہ و فریفتہ تھے۔ آپؒ کی حیات میں اہل ہنود وغیرہ ہزاروں منتیں حضورؒ انور کے اسمِ مبارک کے وسیلہ سے مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ خواجہ حسن نظامی صاحب خواہرزادہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ۔ مورخانہ اور نقادانہ حیثیت سے حضورؒ انور کے حالات لکھتے ہوئے اخبار وکیل مطبوعہ ۲۷ جنوری ۱۹۰۹ء میں رقمطراز ہیں :

" اگلے زمانہ میں مسلمان فقیروں کے ساتھ ہندوؤں کو بڑی عقیدت ہوتی تھی اور ہندو مسلمان فقرا کو اپنے درویشوں سے زیادہ ادب کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مگر حاجی صاحبؒ کے زمانہ میں ہندوؤں کا عقیدہ کم ہو گیا تھا اور ایسا کوئی فقیر ہندوستان کے مسلمانوں میں نہ تھا جس پر عام گرویدگی ہندوؤں کو ہو۔ حاجی صاحب نے اپنے برتاؤ اور باطنی اثر سے اس کمی کو پورا کر دیا اور تمام ملک کے ہندوؤں کی رجوعات حاجی صاحب کی طرف ہو گئی۔ ہزاروں ہندو آپؒ کے مرید ہوئے۔ بعض نے مسلمان ہو کر احرام حاصل کیا اور بعض نے اپنے دھرم کو نہ چھوڑا مگر وارثی وردی پہن لی۔

حاجی صاحبؒ نے عرس بھی قمری حساب کو چھوڑ کر شمسی طریق سے مقرر کیا تھا۔ کاتک کے مہینہ میں ان کے ہاں عرس ہوتا تھا۔ جس کی وجہ غالباً

بھی ہوگی تاکہ ہندو عقیدت مندوں کو آسانی ہو۔ عُرس میں اس قدر عظیم الشان مجمع ہوتا تھا اور ایسے مختلف الحال اور مختلف العقائد لوگ جمع ہوتے تھے کہ تعجب آتا تھا ہزاروں ہندو عورت مرد "یا وارث" کا نعرہ لگاتے دیوانہ وار دیوہ کی گلیوں میں پھرتے تھے۔ غذا کی وردی احرام کا جلوس نکلتا تھا اور احرام کو پُر تکلف خوان میں لگایا جاتا تھا۔ اور منت ادا کرنے والا اس کو اپنے سر پر رکھتا تھا۔ اس کے بعد باجے بجاتے ہوئے "یا وارث" کے نعرے لگاتے ہوئے سب آدمی حاجی صاحب کی خدمت میں لیجاتے تھے۔ حاجی صاحب اس احرام کو پہن لیتے تھے اور پُرانا اُن لوگوں کو دیدیتے تھے۔ پُرانے احرام کو تبرک کے طور پر وہیں دھجیاں کر کے تقسیم کر لیا جاتا تھا۔ اس وقت کا جوش اُس وقت کا خلوص اس وقت کی یگانگت اُسوقت کی وحدتِ قلبی الفاظ کے ذریعے سے ادا ہونی ناممکن ہے۔ ہندو مسلمان چھوٹے بڑے سب ایک خیال اور ایک رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے تھے۔

فی الواقع جن بزرگوں نے بارگاہِ وارثی کا سماں دیکھا ہے وہ بخوبی واقف ہیں کہ اُس وقت کا منظر ایک عجیب دلگداز منظر ہوتا تھا۔ بکثرت ہنود حضورِ انور کے فیوض و برکات سے اہلِ دل اور صاحب کیف ہو گئے۔ ہزاروں کے قلوب سے تعصبات کی تاریکیاں دُور ہو گئیں۔ سینکڑوں پابندِ صوم وصلوٰۃ ہو گئے۔ بعض تو اسلام میں اسقدر سخت ہیں کہ ان کی سختی کو پشتینی مسلمان بھی محسوس کرتے ہیں۔ یہ حضورِ انور کا تصرف تھا کہ جس سے جو چاہا کام لیا۔ حضورِ انور کے دربار سے خلوص و محبت کا حصہ تو ہر ایک شخص کو ملتا تھا مگر تبدیلی مذہب کے متعلق کوئی لفظ زبانِ مبارک سے ارشاد فرماتے تھے۔ خود بخود دیگر مذاہب کے افراد حضورِ پُر نور کے جمالِ عدیم المثال کو دیکھ کر جان و دل سے اسلام کے شیدائی بن جاتے تھے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی اخبار دکیل میں لکھتے ہیں:

"ہم نے اکثر ہندوؤں کو دیکھا ہے کہ وہ حاجی صاحبؒ کی مریدی کے سبب اسلام اور طریقِ اسلام کے شیدائی بن گئے اور بعض در پردہ مسلمان تھے بعض درود شریف اور آیاتِ قرآنی کو نہایت ذوق شوق سے پڑھتے تھے اور مزے لیتے

تھے۔" یہی نہیں بلکہ اکثر ہندوؤں نے بڑے بڑے مجاہدات کیے ہیں۔ ٹھاکر پنچم سنگھ صاحب رئیس ملاوی ضلع مین پوری جو حضور پر نور کے خاص جاں نثاروں میں ہیں انہوں نے بڑی بڑی ریاضتیں کی ہیں۔ بادۂ توحید سے سرشار ہیں ذکر و شغل میں انہماک رکھتے ہیں۔ حضور انور کے اسم گرامی پر زر و مال نثار کرتے ہیں۔ حضور کے خیال کے سامنے اُن کی نگاہیں دنیا کی کوئی چیز وجاہت نہیں رکھتی۔

اسی طرح بابو کاشی پرشاد صاحب الٰہ آبادی۔ منشی تلک نرائن صاحب مظفر پوری، راجہ سرب جیت سنگھ صاحب تعلقہ دار سابق سورت گنج اودھ۔ بابو موتی لال صاحب وکیل بھاگل پور، منشی لکھی نرائن صاحب تعلقہ دار مظفر پور۔ ٹھاکر کشن سنگھ صاحب رئیس رائے پور ضلع بارہ بنکی حضور کے خاص جانثاروں میں گذرے ہیں پنڈت شیام لال صاحب رئیس گیا حضور انور کے عشق و محبت میں ایسے مدہوش ہوئے کہ انہوں نے حضرت فضیحت شاہ صاحب قبلہ سے احرام حاصل کیا اور ہر وقت انہیں کے ساتھ رہنے لگے۔ بابو کنہیا لال صاحب وکیل علی گڑھ نے علی الاتصال بیس برس سے کم روزے نہیں رکھے۔ ان کے قلبی سوز و گداز کا حال حاجی اوگھٹ شاہ صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے جو ضیافت الاحباب میں ہے کہ " بابو کنہیا لال صاحب وکیل علی گڑھ بعد حصول تمغۂ غلامی جمال وارثی پر شیفتہ و فریفتہ رہے علاوہ جوش محبت کے توحید و رسالت کا اقرار اور ریاضت شاقہ سے سروکار ہے۔ علی الاتصال صائم الدہر ہیں برادر موصوف کا ایک خط مورخہ ۱۱ نومبر ۱۹۰۴ء جو میرے نام آیا تھا وہ درج ذیل ہے۔ جس سے ان کے ذوق شوق کا اندازہ ہو سکتا ہے وھوہٰذا۔

"جناب شاہ صاحب تسلیم! آپ سے رخصت ہو کر میں پہنچا دل بے چین طبیعت پریشان ہے وجہ دریافت نہ ہونے سے عقل حیران ہے۔ مہربانی فرما کر سرکار میں سلام عرض کر دیجئے اور میری طرف سے کہہ دیجئے کہ اب سکنے کی طاقت نہیں ہے۔ ایسا کرم

فرمایئے کہ آگ بھڑک اٹھے اور اس کے ضبط کی قدرت عطا فرمایئے اور دیگر حضار کی خدمت میں علیٰ قدر مراتب سلام ۔" (رقیمہ نیاز ۔ کنہیا لال گدا وارثی)

اس خط سے ظاہر ہے کہ بابو کنہیا لال صاحب کو بارگاہِ وارثی سے خاص سوز و گداز عطا ہوا ۔

اکثر ہنود ہیں جو حضور پُر نور سے بیعت ہونے کے بعد ترکِ دنیا کر چکے ہیں اور شب و روز مجاہدات میں منہمک ہیں جیسے برم شاہ صاحب، مرات شاہ صاحب دیندار شاہ صاحب وغیرہ ۔

حق یہ ہے کہ حضور پُر نور کے روحانی تصرفات نے ہزاروں ہندوؤں کو رام کر لیا تھا اور بکثرت ہنود آپؒ کی مقدس تاثیرات سے مغلوب ہو گئے تھے ۔ اکثر آپؒ کے خوارقِ عادات و کرامات سے متاثر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے ۔

صاحبِ عین الیقین تحریر فرماتے ہیں کہ ایک راجپوت کنچن سنگھ نامی جگناتھ جی کے تیرتھ کو گیا وہاں اس نے جا کر مندر میں عینی مشاہدہ کیا کہ حضور پُر نور جلوہ افروز ہیں کنچن سنگھ نے اپنے ہمراہیوں کو بھی دکھایا ۔ جب راجپوت مذکورہ، دیوہ شریف میں حاضر ہوا تو اُس نے یہ واقعہ حضور پُر نور کی خدمتِ عالی میں عرض کیا ۔ آپؒ نے فرمایا: "ٹھاکر جی ہم نہ ہوں گے، کوئی اور ہو گا ۔"

کنچن سنگھ نے کہا: "تنہا میں نے ہی نہیں دیکھا اور لوگوں نے بھی دیکھا ہے ۔"

آپؒ نے متبسم ہو کر فرمایا :

"اب جگناتھ جی نہ جانا ۔"

وہ فوراً مسلمان ہوا اور حضور پُر نور کے دستِ مبارک پر بیعت ہو گیا ۔

حضور پُر نور کے روحانی اثرات سے بڑے بڑے فلسفی و منطقی متاثر تھے ۔ آپؒ کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ حضور پُر نور کی ذات محمود الصفات کرشمۂ خداوندی ہے یا اعجازِ رسالت کہ وہ لوگ جو توحید و رسالت سے منحرف تھے اور معجزات و کرامات کے قائل نہ تھے ۔ خرقِ عادت کی باتیں سن کر کہتے تھے کہ اب کیوں ایسے با اثر اور مقدس نفوس دنیا میں ظاہر نہیں ہوتے ان کو حضور پُر نور کی روحانی تاثیرات

نے حیرت میں ڈال دیا اور وہ آپ کے سامنے آتے آتے ایسے عاجز ہوئے کہ کوئی بات بھی نہ کر سکے اطاعت وارثی کا اقرار کیا حالانکہ خود حضورؒ انور کی تفصیل سے باتیں کرنے کی عادت نہیں تھی نہ زبانی مباحث سے سروکار رکھتے تھے۔ بس آپؒ کی ذات ستودہ صفات آئینہ تصدیق تھی جس میں مشاہدات قدرت نظر آتے تھے مولینا سالق تحفۃ الاصفیا میں لکھتے ہیں کہ فیض آباد میں حضورؒ پُر نور حافظ زین العابدینؒ صاحب سب رنج کے مکان پر قیام پذیر تھے۔ حسب معمول ہزاروں ہندو مسلمان بارگاہِ عالی میں قدمبوسی کے لیے حاضر ہوئے ایک صاحب پنڈت آتارام نامی جو تعصب مذہبی سے مغلوب تھے ان کو حضورؒ انور کی جانب ہندوؤں کی گرویدگی شاق گذری اور وہ حضورؒ انور سے مباحثہ کرنے کی غرض سے آئے آپؒ کو فضول مباحث سے کیا سروکار تھا۔ آپؒ نے ان کو بٹھا لیا اور پدماوت کے کچھ اشعار سنانے لگے اور رموز و نکات سمجھانے لگے۔ پنڈت آتارام صاحب حضورؒ انور کی زبانِ فیض ترجمان سے معرفت و حقیقت کے نکات سنکر بیخود ہو گئے اور حالتِ کیف میں زمین پر لوٹنے لگے۔ جب ہوش آیا تو دولتِ اسلام سے بہرہ مند ہوئے اور شرفِ بیعت حاصل کیا ہے :

ناوک ان کا کبھی خطا نہ ہوا
طائرِ سدرہ تک نشانہ ہوا

حضورؒ انور کی ارفع و اعلیٰ شان دیکھ کر لوگ توحید و رسالت کا اقرار کرتے تھے اور آئے دن ایسے واقعات پیش آتے رہتے تھے۔

حسین بخش و محمد بخش صاحبان ساکنان جوگی پورہ (متصل ہاتھرس ضلع متھرا) لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؒ پُر نور ہاتھرس میں تشریف لائے اور مولوی محمد رکن عالم صاحب تحصیلدار کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ جمعہ کا دن تھا خوب بارش ہو رہی تھی آپؒ اسی حالت میں مسجد تک پاپیادہ تشریف لائے۔ حضورؒ انور کے ہمراہ مجمع کثیر تھا۔ اکثر لوگوں نے بغور دیکھا کہ پائے مبارک کا کوئی نشان فرشِ مسجد پر نہیں پڑا۔ حضورؒ کے پائے مبارک کی یہ صفت سنا کرتے تھے، اس وقت آنکھوں

سے دیکھی اسی وقت حضورِ انور کو دیکھ کر ایک معزز ہندو مسند میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو کر حضورؐ کے دستِ مبارک پر بیعت ہو گیا۔ مقرب بارگاہ وارثی جناب مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا لکھنوی ناقل ہیں کہ بابو کاشی پرشاد صاحب اگروالے رئیس الہ آباد کا واقعہ ہے کہ اسٹیشن اوناؤ ضلع لکھنؤ پر ان کو غیر معمولی مجمع دیکھ کر حیرت ہوئی اور قریب آکر جب پالکی دیکھی تو خیال ہوا کہ اس فینس میں کوئی نوشہ سوار ہے اور یہ براتیوں کا مجمع ہے خود بخود ان کا دل چاہا کہ دولہا کی صورت دیکھنا چاہیئے۔ جب قریب جاکر فینس کے اندر نگاہ کی تو وہ صورتِ زیبا نظر آئی کہ دیکھتے ہی دل بے بیقرار ہو گیا اور غش کھا کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو شرفِ بیعت سے مستفید ہوئے۔ بیعت کے بعد بابو کاشی پرشاد صاحب کا زیادہ قیام دیوہ شریف ہی میں رہنے لگا۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر تمام اعزا نے کنارہ کشی اختیار کی اور ان کو وراثت سے محروم کر دیا۔ نہایت قلیل گذارہ ان کا مقرر کیا مگر اس مردِ میدانِ محبت کو خُدا نے وہ استقلال مرحمت فرمایا کہ اس نیک نہاد اور خوش نصیب نے تمام عمر حضورؐ کے عشق میں بسر کی اور آخر کار آپؐ ہی کی محبت کا دم بھرتے ہوئے جاں بحق تسلیم ہوئے۔

حضورِ انور کی شان دیکھ کر لوگ خود بخود توحید و رسالت کا اقرار کرتے تھے۔ حضورؐ پُر نور کی جانب سے کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا تھا۔

مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی پیتھے پوری لکھتے ہیں۔ پیتھے پور میں ایک پھونک نامی بھورجی تھا۔ وہ ایک نانک شاہی مہنت کی صحبت میں رہتا تھا۔ حضورِ انور کی شان و عظمت دیکھ کر اس کے دل میں بھی ولولہ پیدا ہوا کہ کیا اچھا ہوتا کہ میں اپنی قوم سے علیحدہ نہ ہوتا اور حضورِ انور کے غلاموں میں داخل ہو جاتا۔ اس نے اپنا خیال کسی سے ظاہر بھی نہیں کیا تھا کہ حضورؐ پرنور نے اس کی طرف دیکھ کر حاضرین سے ارشاد فرمایا:

"مریدی دل سے ہوتی ہے اور دل مسلمان ہوا کرتا ہے۔"

وہ یہ نوید جان بخش سنکر حضورؐ کے قدموں پر گر پڑا اور مرید ہو گیا مگر خورد و نوش

میں اپنا آبائی طریقہ برتتا ہے۔ بارگاہِ وارثی میں بالکل رضا و رغبت کا معاملہ تھا۔
اور خلوص و محبت کی قدر تھی۔ بعض دیگر مذاہب کے افراد نے تو حضورؒ انور کی
بیعت میں آنے کے بعد اسلام کی ایسی خدمات کی ہیں جو نہایت اہم ہیں۔ چنانچہ
بدھولال صاحب جو مرزاپور کے باشندے ہیں اور جن کا اسلامی نام محمد شفیع ہے
نہایت راست باز اور صاف گو شخص ہیں اور مسلمانوں کی ہر قومی خدمت میں پیش
پیش رہتے ہیں۔ ان کی بیعت کا واقعہ بھی بہت نتیجہ خیز ہے جس کو ہمارے مکرم برادر
طریقت منشی امانت اللہ خان صاحب وارثی مرزاپوری (سب انسپکٹر پنشنر) نے
انہیں کے قلم سے لکھوا کر ارسال فرمایا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس
سے منشی محمد شفیع صاحب کا جوشِ قلبی اور نورِ تصدیق کافی طور پر متحقق ہوتا ہے
منشی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں۔

"میرے مرشد برحق حضرت سیدنا و مولینا حاجی صاحب قبلہ رضی اللہ عنہ
اس البیلی شان اور انوکھے انداز سے اس عالم میں قیام پذیر رہے جس کی حقیقت
سے خبردار ہونا ادراکِ انسانی سے بالاتر ہے۔ ہر مذہب و ملت ان کے شمع
جمال کے پروانہ تھے۔ خداوندِ عالم نے جس قدر ظرف جس شخص کو عطا فرمایا تھا۔
اسی کے موافق اس نے حضورؒ کو پہچانا میرے سرکار اسرارِ خداوندی کا مخزن تھے
اور اس کی قدرتِ کاملہ کی ایک بیّن دلیل تھے جو ہم لوگوں کو سمجھانے کے لیے بارگاہِ
قدس کی روشنی کی طرح اس عالم میں تشریف لائے اگر ہندو دں نے حضورؒ کو کرشن
جی مہاراج کی طرح دیکھا تو مسیحیوں نے جناب عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی شان ان میں مشاہدہ کی۔ اگر یہودیوں نے ان کے مبارک اور نورانی ہاتھوں
میں یدِ بیضا کی کیفیت دیکھی تو مسلمانوں نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی
نکہتِ جانفزا محسوس کی۔ غرضکہ خدا نے جس کو دلِ دانا اور چشمِ بینا عطا فرمائی اس
نے اپنے ظرفِ استعداد کے موافق حضورؒ میں خاص شانیں دیکھیں ہے:

جا کی رہی بھاونا جیسی
ہر مورت دیکھی تن تیسی!

آج دنیا میں کوئی مذہب وملت ایسا نہیں ہے جس میں میرے سرکار کے نام لینے والے نہ ہوں۔ جس قدر حاضر ہو کر بیعت ہوئے ہیں وہ تو بے شمار ہیں مگر ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جن کو حضورؒ نے عالم رویا میں شرف بیعت سے مستفید فرمایا ہے اور وہ ایسے بادۂ محبت سے سرشار اور فیوض باطنی سے آراستہ نظر آتے ہیں جن کا تذکرہ حدِ بیان سے باہر ہے۔

میں خود جب اپنی حالت پر غور کرتا ہوں تو محوِ حیرت ہو جاتا ہوں۔ میرا واقعہ یہ ہے کہ میں ایک کافر کے یہاں پیدا ہوا۔ خدا اور رسول کا پہچاننا تو بڑی بات ہے ان کے نام سے بھی واقف نہ تھا۔

۱۸۹۰ء کا واقعہ ہے کہ میں سکندر نامہ کا سبق پڑھ رہا تھا تو شروع میں یہ شعر آیا ہے:

پناہِ بلندی و پستی توئی
ہمہ نیست اند آنچہ ہستی توئی

اس شعر کا مطلب میں نے اپنے استاد مرحوم ومغفور سے کئی مرتبہ دریافت کیا اور سمجھا کچھ ایسا اثر قلب پر ہوا کہ یک لخت کفر سے دل بیزار ہو گیا اب یہ خیال دامن گیر ہوا کہ توحید دنیا میں کیونکر پھیلی۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ خدائے واحد نے توحید کی منادی کرنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں بھیجا اور انہوں نے توحید کی روح دنیا میں پھونک دی۔

اسی طرح ۱۹۹۵ء میں ایک شب اپنے مکان پر بیٹھا ہوا تھا اور اس خیال میں محو تھا کہ جب خداوند عالم نے مارنا اور جلانا ہی تھا تو پھر عرصۂ ظہور میں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے تو یہ بہتر تھا کہ پیدا ہی نہ کرتا۔ اسی خیال میں سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک وسیع میدان ہے جس کی انتہا نظر نہیں آتی اس میدان میں ایسی نفیس اور سبز گھاس ہے کہ دنیا کی کسی سبز چیز کو اس سے مثال نہیں دی جا سکتی۔ سبز مخمل کی اس کے سامنے کوئی ہستی نہیں۔ میں اسی گھاس سے گذرتا ہوا جب درمیان میں پہنچا تو ایک زریں تخت دیکھا جس کی چمک دمک سے نگاہوں

میں خیرگی پیدا ہوتی تھی۔ اس تخت پر پانچ بزرگ رونق افروز تھے ایک صدر نشین تھے ان کے جلال وجبروت کا یہ عالم تھا کہ ان کی طرف نگاہ نہیں ہوتی تھی۔ دو بزرگوں کو دیکھا جو اُن کے یمین ویسار بیٹھے ہوئے تھے اور دو بزرگ سامنے تھے میں نے سلام عرض کیا تو داہنی جانب جو بزرگ رونق افروز تھے۔ انہوں نے مجھکو بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ میں زمین پر بیٹھنے لگا تو تخت پر بیٹھنے کا حکم دیا میں ادب سے ایک کنارے بیٹھ گیا۔ دو بزرگ جو سامنے تشریف فرما تھے۔ اُن میں سے ایک صاحب نے کچھ عربی زبان میں اشعار پڑھے جن سے سب وجد میں آگئے اور کھڑے ہو گئے میں بھی زمین پر کھڑا ہو گیا اور میں نے دست بستہ عرض کیا کہ مجھے بھی ایک شعر یاد ہے۔ اگر حکم ہو تو پڑھوں۔ ارشاد ہوا کہ پڑھو چنانچہ میں نے وہ شعر پڑھا تو سب کو وجد آگیا اور وہ کھڑے ہو گئے چند منٹ کے بعد جب وہ حالت فرد ہوئی سب بیٹھ گئے میں بھی بیٹھ گیا۔ وہ بزرگ جو صدر نشین تھے انہوں نے ایک بزرگ سے جو سامنے تشریف فرما تھے ارشاد فرمایا کہ ان کو سمجھا دو۔

چنانچہ انہوں نے مجھکو یہ سمجھایا کہ تمہارا پہلا خیال وسوسۂ شیطانی تھا اس کو قلب سے نکال ڈالو۔ اگر اللہ جل جلالہ کو اپنے حبیب حضرتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجنا نہ ہوتا تو عالمِ ظہور میں نہ آتا۔ اچھا جاؤ سے:

ہر چہ بینی بداں کہ مظہر اوست

میں جب خواب سے بیدار ہوا تو اس خواب کا قلب پر خاص اثر تھا اور ایمان کی حلاوت وشیرینی سے عجیب مزیدار کیفیت تھی۔ اُسی دن سے دل کی حالت بدل گئی اور خیال ہوا کہ کچھ کرنا چاہیئے مگر خاندانی اثرات دامن گیر تھے اور نہ کسی سے ایسی شناسائی تھی کہ جس سے حالِ دل کہکر کچھ دریافت کرتا بڑی کوشش سے یہ پتہ چلا کہ درود شریف ایک افضل ترین عبادت ہے جس نے جو کچھ پایا درود شریف سے پایا چنانچہ ایک کتب فروش کی دوکان سے درود شریف کی کتاب خرید کر

لایا جسمیں متعدد درود شریف لکھے ہوئے تھے۔ میں نے چند درود شریف زبانی یاد کیے۔

مرزاپور میں ایک مشہور ولی اللہ کا مزار ہے جو عالمگیر کے زمانہ میں یہاں تشریف لائے تھے اور ان کا نام نامی حضرت خواجہ سید شاہ اسمٰعیل چشتی علیہ الرحمۃ ہے آپؒ کے فیوض و برکات سے تمام شہر مستفید ہے۔

میں نے اپنا یہ معمول کر لیا تھا کہ دن میں شوالہ کے اندر جا کر بیٹھ جاتا تھا اور خاموشی سے درود شریف کا ورد رکھتا تھا اور شب کو حضرت خواجہ سید شاہ اسماعیل چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر بیٹھ کر درود شریف پڑھا کرتا تھا۔

۱۸۹۶ء کا واقعہ ہے کہ شب کے ۲ بجے ہوں گے۔ میں اپنے ذوق شوق میں حضرت خواجہ صاحبؒ کے مزار پر انوار پر بیٹھا ہوا درود شریف پڑھ رہا تھا کہ مجھے پیاس معلوم ہوئی اس وقت چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ میں روضۂ انور کے باہر آیا اور کنوئیں پر جا کر پانی نکال کر پیا جب برتن اور رسی رکھنے لگا تو میں نے بچشم خود دیکھا کہ کنوئیں کے قریب جو گولر کا درخت ہے اس کے نیچے ایک بزرگ کھڑے ہیں۔ مگر درخت کے سایہ کی وجہ سے میں ان کو پورے طور پر نہیں دیکھ سکا۔ اس لیے ان کے قریب گیا اور سلام عرض کیا دست مبارک پر بوسہ دیا اور میں نے پوچھا کہ حضورؒ کا دولت خانہ کہاں ہے۔ تو انہوں نے ارشاد فرمایا:

"سنو سنو تمہارا حصہ میرے یہاں ہے۔"

یہ فرماتے ہی غائب ہو گئے۔ میں عرصہ تک اسی فکر میں رہا۔ دو ڈھائی برس کے بعد مرزا قاسم جان صاحب وارثی سے بر سبیل تذکرہ یہ ذکر آیا۔ انہوں نے مجھکو ایک مرقع دکھایا۔ اس مرقع کو دیکھتے ہی میں نے پہچان لیا کہ یہی مقدس صورت تھی جس کو میں نے خواجہ صاحبؒ کے مزار سے قریب گولر کے درخت کے نیچے دیکھا تھا۔

میں اسی سال کاتک کے مہینہ میں مرزا قاسم جان صاحب کے ہمراہ

دیوہ شریف حاضر ہوا۔ یہ حضورِ پُر نور کے والد ماجد سید قربان علی شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کے عرس کا زمانہ تھا مجھے حضورِ انور کی زیارت کا کمال اشتیاق تھا جب آستانۂ عالی کے دروازہ پر پہنچا تو دیکھا کہ ایک مجمع کثیر دروازہ کھلنے کا منتظر ہے۔ میں نے جیسے ہی دروازہ پر زنجیر کھٹکھٹائی فوراً حضورِ انور نے فرمایا:

"سُنو سُنو نور محمد شاہ مرزا پور سے ایک لڑکا آیا ہے۔ اس کو بلا لو۔"

حضور کی یہ آواز میں نے اپنے کانوں سے سُنی اس کے بعد دروازہ کھلا میں اندر گیا۔ حضورِ پُر نور استراحت میں تھے میں نے قدموں کو بوسہ دیا اور دل میں خیال کیا کہ اگر حضور رخِ انور کھول دیتے تو شناخت ظاہری کی منزل بھی طے ہو جاتی یہ خیال آنا تھا کہ فوراً حضور بیٹھ گئے اور میں جمال عدیم المثال کی زیارت سے شرف اندوزِ سعادت ہوا اور دستِ مبارک پر بوسہ دیا۔

حضور نے فرمایا:

"سُنو سُنو ہماری تمہاری پرانی ملاقات ہے۔ اچھا جاؤ اب پھر ملاقات ہو گی۔"

اُسی سال میں خوش نصیبی سے حضورِ انور کے سلسلۂ غلامی میں داخل ہوا اور جو احسانات و افضال حضورِ انور کے مجھ پر ہوئے وہ بیان سے باہر ہیں اور حق تو یہ ہے کہ وہ لوگ نہایت خوش نصیب ہیں جو اس گوہر یکتائی بحرِ توحید کی زیارت سے مستفید ہوئے اور اُن سے زیادہ وہ قسمت کے دھنی ہیں جن کو شب و روز شرفِ حضوری حاصل تھا ۔

قدم وہ ناز سے رکھتا نہیں تختِ سلیماں پر
ترے کوچہ میں جس درویش نے بستر لگایا ہے

محمد شفیع صاحب کا واقعہ بیعت جس قدر اہمیت رکھتا ہے وہ ظاہر ہے ایسے اکثر واقعات ہوں گے اور ممکن ہے کہ ان واقعاتِ مذکورہ بالا سے بھی کہیں عظیم بالشان واقعات گذرے ہوں جو ہمارے علم میں نہ ہو۔ اس لیے کہ حضور کے مرید بے شمار ہیں جو واقعات دستیاب ہو گئے۔ انہیں پر اکتفا کیا گیا۔

کیونکہ ممکن نہیں کہ سمندر کی سب لہریں شمار میں آجائیں۔

غرض یہ ہے کہ حضورؒ انور پر مسلمانوں کی طرح ہنود بھی نثار تھے اور ان کے پیشوا پنڈت سادھو نانک شاہی اُداسی وغیرہ۔ غرض کہ ہر خیال کے ہندو فقرا حضورؒ پر نور کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوتے اور برکت و فیض حاصل کرتے تھے اکثر ہندو سادھو آپؒ کے چیلے بن گئے۔

حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی رقمطراز ہیں کہ میں بارگاہِ عالی میں حاضر تھا کہ ایک نانک شاہی اداسی فقیر حضورؒ کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے جو امرتسر کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے اپنی حاضری کا یہ سبب بیان کیا۔ کہ مجھکو عرصہ دراز سے یہ الجھن ہے کہ خدا انسان میں ہے یا اس جسم سے علیحدہ ہے میں نے اس بات کی سینکڑوں فقیروں اور سادھوؤں سے تحقیق کی اور انہوں نے مجھکو ہر طرح سمجھایا مگر میری سمجھ میں نہیں آتا اور نہ تسکین ہوتی ہے۔ اب یہاں حاضر ہوں۔ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب کا بیان ہے کہ میں نے پہلے بھی ان کا نام سُنا تھا۔ اس لیے حضورؒ انور کی خدمتِ عالی میں پیش کرنے کے لیے ان کو اُسی وقت لے چلا۔ حضورؒ انور اس وقت صحنِ مکان میں چبوترہ پر استراحت فرمارہے تھے جیسے ہی سامنے سے دروازہ کھلا یہ اداسی فقیر صاحب سرنگوں ہو گئے اور اسی ہیئت سے حضورؒ انور تک پہنچے اور قدمبوس ہوکر واپس چلے آئے نہ کوئی بات ہوئی نہ ذکر ہوا مگر باہر آکر انہوں نے کہا کہ آج مجھکو تسکین ہو گئی۔

میں نے دریافت کیا تو انہوں نے کہا:

”جیسے ہی دروازہ کھلا اور میری نگاہ حضورؒ پر پڑی میں نے دیکھا کہ دھرتی سے آکاس تک ایک جوت ہے اور صورت یہی ہے جب پیر پکڑے تو سوائے اُس صورت کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔“

”یہ اداسی فقیر کئی روز تک دیوہ شریف میں ٹھہرے رہے اور اس کے بعد چلے گئے۔“

ایسے واقعات روزمرّہ پیش آتے تھے کہ حضورؒ انور مشاہدہ کرادیا کرتے

تھے۔ حق یہ ہے کہ آپؒ کی ذات سے خدا کی قدرت کا مشاہدہ ہوتا تھا اور سامنے آتے ہی عقدۂ لاینحل حل ہوجاتا تھا۔

حضورِ انور کی خدمت عالی میں بڑے بڑے سادھو اور ہر ایک پنتھ کے ہندو فقرا آتے تھے اور آپؒ اُن کی قدر فرماتے تھے اور شفقت سے پیش آتے تھے اور فرماتے تھے :

"ہم اور تم ایک ہیں نا۔"

جہاں آپؒ تشریف لے جاتے ہندو فقرا نہایت عقیدت سے حضورِ انور سے ملنے کے لیے آتے تھے۔ اگر ان کو اپنے مقام پر اس بات کا علم ہوتا تھا کہ حضورِ پرنور اس راستہ سے گذریں گے تو وہ سرِ راہ حاضر ہوتے اور شرفِ زیارت سے مستفید ہوتے تھے۔

منشی عبدالغنی خان صاحب وارثی رئیس پوروہ غنی خان ضلع رائے بریلی لکھتے ہیں کہ جناب حکیم محمد یعقوب بیگ صاحب وارثی اور مرزا منعم بیگ صاحب وارثی اور رحیم شاہ صاحب اور دیگر بزرگوں کا بیان ہے کہ جب حضورِ پرنور بنارس تشریف لے گئے تو عجیب کیفیت دیکھنے میں آئی۔ جس وقت حضورؒ کی پالکی راج گھاٹ کے قریب پہنچی تو بنارس کے پنڈت اور پجاری اور وہ گدی نشین مہنت جو کبھی اُٹھتے نہیں تھے وہ اپنے اپنے مقاموں سے اُٹھے اور حضورِ انور کی خدمت عالی میں محبت و عقیدت سے آئے۔ بعض تو پالکی کے ڈنڈوں میں ہاتھ لگائے ہوئے تھے۔ حضورِ پرنور ہر ایک سے یگانگت و شفقت کی باتیں فرما رہے تھے۔

ایک مقام پر پالکی رکوا کر حضورؒ نے اُن سب سے فرمایا :

"ہم اور تم ایک ہیں ــــ اب ہم کو بخوشی اجازت دو کہ ہم ایک شخص کے یہاں قیام کریں وہاں سب سے ملاقات ہوجائے گی۔"

اُن سب نے قبول کیا اور حضورؒ کی مدح و ستائش کرنے لگے جب انہوں نے بخوشی منظور کرلیا تو حضورؒ نے ایک حکیم صاحب کے یہاں قیام

فرمایا بعض مہنتوں نے حضورِ انور کے لیے کھانے بھیجے۔ بعض نے پھول پھل اور میوے اور دیگر تحائف ارسال کئے۔

جب دوسرے دن صبح کے وقت حضورؒ بنارس سے رخصت ہونے لگے تو اکثر نامی گرامی پنڈت اور مہنت رخصت کرنے کے لیے آئے اور جب حضورؒ سے جُدا ہونے لگے تو نہایت اشکبار ہوئے۔ ان کی گریہ وزاری کا عالم دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ اللہ اکبر حضورِ انور مجسّم مہر و محبت ہیں۔ جس کا ہر شخص پر آناً فاناً اثر ہوتا ہے۔

ہندو فقرا بھی حضورِ انور کو بہت زیادہ مانتے تھے۔ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی لکھتے ہیں کہ مجھ سے ایک سادھو صاحب نے بچھرایوں میں دریافت فرمایا کہ تم کہاں بیعت ہو۔ میں نے حضورِ انور کا اسمِ گرامی بتایا تو انہوں نے نہایت جوش میں آکر کہا کہ "وہ فقیر ہیں اور فقیر بہت کم ہوتے ہیں۔ اولیا اور پیر بہت ہوتے ہیں۔"

اس کے بعد یہ شعر پڑھا :

حد پیٹے تو اولیا بیحد پیٹے تو پیر
حد بیحد دہو پیٹے تو اس کا نام فقیر

اس شعر کو پڑھ کر کہا کہ میں نے یہ بات حاجی صاحب کے سوا کسی میں نہیں دیکھی۔ تم کو بڑا پیر ملا۔

حاجی اوگھٹ شاہ صاحب نے ایک دوسرا واقعہ لکھتے ہیں کہ جھنگا شاہ صاحب مجذوب جو پنجاب کے ایک مشہور درویش تھے۔ میرے والد ماجد علیہ الرحمۃ کے ملنے والے تھے۔ پیرانِ کلیر شریف میں مجھے اُن سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو نہایت شفقت و محبت سے پیش آئے اور پوچھنے لگے کہ تم کس خاندان میں بیعت ہوئے ہو۔

میں نے کہا "چشتیہ، قادریہ میں۔"
کہنے لگے "خاندان زبردست ہیں۔"

پھر کہا کہ کس سے بیعت ہو؟

میں نے حضورؒ اقدس کا نام نامی بتایا تو بڑی کیفیت سے فرمانے لگے:

"او ہو پیر بھی بڑا زبردست ہلا علاوہ اور باتوں کے تمہارے پیر بڑے فقیر ہیں۔ ایک بات یہ ہے کہ سیّد ہیں اور سیّد سے زمین و آسمان لرزتے ہیں اور کل چیزیں ڈرتی ہیں۔

مولوی محمد سرفراز خان صاحب محقق شکوہ آبادی سابق مینیجر درگاہ اجمیر شریف لکھتے ہیں کہ ۱۸۹۷ء میں مجھے چند احباب کے ہمراہ سنگاپینگ کے پہاڑ پر جانے کا اتفاق ہوا۔ جب ہم لوگ وہاں کا بڑا مندر دیکھنے کے لیے گئے تو انہیں ایک ہندو فقیر کو دیکھا جن کو وہاں کے لوگ بہت مانتے تھے اور وہ عربی و فارسی اردو ہندی وغیرہ مختلف زبانیں جانتے تھے۔ اپنی عمر سوا سو برس کی بتاتے تھے جب میں ان کے سامنے گیا تو مجھکو دیکھ کر مسکرائے اور میرے گذشتہ واقعات خود بخود بیان کر کے آئندہ واقعات کی پیشین گوئی فرمانے لگے اور آخر میں کہا تو ایک ایسے زبردست ولی کامل کے خاص مقبولوں میں ہے جس کا ثانی آج دنیا میں نہیں ہے۔ تجھ پر بہت آفتیں آئیں گی مگر تو محفوظ رہے گا۔

یہ پیشین گوئی اُن فقیر صاحب نے مولوی محمد سرفراز خان صاحب محقق وارثی کی بیعت سے قبل بیان کی تھی بلکہ اس وقت تک مولوی صاحب موصوف کو حضورؒ انور سے بیعت ہونے کا خیال بھی نہ تھا۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ عام ہندو ہی نہیں بلکہ ان کے واجب التعظیم مہاتما اور پیشوا بھی حضورؒ انور کی ولایت تامّہ کے کماحقہٗ قائل تھے یہی نہیں بلکہ معتقدانہ حضورؒ انور کی خدمتِ عالی میں حاضر ہو کر فیضیاب ہوتے تھے اور حضورؒ انور پر جاں نثاری و شیفتگی میں مسلمانوں سے کم نہ تھے۔

آپؒ کے فیوض و برکات نے ہزاروں ہندوؤں کو دولتِ روحانیت سے مالا مال کر دیا اور مخالفین اسلام کے اس خیالِ باطل کی قلعی کھول دی کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے یا بعض دہریت کے دلدادے جو کہتے تھے کہ اسلام

کی حقانیت و روحانیت کے واقعات دل خوش کن اور پارینہ افسانے ہیں
اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو اب ایسے با اثر اور مقدس نفوس اسلام میں کیوں نہیں
پیدا ہوتے جیسے صاحب تاثیر اور باکرامت اولیا اللہ زمانۂ ماسبق میں پیدا
ہوتے تھے۔ ان کے لیے آپؒ کی ولایت تامہ ایک قطعیۃ الدلالت حجت تھی
اور آپؒ کی ذات صداقت اسلام کی بیّن دلیل تھی اور اس کا ایک بدیہی ثبوت
کہ اسلام بجر و اکراہ یا بزور شمشیر نہیں بلکہ اس طرح اسلام کی ترقی و اشاعت
ہوئی ہے۔ جس طرح آج تم اپنی آنکھوں سے آج دیکھ رہے ہو کہ نہ فوج ہے نہ
شمشیر ہے نہ دیگر سامانِ عیش و تنعم نہ اور کوئی ظاہری دلچسپیوں کے اسباب
ہیں ایک تنِ تنہا حضور پُر نور کی ذات بابرکات ہے جس کی حقانیت و روحانیت
سے متاثر ہو کر تمام عالم والہ و شیفتہ ہے :

بے لشکر و فوج بادشاہی کردیم
بر مسندِ فقر کبریائی کردیم
اے دردِ بدولت فقیری اینجا
در کسوتِ بندگی خدائی کردیم

حضور انور کی مقدس تاثیرات روحانیت پر اس زمانہ کے مشاہیر ارباب
سیر اور خوش خیال وقائع نگار اصحاب نے بھی غور کیا ہے۔

چنانچہ خان بہادر مولوی محمد بشیر الدین صاحب بانی اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ
مدیر اخبار "البشیر" (جو حضرت مولینا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رضی اللہ عنہ سے
شرفِ بیعت رکھتے ہیں اور اپنے آزاد خیالات و اسلامی خدمات میں ضرب المثل
ہیں) حضور انور کے وصال پر اظہار رنج و ملال کرتے ہوئے "البشیر" مطبوعہ
۱۸؍ اپریل ۱۹۰۵ء میں تحریر فرماتے ہیں :

" آپ کا مسلک نہایت صلح کل تھا کسی مذہب اور عقیدہ کا شخص آپؒ سے
سے ملتا آپؒ اس سے بہ اخلاق باتیں کرتے چنانچہ علاوہ مسلمانوں کے بہت
سے ہنود بھی آپؒ کے مرید تھے۔ حاجی صاحبؒ کی ذات بابرکات اس امر کا

بدیہی ثبوت تھی کہ نہ بادشاہوں کے ذریعے سے نہ علما کے وعظ و پند سے اس قدر اشاعت اسلام ہوئی ہے جتنی صوفیائے کرام کی بدولت ہوئی ہے ۔"

خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی اخبار وکیل مطبوعہ ۲۰ر جنوری ۱۹۰۹ء میں اپنے مضمون کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں :

" ہم نے خود اکثر ہندوؤں کو دیکھا ہے کہ وہ حاجی صاحبؒ کی مریدی کے سبب اسلام اور طریق اسلام کے شیدائی بن گئے اور بعض درپردہ مسلمان تھے، بعض درود شریف اور آیات قرآنی کو نہایت ذوق و شوق سے پڑھتے اور مزے لیتے تھے ۔"

صرف ہنود ہی نہیں بلکہ پارسی یہودی مسیحی سب آپ کی جاں نثاری کا دم بھرتے تھے ۔ اکثر انگریزوں نے مسلمان ہو کر لباس درویشی پہن لیا ۔

حاجی اوگھٹ شاہ صاحب "ضیافت الاحباب" میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے کہ بہت سے عیسائی شرف بیعت وارثیؒ سے مشرف ہوئے اور بعض کو شہنشاہ عالم پناہؒ نے خلعت فقر سے بھی سرفراز فرمایا ہے ۔ چنانچہ رومی شاہ صاحبؒ، ولائتی شاہ صاحبؒ، عبداللہ شاہ صاحبؒ جو حضورؒ کے خرقہ پوش فقرا تھے یورپین تھے ۔

صاحب تحفۃ الاصفیا لکھتے ہیں ۱۲۸۵ھ کا واقعہ ہے ۔ حضورؒ پرنور محلہ امین آباد شہر لکھنؤ میں چودھری ہدایت علی صاحب تعلقہ دار دھورہرہ کے مکان پر رونق افروز تھے ۔ اُسوقت علاوہ چودھری صاحب موصوف کے چودھری سرفراز احمد صاحب تعلقہ دار بسیحہ وغیرہ بھی حضورؒ کی خدمت میں حاضر تھے ۔ حسن اتفاق سے ایک صاحب مسٹر براؤن ہیڈ کلرک دفتر کمشنری بہرائچ سر راہ چلے جاتے تھے جیسے ہی حضورؒ کے چہرۂ انور پر اُن کی نظر پڑی ۔ حواس بجا نہ رہے اور ازخود رفتہ ہو گئے ۔ بیہوش ہو کر گر پڑے ۔

کتنی گہری مرے ساقی کی نظر ہوتی ہے
مجھکو پھر دل میں کہیں اپنی خبر ہوتی ہے

مسٹر موصوف کو جب ہوش آیا تو وہ حضورؒ کے دست حق پرست پر مسلمان ہو گئے اور کچھ دنوں کے بعد آپؒ کی اجازت سے حج بیت اللہ ادا کرنے کے لیے مکۂ معظمہ چلے گئے۔ صاحب موصوف نے اپنی زندگی اشاعتِ اسلام کے لیے وقف کر دی تھی اور جب تک زندہ رہے اسلام کی خدمت کرتے رہے۔

حاجی اوگھٹ شاہ صاحب "ضیافت الاحباب" میں لکھتے ہیں کہ برادر بیدم شاہؒ فقیر حضرت وارثؒ عالم پناہ اپنے خط میں جناب رحیم شاہ صاحب خادم خاص بارگاہِ وارثی سے مسٹر کمیل صاحب فرانسیسی کی سفارش کرتے ہیں کہ ان کی تمنا حضورؒ رعالیؒ میں عرض کر دیجیے وھو ہذا۔

قبلۂ ام رحیم شاہ صاحب زید مجدہ۔ پس از ما وجب آنکہ باعثِ تکلیف دہی یہ ہے کہ ایک صاحب فرانسیسی مسٹر کمیل حضورؒ پر نور کے غلام ہونا چاہتے ہیں اور بوجہ چند در چند فی الحال حاضر نہیں ہو سکتے لہذا ان کی درخواست پیش کر دیجیے اور بواپسی مطلع فرمایئے۔ اُن کو عالم رویا میں بھی زیارتِ سلطانِ دوجہاں یعنی وارثؒ کون و مکاں ہو چکی ہے۔ یہی باعث ان کی غلامی قبول کرنے کا زیادہ تر ہوا میں امید کرتا ہوں کہ آپؒ ضرور یہ تکلیف گوارا کر کے مجھے ممنون فرمائیں گے۔

راقم۔ فقیر بیدم وارثی اٹاگرہ

مسٹر موصوف کی عقیدت اور برادر بیدم شاہ صاحب کی سفارش ملاحظہ فرما کر حکم ہوا کہ ان کی بیعت قبول ہوئی۔ جب موقع ہو چلے آویں۔ "ضیافت الاحباب" بعد از اں مسٹر کمیل صاحب حضورؒ انور کی خدمت عالی میں دیوہ شریف حاضر ہوئے تھے انہوں نے اپنا نام بھی بدل دیا۔ عبدالوارث نام رکھا۔ اب سنا ہے کہ بمبئی میں ہیں۔

اسی طرح اور انگریزوں کو بھی حضورؒ انور کی بیعت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ چنانچہ حاجی سید غفور شاہ صاحب حسامی الوارثی نے حضورؒ پر نور کے مختصر حالات میں ایک سوانح عمری انگریزی زبان میں تالیف فرمائی ہے اُس میں لکھا ہے کہ "مسٹر ہنری ٹریفک انسپکٹر اجمیر اور مسٹر جانسٹن سپرنٹنڈنٹ پولیس ممالک متحدہ بھی حضورؒ انور

کی بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔ اسی طرح پارسی و یہودی وغیرہ بھی حضور کی بیعت سے مشرف ہوئے ہیں۔

چنانچہ بمبئی کے مشہور پارسی دوسا بھائی ولد دہن جی حضورؒ کے دست مبارک پر بیعت سے متفید ہوئے اور اسلامی عقائد کے پابند ہو گئے اور ان کی دونوں بہنیں بھی حضورؒ کے دستِ مبارک پر بیعت سے مشرف ہوئیں۔ دوسا بھائی ولد کمر جی بھی حضورؒ سے بیعت ہوئے۔

یہ بعض ایسے واقعات لکھے گئے ہیں جو حضورؒ انور کے آخر زمانہ میں پیش آئے اور حضور کے خدّام حاضر باش کی یادداشت میں تھے۔ آپؒ کے زمانۂ سیر و سیاحت میں جو واقعات گذرے ان کا علم ہونا مشکل ہے۔ حضورؒ انور کی ذات بابرکات خاص جامعیت رکھتی تھی اور اسلام کی صداقت اور حقانیت کی ایک بیّن دلیل تھی ہزاروں منکروں کو آپؒ کی مقدس تاثیراتِ روحانیت سے راہ ہدایت نصیب ہوئی۔ آپؒ کے تمام واقعات و حالات احاطۂ تحریر میں آنا ناممکن ہیں کیونکہ ظاہر و باطن طور پر حضورؒ انور کی ذات سے فیوض و برکات جاری تھے۔

حضورؒ کے تصرفات فیض آیات ضرب المثل ہیں۔ جناب مولینا مولوی عبدالاحد صاحب قبلہ شمشاد فرنگی محل مینیجر مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور جو فی زمانناایک عالم باعمل اور مشاہیر روزگار سے ہیں اپنے سفر کا ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں جو نہایت دلچسپ ہے اس لیے بجنسہٖ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ مولینا لکھتے ہیں میں جب تیسری مرتبہ حسب طلب نواب حسین میاں صاحب مرحوم والئے منگرول ملک کاٹھیاوار گیا تھا تو واپسی کے وقت گجرات سے اجمیر شریف کی طرف آنے میں رات کو ریل پر سو رہا تھا۔ ایک بنچ پر میں تھا اور پائنتی کی بنچ پر ایک امیر مارواڑن تھی اور اس کی بغل کی بنچ پر اس کا ایک نو عمر لڑکا تھا۔ میں نے اپنی بغل کی بنچ پر پاندان وغیرہ رکھ دیا تھا کیونکہ وہ خالی تھی۔ جب سوجد اسٹیشن پر پہنچا تو کسی کے آنے کی آہٹ ملی اور میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک انگریز گاڑی میں آیا اور میری بغل کی بنچ پر بیٹھنا چاہا۔ میں فوراً اٹھا اور اپنا اسباب ہٹانے لگا۔ اس انگریز نے نہایت عمدہ

لب و لہجہ میں کہا :
"آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں آپ سو رہیئے میں ایک طرف بیٹھ جاؤں گا۔"
مجھے اس کی فصاحت پر تعجب ہوا اور میں نے اسباب ہٹا کر وہ بنچ خالی کر دی اور پھر سو رہا۔ میرے کان میں آواز آنے لگی :
"اے خدا میرے حال پر رحم فرما مجھے سخت تکلیف ہے۔ تو کیوں مجھے میری برداشت سے زائد تکلیف دیتا ہے۔ اے پیر تو بھی میری خبر نہیں لیتا۔"
اس آخری لفظ نے مجھے ہوشیار کر دیا۔ اور میں اٹھ بیٹھا۔ دیکھا تو وہ انگریز سخت تکلیف میں کراہ رہا ہے۔
میں نے پوچھا کہ "صاحب آپ کو کیا تکلیف ہے"؟
اس نے کہا "میں بہت بیمار ہوں، اس وقت بخار کی زیادتی ہے اور طحال میں کیڑے پڑ گئے ہیں۔"
میں نے نبض دیکھی تو واقعی بخار بہت شدت کا تھا۔ میں نے کہا بے شک آپ کو شدت کا بخار ہے۔ "آپ کے طحال میں کب سے کیڑے پڑ گئے ہیں؟"
اس نے کہا :
"ایک مہینہ سے زائد ہوا کہ ڈاکٹروں نے تجویز کیا ہے۔" میں نے کہا :
"ان لوگوں کی رائے غلط ہے۔ اس مرض کا مریض ایک ہفتہ سے زائد نہیں جی سکتا۔"
اُس نے کہا کہ "آپ حکیم ہیں؟" میں نے کہا "نہیں مگر طبیبوں کی صحبت میں رہا ہوں اور ہر فن کی کتابیں دیکھا کرتا ہوں۔ مجھے کتب بینی کا مشغلہ بہت پسند ہے۔"
اُس نے پوچھا "آپ کا مکان کہاں ہے؟" میں نے بتایا "لکھنؤ میں۔"
میں نے کہا "کچھ میں بھی آپ سے سوال کر سکتا ہوں؟" اس نے کہا "فرمائیے۔"
میں نے کہا "آپ نے اپنی بے چینی میں خدا سے رحم کی درخواست کی حالت میں یہ بھی کہا تھا کہ اے پیر تو بھی میری خبر نہیں لیتا۔ اس کے کیا معنے؟"
اس نے کہا "میں نے یہ نہ کہا ہو گا۔" میں نے کہا "آپ نے ضرور کہا تھا۔

مسکرا کر کہنے لگا "بے چینی میں منہ سے نکل گیا ہو گا"
میں نے کہا "اس کی کچھ اصلیت ضرور ہو گی ورنہ ایسا کلمہ انگریز کے منہ سے نہیں نکل سکتا"
اس نے بہت کچھ ٹالا مگر میں پیچھے پڑ گیا اور اصرار سے پوچھنے لگا۔ اس نے چاہا بات ٹل جائے۔
کہنے لگا سنیئے صاحب آپ لکھنؤ کے رہنے والے ہیں وہاں کے لوگوں کو ضرور جانتے ہونگے۔ میں نے کہا "ہاں جانتا ہوں"
اس نے حسین حمزہ اور چند کیننگ کالج کے طلبا کو پوچھا چونکہ وہ لوگ میرے ساتھ کیننگ کالج میں پڑھتے تھے۔ میں نے اکثر صاحبوں کا حال بتایا۔
اس نے کہا وہاں کے عربی مدرس مولینا حافظ فضل اللہ صاحب مغفور کو بھی جانتے ہو۔ میں نے کہا وہ میرے سسر تھے۔
یہ سنتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہا میں آپ سے ملوں گا، وہ میرے استاد تھے۔ اور ان کی فیاضیوں اور بزرگیوں کا دیر تک مدّاح رہا اور کہنے لگا "اب تو میری نبض دیکھیئے"
میں نے نبض دیکھی تو ذرا بھی بخار نہ تھا۔ میں نے کہا کہ "اس وقت تو آپ کی نبض صاف ہے"
ہنس کر کہنے لگا "مجھے۔ آپ سے ملکر ایسی خوشی ہوئی ہے کہ میرا بخار اتر گیا خدا آپ کو خوش رکھے" پھر کہنے لگا "آپ ہادل صاحب وکیل کو جانتے ہیں؟"
میں نے کہا "ہاں، میں نے ان کی تعریف سنی ہے اُن سے ملنے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا"
اس نے کہا "وہ میرے حقیقی چچا تھے، یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ وہ فرانسیسی تھے اور فرانسیسی فرنگیوں کی عورتیں پردہ میں رہتی ہیں" میں نے کہا "مجھے علم نہیں ہے"
کہا "اچھا لکھنؤ کے فقیروں کا حال بھی آپ جانتے ہیں؟"

میں نے کہا "میں بہت دنوں سے غازی پور میں رہتا ہوں۔ لڑکپن میں چپ شاہؒ وغیرہ کو دیکھا تھا۔" کہا کہ "حاجی صاحبؒ کو جانتے ہیں؟"

میں نے کہا "انہیں بچپن میں دیکھا تھا۔ میرے ماموں وغیرہ ان کے مرید تھے اس وجہ سے وہ گدیہ میں تشریف لاتے تھے۔ چونکہ وہ عورتوں سے سر میں تیل وغیرہ ڈلواتے تھے۔ اس وجہ سے میں ان کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔"

کہا "آپ نے انؒ کی کچھ کرامتیں بھی سنی ہیں۔"

میں نے کہا "ہاں میں نے سنا ہے کہ برسات میں بھی وہ ننگے پاؤں رہتے ہیں اور بے تکلف فرش پر چلے جاتے ہیں فرش پر دھبہ وغیرہ نہیں پڑتا۔" کہا کہ "اور کچھ؟"

میں نے کہا "یہ کیا کم کرامت ہے کہ غیر مذاہب کے لوگ بھی ان کے مرید ہوتے ہیں۔ منگرول کے پہلے سفر میں جب میں آگرہ پہنچا تو جیل خانہ کے داروغہ کے یہاں بغرض سیر آگرہ میں کئی روز ٹھہرا رہا وہاں ڈاکٹر پنڈت رام پرشاد صاحب ڈاکٹر جیل خانہ سے ملاقات ہوئی اُن کی صورت نہایت متبرک تھی لمبی ڈاڑھی رکھے ہوئے تھے اور ماتھے پر بہت چوڑا قشقہ دیئے رہتے تھے اور ہر وقت کچھ پڑھا کرتے تھے دریافت سے معلوم ہوا کہ درود شریف پڑھا کرتے ہیں اور تلاوت قرآن بھی کرتے ہیں اور پابندِ نماز ہیں جب کئی روز کی صحبت میں بے تکلفی ہوگئی تو ایک روز وہ کہنے لگے میں مسلمان ہوں اور حاجی صاحب قبلہؒ کا مرید ہوں۔ اپنے بہت واقعات انہوں نے بیان کئے تھے کہ میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک بڑے دربار میں پہنچ گیا ہوں۔ وہاں حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ بھی تشریف رکھتے ہیں۔ میں نے آپؒ سے دریافت کیا کہ یہ کیسی محفل ہے۔

فرمایا "یہ دربارِ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اشارہ سے بتایا یہ حضرت ابوبکرؓ ہیں، یہ حضرت عمرؓ ہیں، یہ حضرت عثمانؓ ہیں، یہ حضرت علیؓ ہیں یہ حضرت فلاں ہیں، یہ فلاں ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین۔"

میں حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ حضرت پیغمبر خدا

صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف رکھتے ہیں؟"

تو انہوں نے فرمایا "تو انہیں نہیں دیکھ سکتا۔"

زیادہ حال دریافت نہ کر سکا اور آنکھ کھل گئی۔ مجھے بہت سخت صدمہ ہوا۔ جب میں تبدیل ہو کر سہارنپور گیا تو میں نے حضرت مولینا محمد قاسم نانوتوی مرحوم مغفور سے اپنا خواب بیان کیا اور وجہ عدم زیارت دریافت کی تو انہوں نے فرمایا:

"تم حقہ تو نہیں پیتے؟"

میں نے کہا "حقہ کا کیا ذکر میں تو افیون بھی کھاتا ہوں۔"

حضرت مولینا نے فرمایا "تم کو زیارت نہیں ہو سکتی۔"

میں نے اسی وقت حقہ اور افیون سے توبہ کی۔ بہت سخت بیمار ہو گیا تمام حکیموں اور ڈاکٹروں نے تجویز کی کہ بغیر استعمال افیون کے تم اچھے نہیں ہو سکتے میں نے کہا "مجھے مرجانا منظور ہے مگر حقہ اور افیون کے پاس نہ جاؤں گا۔"

چنانچہ میں اچھا ہو گیا اور چار مرتبہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو چکی ہے۔ الحمد اللہ علی ذالک۔

صاحب ان واقعات کو سن کر بہت خوش ہو رہے تھے اور غور سے میرے چہرے کو دیکھے جاتے تھے۔ جب میں اس قصہ کو کہہ چکا تو بولے:

"اور کوئی حاجی صاحبؒ کی کرامت آپ نے سنی ہے" میں نے کہا "ہاں" کہنے لگے "وہ کیا؟" میں نے کہا:

"مولوی شرف الدین صاحب ڈمراؤں میں میرے دوست مولوی عبد الصمد صاحب مرحوم غازی پوری سے بیان کرتے تھے کہ میں ایک گھنٹہ شراب کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ایک مرتبہ میں دیوہ شریف کے قصد سے روانہ ہوا جب دانا پور پہنچا کہ ہوٹل سے چند بوتلیں لے لوں۔ ایک بوتل بھی نہ ملی فیض آباد بارہ بنکی وغیرہ کے ہوٹلوں میں بھی یہی نوبت آئی۔ میں دیوہ شریف پہنچا اور کئی روز رہا مگر شراب کی ذرا خواہش نہ ہوئی۔ میرے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ حضرت حاجی صاحبؒ کو منظور ہے کہ میں شراب کو چھوڑ دوں۔ چنانچہ میں نے چھوڑ دی اور اب تائب

ہو گیا ہوں اور کچھ تکلیف نہیں ہوتی ۔
صاحب نے کہا " اور کچھ ؟"
میں نے کہا " میرے بڑے ماموں کی ایک کھلائی تھی زرہن نام، اس کی بہن حج کرنے گئی وہاں سے واپس آکر بیان کیا کہ میں مکہ شریف میں حضرت حاجی صاحبؒ کی مرید ہو گئی ۔ لوگ اسے دیوانہ بتانے لگے کہ بقر عید کو تو حضرت حاجی صاحبؒ گدیہ میں تھے ۔ وہ کعبہ شریف میں تجھے کہاں سے ملے کہ تو مرید ہو گئی ؟"
وہ بہنوں کو مجنون سمجھتی تھی اور اصرار سے کہتی تھی کہ " میں تو وہیں مرید ہوئی ہوں ۔"
اس قصہ کو بیان کر کے میں نے بھی اپنا تعجب ظاہر کیا ۔ اس پر اس انگریز نے کہا " آپ کو واقعی تعجب ہے ؟"
میں نے کہا " بے شک مجھے تعجب ہے ۔"
اس نے کہا " مجھے آپ کے تعجب پر تعجب ہے ۔ زرہن کی بہن سچ کہتی ہے وہ کعبہ شریف میں مرید ہوئی اور زرہن بھی سچی تھی ۔ اُس نے حضرت حاجی صاحبؒ کو گدیہ میں دیکھا تھا ۔ خدا کی قسم حضرت حاجی صاحب ایک آن میں مختلف مقامات پر بہت سے آدمیوں کو مرید کر لیتے تھے ۔"
جب اُس نے یہ کہا تو میں نے کہا " شاید آپ نے بے چینی کی حالت میں انہیں کو یاد کیا تھا ؟"
کہنے لگا " ہاں ! وہی میرے مرشد ہیں !!"
اب آپ میرے مرید ہونے کا حال سنیئے ۔ اگرچہ آپ کو تعجب ہو گا مگر میں بخدا سچ کہوں گا میں بہت کم سن تھا ۔ جب میرے والد ماجد نے انتقال کیا میری ماں جوان تھی اور پردہ میں رہتی تھی ۔ میں آپ سے بیان کر چکا ہوں کہ فرانسیسی میمیں ہندوستان میں پردہ کرتی ہیں ۔ پردہ کے باوجود میں اپنی والدہ کی بہت نگرانی اور حفاظت کرتا تھا ۔ ایک روز میرے کر بیر سے نے بیان کیا کہ میری

ماں کے پاس ایک فقیر آتے ہیں اور دیر تک اندر رہتے ہیں مجھے اس بات کے سننے سے آگ لگ گئی اور جی میں آیا کہ ابھی گولی مار دوں۔ جب میرا غصہ فرو ہوا تو میں نے اس سے پوچھا" وہ کب آتے ہیں؟"

اس نے کہا "کبھی مہینوں کے بعد اور کبھی جلد جلد آتے ہیں۔"

میں نے اس سے کہا" اب جب آئیں تو مجھے فوراً اطلاع دینا۔"

جب وہ چلا گیا تو میں نے ایک دونالہ تمنچہ بھرا اور کوٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ اور یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ اس مرتبہ جب آئیں گے تو ایک گولی سے شاہ صاحبؒ کو اور ایک سے اپنی ماں کو ہلاک کر دوں گا۔ دن رات اسی فکر میں تھا کہ کسی طرح یہ کام بہت جلد انجام ہو جائے۔

اتفاق سے ہفتہ کے اندر ہی میرے بیرہ نے اطلاع دی کہ اس وقت شاہ صاحبؒ آئے ہیں اور مکان کے اندر ہیں۔ یہ سنتے ہی فوراً اٹھا اور جلدی سے دروازہ ہی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر تمنچہ کو تھامنے لگا مگر تمنچہ میرے ہاتھ میں نہیں آتا تھا بلکہ چھوٹ چھوٹ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ صحن مکان میں پہنچ گیا اور میری نظر شاہ صاحبؒ پر پڑی وہ سرہانے بیٹھے تھے اور پائین پر میری ماں ہاتھ جوڑے ہوئے بیٹھی تھی اور کچھ کہہ رہی تھی میں بے ساختہ آگے بڑھا چلا جاتا تھا اور ہاتھ سے تمنچہ تھامنے کی کوشش میں مصروف تھا اور تمنچہ ہاتھ میں نہیں آتا تھا۔ یہاں تک کہ شاہ صاحبؒ کے قریب پہنچ گیا اور انہوں نے میری طرف دیکھ کر فرمایا:

"آؤ آؤ بیٹا آؤ"

اور میری ماں ایسی خوفزدہ ہو گئی کہ گویا اس میں جان ہی نہیں تھی۔ شاہ صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بٹھا لیا اور کہنے لگے:

"تو میرا بیٹا ہے اور یہ میری بیٹی ہے۔" میں نے کہا" آپؒ کہتے ہیں کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔"

فرمایا "تو تو مسلمان ہی ہے اور تیری ماں بھی مسلمان ہے۔" میں نے کہا میں کیا کروں۔"

فرمایا کہ "ناپاک چیزیں نہ کھایا کرو اور جس طرح چاہو اس طرح رہو، میں ایک آدمی دوں گا۔ اس سے کھانا پکوایا کرو۔ وزیر خاں اس کا نام ہے۔"

میں نے کہا "بہت بہتر"

کئی روز کے بعد ایک شخص آیا اور کہا "وزیر خاں میرا نام ہے اور جناب شاہ صاحبؒ نے بھیجا ہے۔"

میں نے کھانا پکانے پر اس کو نوکر رکھ لیا۔ سولہ سترہ برس وہ میرے پاس نوکر رہا جب کبھی میں بیمار ہوتا تھا تو وہ کھانے سے برابر میرا علاج کر لیتا تھا۔ کبھی مجھے دوا استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ دو برس ہوئے وہ مر گیا۔ اس وقت سے میں برابر بیمار رہتا ہوں۔ کئی برس سے میں سوجد پر اسٹیشن ماسٹر ہوں۔ اس وقت بیمار ہو کر اجمیر شریف کے شفاخانہ میں جا رہا ہوں" یہ باتیں ختم نہیں ہوئی تھیں کہ اجمیر شریف کا اسٹیشن آ گیا اور صاحب نے مجھے اصرار کیا کہ آپ بھی دو چار روز اجمیر شریف میں ٹھہریں۔ میں نے عذر کیا کہ میری رخصت ختم ہو رہی ہے اور میں جاتے وقت اجمیر شریف کی دو مرتبہ زیارت کر چکا ہوں۔ آپ کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ طحال میں کیڑوں کا خیال دل سے دور کیجئے۔ امتحان کا طریقہ میں بتائے دیتا ہوں کہ مٹی کے آبخورے میں کڑوا تیل پیجئے اور اگر بو اور مزا تیل کا معلوم ہو تو سمجھئے کہ ڈاکٹروں کی رائے غلط ہے۔ اگر نہ معلوم ہو تو آٹھ روز برابر کھانے کے بعد پئے جائیے انشاء اللہ تعالیٰ صحت ہو جائے گی۔ آٹھ روز کے بعد آپ کو تیل کی بو اور مزا معلوم ہونے لگے گا یہی صحت کی علامت ہے۔ والسلام۔

مولانا عبدالاحد شاہ صاحب فرنگی محلی لکھنوی نے جو اپنے سفر کا واقعہ تحریر فرمایا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ دیگر اقوام کے قلوب میں حضورؒ انور کی شان و عظمت کا کس قدر گہرا اثر تھا۔

اکثر انگریز حضورؒ انور کے بیعت سے مستفید ہوئے اور صرف مسیحیوں پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ ہر مذہب و ملت میں آپ کے اثرات اظہر من الشمس ہیں پھر جو کچھ بھی واقعات ہیں وہ ایسے ہیں جو اتفاق سے مل گئے ورنہ سینکڑوں اور

ہزاروں واقعات ہوں گے۔ جن سے ہمارے کان خبردار نہیں ہیں۔

دیگر مذاہب کی رجوعات حضورؒ انور کے حلقہ بگوشوں کے نزدیک ایک نہایت معمولی بات تھی۔ جس پر انہوں نے کبھی خیال بھی نہیں کیا اور یہی سبب ہے کہ اس قسم کے واقعات دیگر سلاسل کے محترم بزرگوں سے زیادہ دستیاب ہوئے حضورؒ انور کے فیوض و برکات تمام دنیا میں جاری ہیں اور غالباً کوئی خطہ ایسا نہ ہوگا۔ جہاں حضورؒ کے حلقہ بگوش نہ ہوں۔

جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی اخبار وکیل مطبوعہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۹ء میں رقم طراز ہیں کہ "حاجی صاحبؒ کو نہ صرف ہندوستان کے ہندو مسلمان بزرگ سمجھتے تھے اور عقیدت رکھتے تھے۔ بلکہ یورپ کے باشندوں میں بھی ان کی بزرگی کا چرچا تھا۔ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کے ایک صاحب مسٹر حبیب احمد نامی آجکل انگلستان میں ہیں۔ انہوں نے حاجی صاحبؒ سے فیض حاصل کیا تھا۔ یہ صاحب انگریزی تعلیم یافتہ ہیں اور عموماً انگریزی طرز معاشرت برتتے ہیں۔ جب دہلی میں روزانہ اخبار جاری تھا تو یہ مسٹر حبیب احمد شاید اس کے چیف ایڈیٹر تھے۔ کچھ عرصہ بعد اخبار چھوڑ کر مصر اور وہاں سے ولایت چلے گئے۔ دوران قیام انگلستان میں ان کے غیبی بیانات کا شہرہ ہوگیا۔ کشف تصوف کے طالب علم کو ابتدائی حالت میں ہونے لگتا ہے۔ مسٹر حبیب احمد اپنی کشفی طاقت سے انگریزوں کے سامنے بعض ایسی باتیں کہہ دیتے تھے جن سے اُن کو بے حد تعجب ہوتا تھا۔ کیونکہ انگریزوں کے واسطے یہ بات بالکل نئی تھی کہ گذشتہ یا آئندہ حالت کو ایک اجنبی اس طرح بیان کر دے گویا اس واقعہ کا پورا علم اس کو حاصل ہے۔ رفتہ رفتہ مسٹر حبیب کا زیادہ چرچا ہونے لگا اور ہندوستانی طلبا بھی ان کے کمالات کے معتقد ہونے لگے۔

ہمارے دوست شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر ایٹ لا دہلی کو بھی زمانہ قیام انگلستان میں وقتاً فوقتاً ان سے ملاقات کرنے کا موقع ملا تھا اور انہوں نے مسٹر حبیب احمد کے عجیب و غریب بیانات کو بطور خود آزمایا تھا وہ کہتے ہیں

کہ مسٹر حبیب احمد واقعی باطنی احساس میں غیر معمولی قابلیت کے آدمی ہیں۔ آنے والے واقعات کی نسبت وہ جو کچھ حکم لگا دیتے تھے عموماً ویسا ہی ہوتا تھا چنانچہ ہم نے شیخ عبد القادر صاحب کے پاس ایک کتاب میں مسٹر حبیب احمد کے قلم سے یہ لکھا ہوا دیکھا کہ سید کرامت حسین صاحب جج ہو جائیں گے۔ حالانکہ یہ تحریر دو برس پہلے لکھی گئی تھی۔ جب کسی قسم کا وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ مولوی سید کرامت حسین صاحب ہائی کورٹ کے جج بن سکتے ہیں۔

اس قسم کے صدہا واقعات ہیں جن میں مسٹر حبیب احمد کا قول پورا اترا۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ غیبی باتوں کا پتہ دینا اہلِ تصوف کے سامنے کوئی کمال نہیں ہے اور وہ اس کو ہیچ اور ادنیٰ فعل خیال کرتے ہیں۔ مگر آج کل کے زمانہ میں مشائخ کی پستی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ ان میں کشفی حالت کے آدمی بھی ناپید ہیں۔ زیادہ کمالات تو شے دیگر ہیں۔ اس اعتبار سے مسٹر حبیب احمد کی قابلیت کی داد دینی پڑتی ہے کہ وہ ایسے ملک میں صوفیوں کے کمالات کا ایک جزو دنیا کو دکھا سکتے ہیں اور یہ سب نعمت ان کو حاجی صاحبؒ سے حاصل ہوئی ہے۔

اسپین کے ایک امیر زادہ نے جو لندن میں آیا تھا اور مسلمانوں کے کمالات کا متلاشی تھا، مسٹر حبیب احمد کے کمالات کی تعریف سُنی اور وہ ان سے ملنے آیا جب اس نے دیکھا کہ واقعی یہ آدمی ویسا ہی ہے جیسا سُنا تھا تو وہ مسٹر حبیب احمد کی خدمت میں رہنے لگا اور نہایت عقیدت مندانہ طریقہ پر ان کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی اُس نے اپنا نام بھی بدل دیا اور طریق مذہب بھی پہلا سا نہ رکھا یہاں تک کہ وہ مریدوں کی مثل بن گیا اور اس اثنا میں اس نے ہزار ہا روپیہ مسٹر حبیب احمد کو دیئے اور انہوں نے وہ روپے نہایت بے پروائی و بے توجہی سے خرچ کر ڈالے۔ لوگوں نے اسپینی امیر کو بہکایا کہ یہ شخص تمہارا روپیہ کس بے دردی سے اڑاتا ہے تمہیں سوچنا چاہیئے۔ مگر وہ عقیدہ پر قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ میرا پیر ایک ہندوستانی پیر کا مُرید ہے اور وہ بزرگ ہنوز زندہ ہیں تو وہ بھی ہندوستان میں آیا اور خاص دیوہ میں حاضر ہو کر حاجی صاحبؒ کی زیارت

کی جب واپس گیا تو اس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ میں نے وہاں ایک آنکھ دیکھی جس میں تمام عالم موجود تھا۔ میں کیونکر کہوں کہ اس آنکھ میں کیسی کیفیت تھی جس نے مجھکو جنبش میں ڈال دیا۔ حالانکہ وہ آنکھ خود حاجی صاحبؒ کی نہ تھی بلکہ انؒ کے ایک ادنیٰ مرید کی تھی جو انُ کے پاس حاضر تھا۔ حاجی صاحبؒ کی تعریف میں اس نے اتنا کہا کہ تم اندازہ کر سکتے ہو کہ جس کے غلام ایسے ہیں تو وہ خود کیسا ہوگا۔

یہ رائے ایک ایسے ملک کے باشندے کی ہے جو درویشی پر مضحکہ اڑاتے ہیں اور جن کی دیکھا دیکھی ہمارے ملک کے لوگ بھی فقیروں سے بدعقیدہ ہوتے جاتے ہیں۔"

خواجہ صاحبؒ نے جس اسپینی امیر کا ذکر فرمایا ہے اس کا نام کونٹ گلازرا ہے۔

حاجی اوگھٹ شاہ صاحبؒ وارثی ان کی حاضری کا واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب ان کو بارگاہِ عالی میں پیش کیا گیا تو حضورؒ انور کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہمراہ ایک مترجم صاحب بھی تھے۔ ٹھاکر پنچم سنگھ صاحب رئیس بلاؤلی کے مکان میں ان کو ٹھہرایا گیا۔ مسٹر کاؤنٹ گلازرا نے ایک ملینہ کا تہ بند خریدا اور اپنے سر پر رکھ کر حضورؒ کی خدمت عالی میں حاضر ہوئے۔ آپؒ نے اس کو زیبِ جسم فرما کر بیٹھنے کا حکم دیا۔ وہ بیٹھ گئے۔ حضورؒ انور نے فرمایا:

"کیسے آئے ہو کیا کام ہے؟"

انہوں نے مترجم کے ذریعے عرض کیا:

"ہم کو کوئی چیز نہ ملنی چاہیئے، سوائے اس کے کہ ہم اپنی زندگی میں اپنی انہیں آنکھوں سے خدا کو دیکھیں اور کیا؟"

حضورؒ انور نے متبسم ہو کر فرمایا:

"عاشق کو معشوق ہی کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔" من تو شدم تو من شدی فرما کر ارشاد فرمایا: "ہم تم وہاں ایک جگہ ہوں گے۔ خدا دور نہیں ہے۔ جاؤ

تم کو تصدیق نہیں ہوئی ہے، ہو جائے گی۔"

مسٹر کونٹ گلازرا نے اسی وقت غلامی قبول کی اور رخصت ہو کر اپنی قیام گاہ پر آئے۔ حضور پرنور کو احرام بدلوانے کے بعد جو اترا ہوا احرام ان کو ملا تھا نہایت محبت و عقیدت سے اسے دن بھر اوڑھے رہے رات کو قوالی سنی۔ صبح کو حضور نے رخصت فرمایا۔

حاجی اوگھٹ شاہ صاحبؒ سے ان کو خاص محبت پیدا ہو گئی تھی جو بدستور قائم ہے اور سلسلۂ خط و کتابت جاری ہے۔

مسٹر کونٹ گلازرا کے متعلق شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر لاء سابق ایڈیٹر آبزرور لاہور) راقم الحروف کو اپنے والا نامہ میں تحریر فرماتے ہیں جو حسبِ ذیل ہے۔

"مسٹر حبیب احمد سابق مہتمم روزانہ اخبار دہلی جو ایک عرصہ سے انگلستان میں مقیم ہیں اور وہاں متوکلانہ زیست بسر کر رہے ہیں۔ انہوں نے انگریزی زبان میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام مسٹریز آف ساؤنڈ اینڈ نمبر ہے یعنی "صوت و عدد کے اسرار" اس کتاب کے لندن میں شائع ہونے پر اس کا بعض متجسس حلقوں میں بہت چرچا ہوا اور وہاں کے بہت سے علم دوست یا مشرقی مذاق رکھنے والے اصحاب مصنفِ کتاب سے ملاقات کے خواہاں ہوئے۔ ان میں ایک صاحب ملک اسپین کے ایک متمول رئیس کاؤنٹ گلازرا نامی جو انگریزی زبان بھی جانتے تھے منشی حبیب احمد سے آکر ملے۔ میں کاؤنٹ صاحب موصوف سے ملاقاتی نہیں ہوا۔ کیونکہ میرے زمانۂ قیام انگلستان میں وہ کبھی نہیں آئے لیکن میں منشی حبیب احمد صاحب کے پاس کاؤنٹ صاحب کے خطوط اکثر دیکھا کرتا تھا۔ ان خطوط سے معلوم ہوا کہ انہیں منشی حبیب احمد صاحب سے ایسی ارادت پیدا ہو گئی جیسی مشرقی ممالک میں ایک مرید کو اپنے پیر سے ہوتی ہے اور انہیں علوم مشرقی اور السنہ کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے تحصیل عربی کے لیے ہندوستان سے ایک انگریزی دان استاد بلوانا چاہا اور جناب شمس العلماء مولوی سید علی

بگرامی مرحوم کی معرفت مولوی سید محمد عسکری صاحب کو جو پہلے علی گڑھ کالج میں دینیات امامیہ کے معلم تھے اور پھر بغداد کے سفارتخانہ انگریزی میں ترجمان مقرر ہو کر چلے گئے۔ اپنے پاس معقول تنخواہ پر بلایا۔ مولوی صاحب دو سال تک کاؤنٹ صاحب کے ہمراہ رہے۔ اس اثنا میں کاؤنٹ صاحب کو شوق پیدا ہوا کہ وہ جناب حاجی صاحب علیہ الرحمۃ کی زیارت سے مشرف ہوں کیونکہ انہیں منشی حبیب احمد صاحب سے یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ جناب حاجی صاحب کے مریدوں میں سے ہیں بس ان کو اشتیاق ہوا کہ سرچشمۂ فیض پر خود پہنچیں۔ چنانچہ وہ ہندوستان اس غرض کے لیے آئے اور حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ واپسی پر منشی حبیب احمد صاحب کو انہوں نے ایک خط لکھا تھا جو میں نے خود پڑھا ہے اس میں لکھا تھا :

"کہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کی زیارت سے اس درجہ مستفید اور مسرور ہوا ہوں کہ ساری محنتِ سفر وصول ہو گئی اور خود حضرت حاجی صاحبؒ کی تو کیا تعریف ہو۔ ان کے حلقۂ درویشاں میں مجھے ایک ایسا شخص نظر آیا جس کی آنکھ میں وہ آب اور کشش تھی کہ میرا جی چاہتا تھا برابر اسی پانی میں نہاتا رہوں۔"

سید غفور شاہ صاحب حسامی الوارثی حضور پرنور کی سوانح انگریزی میں کاؤنٹ صاحب کا ایک خط نقل کرتے ہیں جو مولوی احتشام علی خان صاحب وارثی بیرسٹر ایٹ لا (منصف سہسرام) کے نام ہے اور جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

" مائی ڈیر احتشام! اپنے پیارے زندہ کعبہ شاہ وارث علیؒ سے ملنے کے بعد میرا حج ختم ہو گیا۔ اس وجہ سے میں مصر واپس جاتا ہوں۔

آپ کا مخلص

کونٹ گلکزرا آف سینٹکڑا

مسٹر کاؤنٹ گلکزرا میں آن کی آن میں جو قابلیت پیدا ہو گئی وہ خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی اور شیخ عبد القادر صاحب بیرسٹر ایٹ لا کے نام جو خط آیا اس سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ کاؤنٹ صاحب میں اللہ والوں کی شناخت

کا مادہ بھی پیدا ہو گیا اور جس طرح ذوق و شوق میں انہوں نے اس قدر دور دراز ملک کی صعوبتِ سفر گوارا کی تھی اسی طرح وہ کامیابی کے ساتھ واپس گئے ان واقعات سے ظاہر ہے کہ اس پُر آشوب زمانہ میں جبکہ مغربی روشنی کا آفتاب نصف النہار پر ہے اور علوم جدید نے ایک نیا دور شروع کر دیا ہے کہ جن باتوں کے ادراک سے ان کی محدود عقلیں قاصر ہیں اُن سے بے تامل انکار کر دیتے ہیں۔ انہیں فلسفی منطقی افراد کے روبرو خدا کا مجسم نور ظاہر ہوا جس سے مغلوب ہو کر انہوں نے اسلام کی حقانیت کو قبول کیا۔ مسٹر کاؤنٹ گلز را حضورؒ کی ایک نگاہ میں خود آفتاب بن گئے ان کے دلی جذبات کا انکشاف ان خطوط سے ہوتا ہے جو انہوں نے شرفِ بیعت کے بعد حاجی اوگھٹ شاہ صاحبؒ وارثی کو لکھے ہیں جن میں سے بعض خطوط کا ترجمہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

۱۔ دوست شریک فی الفنا۔ السلام علیکم اُس کلام سے جس کو ہمارے ولی قدس سرہٗ نے بظاہر فرمایا تھا میں نے بتوسط ایک عالمِ خاص کے چند کلمات کا جو اُن کے باطنِ مبارک اور باطنِ الٰہی میں تھے زبانِ عربی میں استنباط کیا ہے جنکا لفظی ترجمہ آپؒ کے پاس بغرضِ حصول قربت کے روانہ کرتا ہوں۔ لاریب کہ آپؒ کی طہارتِ قلب اس طریق مستقل کے صدق کا یقین کرنے گی مکرر کہتا ہوں کہ کس درجہ آپؒ کی اور آپؒ کے اور ہمارے ولیؒ کی محبت مجھے مسرور کرتی ہے اور کس درجہ آپؒ اور ہمارے ولی میرے ساتھ ابتدا و انتہائے ذکرِ الٰہی میں موافق ہیں۔

مترجم صاحب آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں اور مولوی نصیر الدین صاحب کی خدمت میں میرا سلام عرض ہے۔

کلمات ذیل ترجمہ از زبانِ عربی۔

یا ہُو

۱۔ اوگھٹ میں نے تم کو اپنا امین قرار دیا ہے۔

۲۔ اوگھٹ مثل تیری صورت کے ہے جس پر بھروسہ ہو سکتا ہے۔

۳۔ اوگھٹ سے تیری راہ اور تیرا ایمان ظاہر ہوتا ہے۔
۴۔ تم آئے ہو میرے مکان پر (یہاں سے میری طرف خطاب ہے۔
۵۔ تمہاری خواہش میری توجہ ہے۔
۶۔ تم آئے ہو اور تم مجھ سے متحد ہو گے۔
۷۔ تمہارا آنا مبارک ہو۔
۸۔ ہم تم وہاں ایک جگہ ہوں گے (یہ ظاہری کلام ہے ولی قدس سرہٗ کا۔)
۹۔ تم اپنی خواہش کا بھید چھپائے ہوئے ہو۔
۱۰۔ خدا تمام بھید دل کا جاننے والا ہے۔
۱۱۔ میری روح تمہاری حفاظت کرے گی۔
۱۲۔ میری موت کا وقت پہنچا ہے۔
۱۳۔ ایک صورت تمہارے ساتھ ہوگی جو تمہاری ہدایت کرے گی۔
۱۴۔ ایک مست حبیب تم کو نجات دے گی۔
۱۵۔ اور نجات اتحاد میں ہے۔
۱۶۔ اوگھٹ کی تم عزت کرو گے اور اس کو اپنا معتمد دوست قرار دو گے۔
۱۷۔ اس کا طریق تمہارے طریق سے متحد ہے۔

فرانس لی کینٹ ایل پس دی ٹائیمس
ہوسٹل ڈیسنجر

۲۔ جناب حاجی اوگھٹ شاہ صاحب۔ السلام علیکم۔
میں آپ کو یہ عریضہ بسبب فرطِ محبت کے لکھتا ہوں کیونکہ آپ ہمیشہ میرے ساتھ ہیں۔ اس باریک پردہ میں جو درمیاں ہماری ہوئیتِ ذاتیہ کے حاصل ہے۔ جس مقام پر آپ ہوں اپنے پتہ سے مجھے اطلاع دیجئے کہ میں آپ کے جسمانی نشان سے بے خبر نہ رہوں۔ اس لیے کہ اس ظہور میں صرف آپ ایک شخص ہیں جس کو

میں بہت قریب پاتا ہوں۔ میں آپ سے معانقہ کرتا ہوں۔ اپنے دل کی حضور میں میں نے ان کو دیکھا ہے کہ وہ گویا وفات کر رہے ہیں اور وقت وصال کے انہوں نے اپنے وعدہ اور میری خواہش کو پورا کیا اور اپنے قلب سے توام کیا۔

کاؤنٹ گلزرا سینٹا کلیر کینٹن ہوٹل

پیرس، ملک فرانس

۳۔ میرے دوست اوگھٹ شاہ۔ میرا مترجم گیا ہے اس وجہ سے ایام کو عربی میں خط لکھتا ہوں کہ اپنا سلام پہنچا دوں۔ صحت عزیز اور تمہارا حال دریافت کرتا ہوں۔ علمی اشغال سے فارغ ہو گیا ہوں اور توحید کے دریا میں غوطہ زن ہوں میں نے دیکھ لیا ہے کہ وہ لوگ یعنی اللہ کی جانب التفات کرنے والے بغیر خودی کے بلا وعزب میں مفقود ہیں پس عالم ظہور میں تو ہی ہمارا غمگسار ہے اور تم سے بھائی جان، خواستگار ہوں کہ میرا ساتھ دو دعا میں جس کو تم جانتے ہو سلام محبت قبول ہو۔

کاؤنٹ گلزرا فرانس

مندرجہ بالا خطوط سے ظاہر ہے کہ مسٹر کاؤنٹ گلزرا میں کسقدر روحانیت پیدا ہو گئی کہ اُن کو خود باطنی احساس میں کمال ہو گیا اور تصدیق ویقین کی دولت سے وہ مشرف ہوئے۔

ان کی آرزو اور تمنا بھی اسی زندگی میں پوری ہوئی کہ وقتِ وصال حضورؒ انور نے ان کی تسکین فرمائی۔

حق یہ ہے کہ بارگاہِ وارثیؒ سے کوئی نامراد نہیں آیا۔ مسٹر کاؤنٹ کی باطنی قابلیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ جو وقت اور تاریخ حضورؒ انور کے وصال کی تھی اسی تاریخ اور وقت میں کاؤنٹ صاحب نے فرانس میں اس حادثۂ عظیم کا اسی حالت سے مشاہدہ کیا جیسا کہ ان کے خط سے ظاہر ہے۔

اسی طرح اور انگریزوں کے بھی واقعات ہیں۔ مگر چونکہ آپؒ کے خدام ذی الاحترام نے کبھی واقعات کی چھان بین نہیں کی کیونکہ جو حضورؒ کے حاضر باش حلقہ بگوش ہیں وہ ایک خاص اندازِ عشق رکھتے ہیں ؎

بجز مستی و مدہوشی دگر کارے نمی دانم

اس وجہ سے نہ انہوں نے اس قسم کے واقعات کو جمع کیا نہ ان پر توجہ کی حالانکہ حضورؒ انور کی ذات متجمع الصفات سے ہر دم و ہر لحظہ نہایت اہم ترین واقعات کا ظہور ہوتا تھا مگر حضورؒ کے دیکھنے والوں کی نگاہوں میں وہ جمال عدیم المثال تھا جس کے نظارہ کا یہ ایک ادنیٰ کرشمہ تھا کہ ہوش و خرد رخصت ہوجاتے تھے اور عالمِ استغراق و محویت کسی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا تھا حضورؒ انور کی عادت نہ تھی کہ بھولے سے بھی کوئی ایسی بات زبان پر آجائے جس سے خرقِ عادات یا کشف و کرامت یا کسی اعلیٰ صفت کا اظہار ہو۔ البتہ بعض اوقات غلامانِ خاص سے اگر کوئی واقعہ بیان بھی فرماتے تو اس سے تعلیم و ہدایت کی غرض مقصود ہوتی تھی۔

جیسا کہ صاحب تحفۃ الاصفیا نے لکھا ہے کہ جب حضورؒ نے ملک روس کی سیاحت فرمائی تو مولوی عارف علی صاحب جونپوری بھی حضورؒ کے ساتھ تھے روس کے ایک شاہی خاندان کی لڑکی حضورؒ انور پر فریفتہ ہوگئی اور حضورؒ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوکر درویشانہ زندگی بسر کرنے لگی۔ مسلمانوں کے ایک قریہ میں اس نے اپنی سکونت اختیار کرلی تھی۔ یہ حضورؒ پر نور کی ابتدائی سیاحت کا واقعہ ہے اور بعض بزرگوں نے حضورؒ انور کی زبانِ مبارک سے بھی اس واقعہ کو سنا ہے۔

چنانچہ شیخ حسین علی صاحب وارثی متخلص بہ نواب زمیندار سادہ مئو ضلع بارہ بنکی ناقل ہیں کہ حضورؒ انور نے اس کے فریفتہ ہونے کا واقعہ خود مجھ سے بیان فرمایا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے:

حضورؒ انور ایک باغ کی سیر کرنے تشریف لے گئے تھے جہاں اکثر میمیں موجود تھیں مولوی عارف علی صاحب جونپوری ایک عورت پر عاشق ہوگئے اور ایسے حواس باختہ ہوئے کہ اسی کے ہو گئے۔ حضورؒ کا ساتھ اسی باغ سے چھوڑ دیا حضورؒ انور پر خود ایک لڑکی عاشق ہوگئی۔ مگر جب اس نے حضورؒ انور کو اپنی جانب

مخاطب نہیں دیکھا تو دریافت کیا کہ آپ کسی کے عاشق ہیں ؟ حضورؒ خود ارشاد فرماتے تھے کہ ہم نے کہا "ہاں" اس نے کہا "وہ بڑا خوبصورت ہوگا ہم سے بھی زیادہ حسین ہوگا ؟"

ہم نے جواب دیا کہ "تمام عالم سے زیادہ خوبصورت ہے اس کا مثل دنیا میں نہیں ہے ۔" شہزادی نے کہا "ہم بھی اس پر عاشق ہوں گے بتایئے وہ کون ہے ؟"

ہم نے کہا وہ ہر جگہ ہے ، ہر شے میں ہے ۔ اس کے بہت نام ہیں ، ایک نام اللہ جل جلالہ ہے اور اس کی عاشقی کا طریقہ ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۝ اس نے صدق دل سے پڑھا اور قسم کھائی کہ مجھے اب اسی سے کام ہے اور کسی سے واسطہ نہیں رہا ۔

شاہی خزانہ سے اس کو معقول وظیفہ ملتا تھا جس کی نسبت اس نے حضورؒ سے عرض کیا "میں اس کا کیا کروں ؟" تو حضورؒ نے ارشاد فرمایا :

" تم جس پر عاشق ہوئی ہو اس کی راہ میں محتاجوں اور یتیموں اور بیواؤں کو دینا غریبوں کے لڑکے لڑکی کی شادی میں دینا اس سے وہ بہت خوش ہوگا "

حضورؒ فرماتے تھے کہ اس نے ہم سے کہا "جب آپ چلے جائیں گے تو ہم کیا کریں گے ۔ ہم نے کہا اسی کو یاد کرنا ؟"

" اس نے کہا اس مقام سے قریب ایک قریہ ہے اس میں ہم رہیں گے ۔ اب یہاں نہ رہیں گے ۔ آپؒ چل کر ہم کو وہاں بٹھا دیجئے ۔" چنانچہ ہم نے اس کو وہاں بٹھا دیا ایک شب بمشکل تمام ہم اُس قریہ میں رہے ۔ اس کے بعد رخصت ہوئے اس کا نام زوفا تھا ۔ چھ سال وہ زندہ رہی اس کے بعد انتقال ہوگیا پہاڑ پر اُس کی قبر ہے اس کا قل ہوتا ہے ۔ تین خط اُس کے آئے تھے ۔ شیخ حسین علی صاحب نے دریافت کیا کہ "مولوی عارف علی صاحب کے عشق کا کیا نتیجہ ہوا ؟"

فرمایا کہ " دوسرے دن ہمارے پاس آئے تھے ڈھاڑھی منڈی ہوئی تھی

ہم نے کہا "یہ کیا کیا؟"

کہنے لگے "اب تو جو ہُوا سو ہُوا؟"

حضور انور کے واقعاتِ سفر فی الواقع نہایت اہم بالشان ہوں گے مگر افسوس ہے کہ اُن حالات سے ہم کو شرفِ آگاہی نصیب نہیں ہے۔

جو واقعات حضور پُر نور کے زمانہ آخر میں ہندوستان میں پیش آئے وہ بھی ہماری محدود معلومات سے باہر ہیں۔ شاذونادر واقعات حاصل ہوئے ہیں۔

حالانکہ حضور پر نور کی محفل میں روزانہ اہم ترین واقعات پیش آتے تھے اور تمامی مذاہب کے افراد آپؐ کے نقشِ قدم پر جان دیتے تھے۔ آپؐ کی ذات ستودہ صفات صداقت اسلام کی ایک بیّن دلیل تھی جس سے ہر شخص متاثر ہوتا تھا اور ہر مذہب و ملت والے حضور کے اسم گرامی پر قربان ہو جانا عینِ ایمان سمجھتے تھے اور آپؐ کی ذات بابرکات میں خدا کی قدرتوں کا مشاہدہ کرتے تھے حضور پُر نور کا چہرۂ انور دیکھ کر اسلام کی حقانیت اظہر من الشمس ہو جاتی تھی اور آپؐ کی محبت صراطِ مستقیم کے لیے سراجِ منیر کا کام دیتی تھی جس پر خدا کی مخلوق پروانہ وار جاں نثاری کرتی تھی ؎ :

جو تاریکی میں نُور اس کا نظر آیا تو دن نکلا
تجلّی سے بنا چشم و چراغِ دشت ہر پتہ
ہُوا جلوہ نما جس دم وہ سورج ہو گیا روشن
ہُوا شرمندگی سے ماند بالکل چاند کا مکھڑا
گری مخلوق سجدے میں اٹھایا جب نقاب اُس نے
ہے در پردہ وہ چہرہ قدرت اللہ کا جلوہ

؎ ترجمہ اشعار عربیہ موسومہ ہدیۂ عمادیہ از رشحات قلم فیض رقم مولٰینا مولوی سید عبد الغنی صاحب قبلہ وارثی بہاری مدظلہ العالی۔

مریدین میں ازدیاد محبت

حضورِ انور کی ذات محمود الصفات پر جو

عام گرویدگی اور رجوع خلائق تھی وہ ظاہر ہے۔ مگر مریدین میں جو جوشِ محبت اور حسنِ عقیدت ہے وہ بھی حضورِ پرنور کی ذاتِ بابرکات کی طرح عدیم المثال ہے۔ اگرچہ حضورؐ کے بے شمار مرید ہیں مگر سب میں خاص جذباتِ محبت ہیں اور اکثر مریدوں کی ایسی حالت ہے جو عام طبائع میں حدودِ اعتدال سے کہیں متجاوز ہے ایک دیوانگی و ازخود رفتگی کا عالم ہے کہ وہ اپنی دین و دنیا کی بہتری کو حضورِ انور ہی سے وابستہ کرتے ہیں اور حضرت مولینا روم قدس سرہ العزیز کے اس شعر کے مصداق ہیں ؎

چوں تو ذات پیر را کردی قبول
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

حضورِ انور کے مریدین باتمکین میں جو جذباتِ محبت ہیں اور ان کے خاص عقائد ہیں ان کا بیان تو احاطۂ تحریر سے باہر ہے مگر بظاہر جو اُن کی جاں نثاری و جوشِ محبت ہے وہ بھی بے انتہا ہے، پروانہ وار حضورؐ پہ نثار رہتے تھے آپؐ کی چوکھٹ چھوڑنا گوارا نہیں تھا۔ اکثر مریدین وفورِ محبت سے حضورؐ کا طواف کرتے اور عیدین کے مواقع پر تو اور بھی زائرین کا ہجوم ہوتا اور گرد پھر پھر کر حضورؐ پر قربان ہوتے تھے حضورؐ کے متمول مرید ہزاروں روپیہ حضورِ انور کی خوشنودیٔ مزاج حاصل کرنے کے لیے صرف کرتے اور غربا کو تقسیم کرتے تھے۔ علاوہ رؤسائے دیوہ شریف کے جن کو بارگاہِ وارثی میں شرفِ قدامت حاصل ہے یعنی شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین شاہ ولایت و سید معروف شاہ صاحب وارثی و گھسیٹے میاں صاحب جو اپنا جان و مال حضورؐ پر نثار کرتے تھے۔ دیگر معززین بھی بیرونجات سے آتے اور صرفِ کثیر کرتے تھے۔ چنانچہ راجہ دوست محمد خان صاحب تعلقہ دار بھونا ضلع سلطان پور عید الفطر کے موقع پر دیوہ شریف آتے اور شیر و خرما

سنویاں اور تہہ بند فقرائے وارثی میں تقسیم کرتے اور محتاجوں کو حضورؒ انور کے صدقہ کا صدہا روپیہ دیتے تھے علاوہ ازیں شیخ عنایت اللہ صاحب تعلقہ دار سیدن پور عید الضحیٰ کے موقع پر حضورؒ پرنور کو مع خدام و دیگر مریدین حاضرباش ۸ ذی الحجہ سے سیدن پور میں لیجاتے تھے اور حضورؒ انور وہیں نماز عید الضحیٰ ادا فرماتے تھے. شیخ عنایت اللہ صاحب نہایت سیرچشمی و فیاضی سے اس تقریب سعید میں خرچ کرتے تھے. محتاجوں اور غریبوں کو کھانا تقسیم کرتے خوب روشنی ہوتی اور محفل میلاد خیر العباد منعقد کی جاتی تھی خدام و فقرا کو تہ بند بدلواتے تھے۔

نواب محمد عبدالشکور خان صاحب رئیس اعظم دھرم پور جب دیوہ شریف میں آتے حضورؒ انور کی دعوتوں کا اہتمام نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کرتے تھے اور بڑے ذوق و شوق سے زیادہ دنوں تک دیوہ شریف میں قیام رکھتے تھے اور اپنے زمانۂ قیام میں روزانہ دونوں وقت حضورؒ انور کی خدمت عالی میں پرتکلف کھانے پیش کرتے تھے. عشرۂ محرم میں دس روز تک متواتر آستانۂ عالی پر پلاؤ وغیرہ کی دیگیں تیار کراتے اور عشرہ کے دن سبیل بھی رکھتے اور جناب سید الشہداءؑ علیہ السلام کی نذر کرتے تھے اور غربا میں تقسیم فرماتے تھے. حضورؒ انور کے وصال کے بعد بھی اپنی قدیم وضع پر قائم رہے اور ہمیشہ آستانۂ وارثیؒ پر حاضر ہوتے اور تمام مراسم اسی طرح ادب و تعظیم سے بجالاتے تھے۔

دیگر امراؤ رؤسا بھی حضورؒ پرنور کے نام نامی پر کثیر صرف کرتے تھے. اسی طرح ٹھاکر پنچم سنگھ صاحب رئیس ملاؤلی ضلع مین پوری اور ٹھاکر بھگوان سنگھ صاحب رئیس ملاؤلی ہولی کے زمانہ میں دیوہ شریف حاضر ہوتے، جسقدر حضورؒ کے خدام و فقرا دیوہ شریف میں موجود ہوتے انکو تہ بند بدلواتے تھے اور حضورؒ انور کے خاندانِ عالی شان کے ہر ایک خدمتی یعنی دھوبی بہشتی حجام خاکروب وغیرہ کو انعامات دیتے تھے. حضورؒ انور کی جانب سے اکثر امراؤ رؤسا نے مہمانوں اور فقرا کے لیے لنگر جاری کر رکھے تھے. چنانچہ دو دو مہینہ کی باری سے راجہ اودت نرائن صاحب تعلقہ دار رام نگر راجہ دوست محمدؐ خان صا تعلقہ دار وارث گنج و رئیس

حاجی عباس علی تعلقہ دار باپو پور، چودھری لطافت حسین صاحب رئیس رامدانہ، راجہ شیر محمد صاحب تعلقہ دار رائے پور ضلع سیتاپور، بادشاہ حسین خاں صاحب تعلقہ دار کیر النگر جاری رکھتے تھے۔ دیگر امرا اور رؤسا ہر چند کوشش کرتے تھے کہ ہم بھی اس نعمتِ عظمیٰ میں حصہ لیں مگر موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ اپنی باری کا ایک دن کسی کو دینا شاق تھا۔ لنگر میں معمولی کھانا نہیں ہوتا تھا بلکہ پُرتکلف کھانے تیار کرائے جاتے تھے اور زر و مال حضورؒ پر بے دریغ قربان کیا جاتا تھا جس طرح امرا حضورِ پُرنور کی خدمتِ عالی میں حاضر ہو کر اپنے زر و مال کو نثار کر کے اپنے حوصلے پورے کرتے تھے اسی طرح غربا بھی جو کچھ انہیں میسر ہوتا حضورِ انور پر قربان کرتے تھے اور حضورِ انور کی نگاہِ حقیقت آگاہ میں سب ایک تھے چنانچہ حضورِ انور کی یہ بات تو عادات و صفات ہی میں داخل تھی کہ جس مکان میں پہلے قیام فرماتے۔ جب اُس شہر میں پہنچتے اُسی کے یہاں ٹھہرتے اور اس شرفِ سعادت میں غربا کی ہی زیادہ تعداد ہے۔ حضورِ انور جس خوش نصیب کے گھر تشریف لیجاتے اور قیام فرماتے تھے دن عید اور رات شب برات کا سماں رہتا تھا جن کو خوش نصیبی سے حضورؒ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوتا وہ اپنے تمام مال و اسباب کو حضورؒ کا ہی سمجھتے تھے اور بے دریغ صدقات خیرات کرتے تھے۔ عجیب جوش و خروش کی کیفیت ہوتی تھی اور عجیب ولولے ہوتے ہوتے تھے حضورؒ کی تشریف آوری کی مسرت میں بعض لوگ تو تمام مال و اسباب لٹا دیتے تھے مولوی حافظ حسن صاحب امین دیوانی علیگڑھ کے والد کے یہاں جب حضورِ پُرنور کا قیام ہوتا تو وہ تمام اثاث البیت لٹا دیتے تھے۔ حتیٰ کہ حضورِ انور کے تشریف لیجانے کے بعد برتن اور جنس وغیرہ کا انتظام اُن کے یہاں قرض سے ہوتا تھا۔ زیور اور کپڑا اور برتن اور نقد غرضکہ جو کچھ گھر میں ہوتا خیرات کر دیتے۔ صرف بدن کے کپڑے رہ جاتے تھے۔

اگر کسی وجہ سے حضورِ انور کسی کے یہاں تشریف لے جانے میں تامل ہوتے تو اس کو اپنی زندگی دوبھر ہو جاتی تھی اور وہ اپنی جان تک ہلاک کرنے کو مستعد

ہو جاتا تھا۔ بالآخر حضور پر نور اُس کی حالت سے متاثر ہوتے اور ان کے یہاں تشریف لے جاتے تھے۔ حق یہ ہے کہ حضور انور کے مریدین عقیدت گزین میں جو جوش و محبت و عقیدت ہے وہ نی زمانہ نا قابل حیرت ہے۔ حضور انور کے نام نامی پڑھتے ہوئے ہیں اپنی چیزوں کو حضور کے اسم مبارک سے منسوب کیا ہے۔ راجہ دوست محمد خاں صاحب تعلقہ دار مہونا جس موضع میں قیام رکھتے ہیں اُس کا نام "وارث گنج" رکھا ہے۔

سید معروف شاہ صاحب وارثی اور ٹھاکر پنچم سنگھ صاحب وارثی نے حضور کے نام نامی سے باغ لگائے اور اس کا نام وارث باغ رکھا۔ سید معروف شاہ صاحب قبلہ کے وارث باغ میں جو سب سے اچھے آم کے درخت ہیں ان کا نام وارث پسند رکھا" اور اُن درختوں کی قلمیں جن جن باغوں میں لگائی گئی ہیں اسی نام سے مشہور ہیں۔ چنانچہ منشی وحدت اللہ خان صاحب وارثی خلف منشی عبیدت اللہ خان صاحب وارثی رئیس شاہجہاں پور نے بھی خاص طور پر اپنے باغ میں "وارث پسند" آم کے درخت لگائے۔ جو سب درختوں میں ممتاز اور تحفہ کے قابل ہیں۔ جہاں جہاں ان درختوں کی قلمیں گئی ہیں وہ اسی نام سے مشہور ہیں۔

اکثر امرائے حضور انور کے نام نامی سے اپنے مکانات کو منسوب کیا ہے چنانچہ مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی وکیل سرکار رئیس گیا کے عالی شان مکان پر بخط جلی "ہوالوارث" کندہ ہے اسی طرح بعض صاحبوں نے اپنے مکانات کا نام وارث منزل رکھا۔ ڈاکٹر سید ریاض حیدر صاحب وارثی خلف الرشید مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی نے اپنے شفاخانہ کا نام شفا خانہ وارثی رکھا ہے۔

جناب حاجیہ عائشہ بی بی صاحبہ وارثیہ رئیسہ گیا بسط اللہ حیاتہا واکرام اللہ صفاتہا جو بیحد فیاض و عالی ہمت، پاک طینت، راسخ العقیدت، سرشار محبت، نیک دل نیک نیت خاتون ہیں اور جن کے ذکر سے زمانہ سلف کی ان مقدس خواتین اسلام کی یاد تازہ ہوتی ہے جو اپنے زہد و عبادت

فیاضی و بیدار مغزی میں ضرب المثل گذر گئیں ۔ اس زمانہ میں جناب یوسف کی فیاضیاں اس قدر رنتمم بالشان ہیں کہ تمام غلامان وارثی کے قلوب پر نمایاں اثر ہے ۔ آستانہ وارثیہ کے اکثر شاندار حصے اُن کے ذوق وشوق کا نتیجہ ہیں اور سنگ مرمر کی مسہری آنہیں کی بلند حوصلگی کا مشاہدہ ہے ان کو اپنے اعلیٰ ترین خیالات کی بنا پر آستانۂ عالی کو اعلیٰ سے اعلیٰ زیب وزینت اور رونق پر دیکھنے کا ایسا انہماک ہے کہ اکثر حصص کی تعمیر میں انہوں نے زرکثیر صرف کیا ہے علاوہ ازیں انہوں نے آستانۂ عالی کے صدر دروازہ کے قریب ایک مدرسہ پختہ دو منزلہ عالی شان تعمیر کرایا ہے جو مدرسہ وارثیہ کے نام سے موسوم ہے اُس کے قیام و استحکام کے لیے ایک معقول وقف بھی فرمایا ہے ۔

اسی طرح تبرکات لوگوں کے پاس محفوظ ہیں حضور انور کے ملبوس مبارک، موئے شریف، کان کا میل، وہ کپڑا جس سے بعد وصال جسم مبارک پونچھا گیا، وہ کپڑا جس سے حضور انور مزار مبارک میں اتارے گئے، خاک مزار پاک، دندان مبارک، وضو اور کلیوں کا پانی ۔ وقت وصال جو غسل ہوا تھا اس کا پانی ۔ غرضکہ صدہا چیزیں لوگوں کے پاس محفوظ ہیں ۔ اس موقع پر ایک مقدس خاتون کا تذکرہ (جن کو نشانۂ محبت کہنا چاہیئے) سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے ۔ مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی وکیل دریابادی گیا کی اہلیہ محترمہ کے قلب کو حضور انور کی ذات محمود الصفات سے جو تعلق ہے اس کا ذکر الفاظ میں ادا ہونا ناممکن ہے ۔ انہوں نے حضرتؒ کے تبرکات کا ایک بیش بہا ذخیرہ جمع کیا ہے اور ایک کمرہ میں سجا رکھا ہے اور خود اس کی مجاوری کی خدمات بجا لاتی ہیں ۔ حضور انور نے ان کو اپنا اگالدان مرحمت فرمایا تھا جس میں اگال بھی تھا انہوں نے اس اگال کو قائم رکھنے کی کوشش کی اور وہ اگالدان معہ اگال کے اُن کے پاس محفوظ ہے ۔

اکثر لوگوں نے اپنی اولاد کے نام حضور انور کے نام نامی پر رکھے ۔ جیسے غلام وارث، نیاز وارث، عبدالوارث وغیرہ ۔ یا وارث فاطمہ، وارث بانو کنیز وارث، وارثیہ خاتون وغیرہ ۔

غرضکہ اپنے اپنے خیال کے مطابق ہر شخص حضورِ انور کی اسمِ گرامی سے استفادۂ روحانی حاصل کرتا ہے اور اپنی کسی نہ کسی شے کو حضورِ انور کے اسمِ گرامی سے منسوب کرنا باعثِ خیر و برکت سمجھتا ہے۔ حضورِ انور کے نامِ نامی پر اس قدر گرویدگی ہے کہ اپنے نام کے ساتھ لفظ وارثی نہایت فخر و مباحات سے لکھ کر حضورِ انور سے نسبت حاصل کی جاتی ہے۔

حضورِ انور کے مریدین باتمکین میں جو جوشِ محبت اور حضور کی شان و عظمت کا اثر ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ جس زمین پر حضورِ پرنور کے قدم پڑتے تھے لوگ متبرک سمجھ کر اس خاکِ پاک کو اٹھا لیا کرتے تھے :

بزمینیکہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

حضورِ انور جس پالکی میں تشریف لے جاتے بڑے بڑے امراء اور رؤسا کہاروں کو اٹھا کے خود اُس پالکی کو اٹھاتے تھے۔

چنانچہ آنریبل جسٹس مولوی سیّد شرف الدین صاحب وارثی بالقابہ نے بانکی پور میں خود حضورؒ کی پالکی اٹھائی اور پالکی کو اٹھا کر کوسوں تک دوڑے ہیں، حتیٰ کہ پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔

ایک عجیب از خود رفتگی کا عالم ہوتا تھا حضورِ پرنور کی پالکی کا چھو لینا بہت بڑی بات سمجھا جاتا تھا۔ حضورِ انور جس سلفچی میں وضو فرماتے اس پانی کو لوگ تبرک سمجھ کر لے لیا کرتے تھے۔ کوئی پی لیتا تھا کوئی آنکھوں سے اور سینے سے لگاتا تھا بعض لوگوں کے پاس وہ پانی اب تک محفوظ ہے۔

قاضی منیر عالم صاحب وکیل و رئیس دربھنگہ کے مکان پر جب حضورؒ تشریف لے گئے ہیں تو وہ اپنی ڈاڑھی سے راستہ صاف کرتے ہوئے حضورؒ کو لے گئے تھے۔ ان کے مکان کی کرسی بہت اونچی ہے۔ زینہ کو انہوں نے تڑوا دیا اور خود زینہ کی جگہ جھک کر کھڑے ہو گئے جس پر سے حضورِ انور اور ہمراہی گذرے غرضکہ جو ادب و احترام حضورِ انور کا مخلوق کی نگاہوں میں تھا اور جو عقیدت و

محبت مریدین کے قلوب میں حضورؒ کی تھی اس سے فاعبد ربک حتیٰ یاتیک الیقین کے معنے سمجھ میں آتے تھے کہ حضورؒ کے حلقہ بگوشوں کو اس قدر غلبۂ محبت ہے کہ حضورؒ کی ذات مستجمع الصفات سے پوری تصدیق و یقین کی نسبت پیدا ہوگئی ہے۔

مولوی علی احمد خان صاحب وارثی وکیل آگرہ اپنے برادر زادہ میاں مہدی علی خان وارثی کا حال لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

جب میں نے اکتوبر ۱۹۰۳ء میں دیوہ شریف کی حاضری کا قصد کیا تو میاں مہدی علی خان نے اپنے اعزا سے مخاطب ہو کر کہا میرا ارادہ حضورؒ انور سے احرام حاصل کرنے کا ہے۔ آپ لوگوں سے رخصت ہوتا ہوں اور تمام جائیداد سپرد خدا ہے۔

اس ارادہ سے میاں مہدی کے اعزا کو تاسف و ملال ہوا۔ یہاں میاں مہدی کا اشتیاق قدمبوسی اور شوق احرام پوشی میں یہ حال تھا کہ جس وقت سے سفر اختیار کیا بجز پان کھانے کے مطلق غذا استعمال نہیں کی۔ بارہ بنکی اسٹیشن ریل سے اتر کر دیوہ شریف تک پیادہ پا سفر کیا کسی سواری میں سوار نہیں ہوئے سواری اس وجہ سے ترک کر دی کہ جہاں حضورؒ انور تشریف فرما ہوں وہاں سواری میں جانا بے ادبی ہے۔ غذا اس لیے چھوڑی کہ ایسے مقدس مقام پر جہاں حضورؒ انور تشریف رکھتے ہوں بول و براز سوئے ادب ہے۔

حضورؒ انور کی خدمت عالی میں اکثر ہندو پیکرما وغیرہ کرتے ہوئے اور مسلمان دیگر ریاضتوں سے مسافت طے کرتے ہوئے حاضر ہوتے تھے اور ان کا جوش و خروش اور ان کے جذبات محبت قابل دید ہوتے تھے۔ جس سے یہ مشاہدہ ہوتا تھا کہ حضورؒ کی ذات مقدس سے کس قدر حصول و تصدیق ہوتی تھی۔ حضورؒ پر نور کے بے شمار مریدین کے جذبات محبت کا ذکر احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ اس زمانہ کے اکثر مشاہیر اور علم دوست اصحاب نے حضورؒ انور کے مریدین و معتقدین کے جذبات محبت کو غور و تعمق کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔

چنانچہ خان بہادر مولوی محمد بشیر الدین صاحب قبلہ مدیر "البشیر" نے جو حضور انور کے وصال پر اظہار رنج و ملال کیا ہے۔ اس نوٹ میں آپ کے مریدین کی کثرت تعداد کا ذکر کرتے ہوئے مریدین کے جذباتِ محبت کے متعلق حسبِ ذیل خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔

" نہ صرف معمولی مرید بلکہ جس قدر حسن عقیدت جوشِ محبت اور عظمت حاجی صاحب کے مریدوں کے دلوں میں حاجی صاحب کی تھی کم مریدوں کے دلوں میں یہ حالت اس زمانہ میں ہوگی شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ عظمت و محبت کا درجہ اعتدال سے بڑھا ہوا تھا"

مندرجہ بالا تحریر سے ظاہر ہے کہ دیگر بزرگوں کے دلوں میں بھی حضور انور کے مریدین عقیدت گزین کے جذباتِ محبت کا احساس ہے اور اس میں شک نہیں کہ آپ کے دیکھنے والوں کی نگاہ میں حضور انور کی بے مثالی چھائی ہوئی ہے سے :

اب کون رہا ہے جس کو دیکھوں
اک تم تھے سو آ گئے نظر میں

اب بھی جبکہ حضور انور نے ہماری ظاہری آنکھوں سے پردہ فرما لیا ہے وہی جوشِ محبت اور حسن عقیدت موجود ہے۔ اور بعض بزرگوں کی حالت تو ایسی ہے جس کو عام عقول و طبائع جو ذائقۂ محبت سے آشنا ہیں دیوانہ پن کی حرکات سمجھیں گے۔

چنانچہ سید معروف شاہ صاحب جاں نثار و خادمِ قدیم بارگاہِ وارثی کی یہ حالت ہے کہ وہ جس ادب و احترام سے حضور کی حیات میں مراسمِ تسلیم و آداب اور خدمات بجالاتے تھے اسی انداز سے اور اسی حالت سے اب بھی بجالاتے ہیں۔ ان کے اس طریقِ ادب سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو اس قدر تصدیق و یقین حاصل ہے کہ وہ عموماً حضور کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں اور یہ مرید کی ایک خاص شان ہے جیسا کہ حضرت شاہ تراب علی صاحب قلندر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں سے :

حاضر و ناظر مرید اس طرح جانے پیر کو
جس طرح احوال بندہ سے خدا آگاہ ہو

اُن کو اپنے عشق و محبت میں اس قدر انہماک ہے کہ نہ کسی کی انگشت نمائی کی پروا ہے نہ خندہ زنی کا خیال وہ فطرتی طور پر اپنے خیال و عقیدہ میں ایسے مستغرق ہیں کہ جس کا حاضرین پر بھی خاص اثر پڑتا ہے اور ان کی نگاہوں میں عجیب پیارا سماں آجاتا ہے جب وہ اپنے قلبی سوز و گداز سے عرض کرتے ہیں کہ میرے مالک شہنشاہ میرے آقا یہ حضورؒ کے لیے فلاں شخص کی جانب سے فلاں چیز پیش کی جاتی ہے۔

اسی طرح اپنے اپنے خیال کے موافق حضورؒ کے ہر ایک دست گرفتہ کی کیفیت ہے سب کسی نہ کسی خیال میں منہمک ہیں اور اپنی دین و دنیا کی بہبودی حضورؒ انور ہی کی ذات سے وابستہ کرتے ہیں یہ حالت حضورؒ انور کی محبت میں صرف انہیں اصحاب کی نہ تھی جن کو مشرقی مذاق کے لحاظ سے پیر پرست کہا جاتا ہے بلکہ جو تعلیم یافتہ حضرات مغربی تمدن میں ممتاز ہیں اُن پر بھی حضورؒ انور کی محبت کا ایسا ہی گہرا رنگ چڑھا ہوا ہے۔

مثال کے لیے (آنریبل جسٹس) مولوی شرف الدین صاحب بالقابہ کا اسم گرامی پیش کیا جاتا ہے جن کے جذبات محبت حیرت انگیز ہیں اور صرف حیرت انگیز ہی نہیں بلکہ سبق آموز محبت ہیں۔ بارگاہ خداوندی سے ان کو حضورؒ انور کی محبت کا خاص حصہ عطا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ خود حضورؒ انور نے اُن سے ارشاد فرمایا "لحمک لحمی و دمک دمی" ان کی محبت کے واقعات طویل ہیں اس لیے ہم اُن واقعات کو نظر انداز کرتے ہوئے جن سے جناب ممدوح الشان کا حضورؒ انور سے شرف اختصاص و محبت ظاہر ہوتا ہے شیخ مشیر حسین قدوائی بیرسٹر لا مقیم انگلستان اپنا عقیدہ حضرت وارث پاکؒ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"لڑکپن ہی کے زمانہ سے خاص ذوق شوق سے میں مرید ہوا۔ گو میرے

دونوں بھائی صاحبان حضرت مولینا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے تھے مگر میں نے حضرت حاجی صاحبؒ میں کچھ ایسی کشش پائی کہ دل گرویدہ ہو گیا لڑکپن کا زمانہ عقیدت کیشی کا تھا۔ اب میں نے مادی یورپ کی بہت خاک چھانی ہے قریب قریب مشہور شہر اور دارالسلطنت علاوہ روس کے دیکھ ڈالے ہیں موجودہ اختراعات مادی کو دیکھا ہے، موجودہ ترقی پر غور کیا۔ سائنس کی کتابوں کے مطالعہ کا مجھے خبط ہے اور موجودہ زمانہ کے اعلیٰ ترین مادہ پرست میکل کا سکہ میرے قلب پر بیٹھا ہوا ہے ان کی شاندار کتاب کو میں نے پڑھا ہے الغرض اس قدر تجربہ اور علم کے باوجود جواب مجھکو حاصل ہوا ہے اور گو اب حضرت حاجی صاحب قبلہ کا وصال ہو گیا ہے مگر میری روح کو اس ذاتِ اقدسؒ سے وہی تعلق ہے جو لڑکپن میں شروع ہوا تھا۔۔۔۔

میں اس حیرت میں ہوں کہ خدایا وہ کونسی بات اُس ذات والا صفات میں تھی جو کافر اور مومن زاہد و رند، عالم اور جاہل، ایشیائی اور یورپی، نئی روشنی والے اور پرانی روشنی والے سب کو کھینچ لیتی تھی گنڈہ تعویذ وہ نہیں لکھتے تھے وضع قطع ان کی عالمانہ نہ تھی، کسی کے لیے دعا یا دوادہ نہ کرتے فلسفہ اور منطق سائنس اور چھومنتر کسی سے ان کو ربط نہ تھا۔ دیر تک اپنے پاس کسی کو بیٹھنے بھی نہ دیتے تھے۔ یہ سب کچھ تھا مگر پھر بھی لاکھوں شخص ہر رتبہ اور درجہ کے زن و مرد جاں نثارانہ عقیدت رکھتے تھے اور دل کو میں نہیں جانتا۔ میں نے کوئی خرق عادت یا کرامت حضرت سے نہیں دیکھی پھر بھی مجھے اس وقت اس کا پورا یقین ہے کہ اگر وہ چاہتے تو انتظام عالم کو ایک اشارہ سے بدل سکتے تھے۔"

حضورؒ انور کی ذات معدن الصفات سے جو تصدیق کامل حاصل ہوتی تھی اُس کا نمونہ غلامانِ وارثی کے ازدیادِ عشق و محبت اور ان کے بے مثل عقائد و جذبات سے صاف ظاہر ہے۔

حضورؒ پر نور کی محبت میں ہر خیال اور مذاق کے افراد کو ایک خاص انہماک ہے جس سے اِس مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ خدا کی مقدس روشنی اور تاثیرات

کاملہ کے روبرو تمامی علوم و فنون اور فلسفہ و سائنس کی قوتیں باطل ہیں۔

حضورِ انور کی ذات ایک عجیب کرشمۂ قدرت تھی کہ جس سے ہر شخص متاثر ہے اور وابستگانِ دامنِ دولت کی تمام امیدیں حضورِ انور ہی کی ذات سے وابستہ ہیں۔ اور اپنی دین و دنیا کی بہتری حضورِ انور کی ایک غلط انداز نظر پر قربان کرنے کو جاں نثارانہ تیار رہتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ محبت و خلوص کے ساتھ تصدیق و یقین کی دولت بھی حضور کی سرکار سے کامل طور پر عطا ہوتی تھی۔

جناب شیدا میاں وارثی ناقل ہیں کہ حکیم یعقوب بیگ صاحب وارثی خیرآبادی کا واقعہ ہے کہ بہار کے سفر میں حضور شیخ پورہ جاتے تھے۔ حکیم یعقوب بیگ صاحب وارثی خیرآبادی بھی ہمراہ تھے کہ ناگاہ ان کا دہ سالہ لڑکا پہاڑ پر سے گر پڑا لیکن حکیم صاحب کو جو حضور کی محبت ازل سے ساتھ لائے ہیں کچھ پرواہ بھی نہ ہوئی اور نہ گھبرائے، نہایت استقلال کے ساتھ رہے۔ تھوڑی دیر میں لوگ اس لڑکے کو اُٹھا لائے تو یہ دیکھ کر نہایت حیرت ہوئی کہ اس کے کہیں چوٹ نہیں آئی تھی، حضورِ انور نے مسکرا کر فرمایا :

"یعقوب اگر تم گھبرا جاتے تو لڑکا زندہ نہ بچتا جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے خدا اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔"

حق یہ ہے کہ حضورِ پر نور کے روبرو کسی بات کا خیال رہنا محال تھا یہی وجہ ہے کہ وابستگانِ دامنِ دولت کے جذباتِ محبت تعجب و حیرت سے دیکھے جاتے ہیں۔

آنریبل جسٹس مولوی شرف الدین صاحب وارثی بالقابہ کی جاں نثاری کا ایک واقعہ مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی رئیس گیا، بیان فرماتے ہیں کہ حضورِ انور دربھنگہ میں رونق افروز تھے اور آنریبل مولوی سید شرف الدین صاحب وارثی بالقابہ حضورِ انور کے ہمراہ تھے۔ حضورِ پر نور جس کمرہ میں قیام پذیر تھے اس میں جو پنکھا لگا ہوا تھا اس کی رسّی کمزور تھی اتفاق سے ٹوٹ گئی اور قریب تھا کہ پنکھا نیچے گر پڑے کہ معاً مولوی سید شرف الدین

صاحب نے گرتے ہوئے پنکھے کے سامنے اپنا سر خم کر دیا اور اپنی گردن پر لے لیا۔ چوٹ کا آنا لازمی تھا مگر جاں نثاری و سر فروشی کی امنگ کام کر گئی۔ کہ خود حضورِ انور نے اپنے تبسم ہونٹوں سے مولوی صاحب کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ :

" بالسٹر چوٹ تو نہیں آئی "

انہوں نے دست بستہ عرض کیا کہ " جان حاضر ہے "۔

اُس وقت دریائے شفقت و مرحمت موجزن تھا۔ حضورِ پر نور نے فرمایا : " لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى کے معنے تو بتاؤ "۔

انہوں نے عرض کیا کہ " لا تقربوا امر نہی کا صیغہ ہے جس سے مُراد ہے کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ "

حضورِ انور نے فرمایا " ہاں ہاں نشہ کی چیز، نشہ کس چیز کا عشق کا کہ شراب کا ؟ "

اس کے بعد بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا : " بالسٹر اسکو سجدہ کرو تو شرک ہے "۔ اس ارشاد پر ایک عالم سکوت طاری تھا کہ معاً حضور نے ایک ادائے خاص سے ان کی جانب نظر فرمائی اور کچھ تیور بدل کر ارشاد فرمایا کہ " اس کو سجدہ کرو تو عین اسلام ہے "

مولوی صاحب موصوف کا بیان ہے کہ اس ارشاد پر میری نگاہوں کے سامنے ایک بجلی کوندگئی اور اُس تجلّی سے بیخود ہو کر میں سربسجود ہو گیا جو کچھ دیکھا وہ گفت و شنید کے دائرۂ حدود سے باہر ہے۔

حضورِ پُر نور کے مریدین عقیدت گزیں کے واقعات و حالات بھی عجیب و غریب ہیں کہ دین و دنیا میں جو چیز ان کی نگاہوں میں وجاہت رکھتی ہے وہ آپ ہی کی دلفریب صورت ہے اس کے سوا سب ہیچ تھا۔ ہزاروں اُس محبوب اور عدیم المثال حُسنِ دلفریب پر دیوانے تھے۔

اور شانِ تبسم و اندازِ تکلم پر دل و جان سے قربان ہوتے۔ دورِ وارثی یادگارِ زمانہ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حسن و عشق کا ایک دور تھا جو خداوندِ عالم نے آپؒ کی ذاتِ بابرکات میں ظاہر فرمایا۔ غرض یہ ہے کہ حضورؒ انور کی ذاتِ بابرکات سے جو دلی تعلق اور محبت عام طور پر مریدین کے قلوب میں تھی وہ بے مثل تھی اور وہی حالت اب بھی موجود ہے کہ حضورؒ انور کے مزارِ پُر انوار پر ہر روز مشتاقوں کا جمگھٹ رہتا ہے اور عالمِ ذوق و شوق میں الصلوٰۃ والسلام علیک یا ابنِ رسول اللہ کے نعرے لگائے جاتے ہیں اور ہر شخص کی حالت زبانِ حال سے اس شعر کا مطلب عرض کرتی ہے ؎

اُمیدِ خلعتِ شاہی نہ داریم
بسر دارم ہمیں داغِ غلامی

اوقافِ محبت

حضورؒ انور کی حیاتِ ظاہری کا دور جیسا مہتمم بالشان تھا اس کے اظہار میں زبانِ قلم عاجز ہے آپؒ کی ایک غلط اندازِ نظر پر عالم قربان تھا قلوب میں جذبات میں جاں نثاری کی امنگیں ایسی نظر آتی تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ حضورؒ کو دیکھنے والوں کو دولتِ تصدیق و یقین کامل طور پر حاصل ہے۔ حضورؒ کا کرشمۂ حسن تھا یا اعجاز کہ جو تھا وہ اس رُخِ انور کا دیوانہ تھا۔ لوگوں کے دلوں پر آپؒ کی حکومت تھی۔ آپؒ کی باطنی تاثیرات سے ہر شخص متاثر تھا جو جذباتِ محبت حضورؒ انور کے دیکھنے والوں سے ظاہر ہوئے وہ عارضی اور وقتی نہ تھے کہ ان کا اثر جلد زائل ہو جائے بلکہ نہایت مستحکم اور پائیدار۔ جن کے آثار دنیا کے حوادث سے مٹ نہ سکیں جنکو مخالف ہوائیں برباد نہ کر سکیں۔ اکثر واقعات ایسے ہیں کہ صغیر السن بچے حضورؒ انور سے بیعت ہوئے اور جوان ہو کر وہ خود بخود حضورؒ پر نور کی محبت کا دم بھرنے لگے جیسا کہ سید محی الدین صاحب وارثی ایڈیٹر

اڈ اسسٹنٹ ڈائریکٹر تعلیم حیدرآباد دکن) کا واقعہ واقعات بیعت کے ضمن میں درج کیا گیا ہے۔ اور بھی ایسے واقعات ہیں جن سے لوگ متحیر ہیں چنانچہ راقم الحروف سے ڈاکٹر سید ریاض حیدر صاحب وارثی خلف الرشید مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی وکیل و رئیس گیا نے نہایت تعجب وحیرت کے ساتھ دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ حضور انور چھ چھ مہینے کے بچوں کو مرید فرماتے اور وہ سن تمیز کو پہنچکر حضور ہی کی محبت کا دم بھرتے حضور ہی کی محبت میں سرشار نظر آتے ہیں۔ اس کا جواب اس وقت میں نے جو کچھ بھی دیا ہو مگر اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ حضور انور کا کمال روحانیت تھا اور یہ بات یقینی ہے کہ آپ کی ذات مستجمع الصفات سرچشمۂ عشق و محبت تھی جس سے عشق و محبت کا حصہ ہر شخص کو ملتا تھا اور طفل و جوان و پیر جو حضور میں حاضر ہوتے وہ خالی واپس نہ جاتے تھے۔

عشق در اول و آخر ہمہ ذوق است و سماع
ایں شرابے ست کہ ہم پختہ و ہم خام خوش است

ظاہر ہے کہ محبت کی خامی و پختگی دونوں بامزہ ہیں بس جس کو خالصتاً للہ محبت کا حصہ مل جائے وہ کیونکر مٹ سکتا ہے۔ حضور انور کے جذبات محبت صرف دیکھنے والوں ہی تک محدود نہ رہے بلکہ ان کی اولاد تک میں حضور پرنور کی محبت کی روشنی نظر آتی ہے۔ چنانچہ نواب عبد الشکور خان صاحب وارثی رئیس دھرمپور ضلع بلند شہر جو حضور انور کی محبت میں ایک قابل امتیاز درجہ رکھتے تھے ان کے بڑے صاحبزادے نواب عبد الجلیل خاں صاحب وارثی کو راقم الحروف نے خود دیکھا ہے جن کا ابھی لڑکپن ہے اور عنفوان شباب ہے وہ معہ اپنے چھوٹے بھائی کے نہایت عقیدت و محبت سے آستانۂ عالی پر حاضر ہوتے اور تمام وہ مراسم جو ان کے والد بزرگوار بجالاتے تھے ادا کرتے ہیں۔

میں نے اکثر بزرگوں سے سنا ہے کہ وہ بالکل اپنے مقدس اور بزرگ باپ کے قدم بقدم ہیں اور عشرۂ محرم وغیرہ میں دیوہ شریف میں حاضر ہو کر نہایت

ادب و تعظیم سے خیرات وغیرہ کی رسمیں اسی طرح ادا کرتے ہیں جس طرح ان کے والد یا جداد اکر تے تھے۔

یہی وہ آثار محبت ہیں جو حضورِ انور کے دربار سے عطا ہوتے تھے اور جو مٹنے والے نہیں ہیں۔ آخر وہ کونسی قوت ہے جو باوجود عیش و تنعم ریاست و امارت تمامی ساز و سامان کے ہونے کے ان کو دیوہ کی گلیوں میں پھراتی ہے اور مسہری کی جگہ فرشِ زمین پر لٹاتی ہے اور وہ سامان امارت کو چھوڑ کر اس تکلیف کو گوارا کرتے ہیں۔ ان کی عمر کے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ شاید ان کو حضورِ انور کو دیکھنے کا ہوش بھی نہ ہو مگر وہ دولتِ محبت جو اس دربار سے ہر کہ و مہ کو عطا ہوتی تھی یہ اسی کا اثر ہے جو ان سے ظاہر ہوتا ہے۔

حضورِ انور کے دیکھنے والوں کے قلوب میں محبت میں انہماک۔ انہماک میں استقلال و استحکام ایسی چیزیں ہیں جو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں اور ان کا اظہار جس طرح حضورِ پرنور کی حیاتِ ظاہری میں ہوتا تھا ویسا ہی اب ہوتا ہے۔

حضورِ انور کے مبارک تذکرے میں یہ بات تو درج ہو چکی ہے کہ غربا کی امداد سے چیزوں کی تقسیم سے آپ بہت خوش ہوتے چنانچہ بعض بزرگوں نے ان مقاصد کے لیے جائیدادیں وقف کی ہیں چنانچہ ٹھاکر ہیم سنگھ صاحب وارثی رئیس ملاؤلی۔ ضلع مین پوری نے دو ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی کی ایک جائداد آستانہ اقدس کے لیے وقف کی ہے۔ مگر اس کے متعلق یہ بات راقم الحروف کے علم میں نہیں آئی کہ اس کے مصارف کی کیا تفصیل ہے۔

اسی طرح مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی (سابق وکیل سرکار رئیس گیا) اور ان کی اہلیہ محترمہ سیدہ بی بی محمود النسا صاحبہ وارثیہ (بنتِ مولوی سید مظہر امام صاحب مرحوم مغفور) کیجانب سے پانچ سو بیگھہ اراضی واقع نرائن پور گنجوی ضلع گیا میں وقف ہوئی ہے جس کی سالانہ آمدنی بعد ادائے مالگذاری ما ملغہ ہے۔

اس وقف میں دو باتیں خاص طور پر قابلِ لحاظ ہیں ایک تو یہ کہ حضورِ انور

کے وصال کے بعد سے آستانۂ عالی پر مولوی صاحب موصوف سالانہ عہ سالانہ صرف کیا کرتے تھے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :

قل ماہانہ بر آستانۂ اقدس حضور وارث پاک ۔ غلاف شریف مزار اقدس ماہ صفر و کاتک معہ :

بحساب عہ ماہوار لوازمات خوشبو و شیرینی وغیرہ

عہ سالانہ

معہ

نذر بغرض شرکت دعوت مہمانان بارگاہِ وارثی

معرفت حافظ پیارے صاحب

ما

برائے خدمت گزاران خاندان حضور وارث پاکؒ

یعنی خوشبو ساز، حجام، مالی، دھوبی، مہتر وغیرہ

عہ

میزانِ کل ما للعہ

ان دو سو چوّن روپے کے علاوہ ستاون روپے سیّد محمد ابراہیم شاہ صاحب سابق مہتمم آستانۂ وارثی کے متعلق صرف کرتے تھے اس طرح سالہ عہ خرچ کرتے تھے۔ مولوی سیّد غنی حیدر صاحب قبلہ نے اپنی حیات میں اپنے صاحبزادوں کے حقوق شرعی ادا فرما دیئے ہیں۔ اور مکان وغیرہ سب تقسیم کر دیئے وکالت بھی ترک کر دی اور اب وہ دنیاوی امور سے قطع تعلق کر چکے ہیں مگر موضع نرائن پور گنجوی کسی کو نہیں دیا اور وہ انہیں کے پاس رہا۔ اس کی سالانہ آمدنی بعد ادائے مالگذاری ما للعہ ہے اور سالہ عہ وہ صرف کرتے تھے۔ سیّد ابراہیم شاہ صاحب کے انتقال کے بعد جو ستاون روپیہ ان کی ذات کے لیے صرف فرماتے تھے وہ بند ہو گئے۔ اور بجائے سالہ عہ کے ما للعہ خاص نذر حضور وارث پاکؒ میں جو صرف ہوتے تھے وہی جاری رہے۔ اب جو دیکھا گیا تو موضع نرائن پور گنجوی کی خالص آمدنی بھی ما

ملجے ہے ماہ للعہ رنذر اور یہ ۲/ حق متولی قرار دیا گیا یہ بالکل قدرتی اتفاق ہوا کہ مستقل مصارف کے مطابق ہی موضع کی آمدنی نکلی۔ اس وقف کے متولی ڈاکٹر سید ریاض حیدر صاحب وارثی ہیں دوسری بات یہ ہے کہ وقف نامہ لکھنے کے ایک سال بعد ہی اسی زمین کے بارہ میں مولوی غنی حیدر صاحب سے اور مہاراجہ دیو (جو ضلع گیا کے مشہور رئیس ہیں) کچھ تنازعہ ہو گیا۔ اس وقت کاغذات بندوبست وغیرہ دیکھنے کی ضرورت ہوئی تو نقشہ و خسرہ تھا کہ بندوبستی سرکار میں موضع مذکورہ کا اصلی نام "دیوہ بیگھہ" نکلا اور عرف نرائن پور گنجوری۔ اس وقف کا واقعہ اس لیے اور بھی قابلِ ذکر ہے کہ یہ دونوں باتیں محض لاعلمی میں ظہور پذیر ہوئیں جنکو حضور پُرنور کے تصرفات باطنی کا ایک شمہ کہا جا سکتا ہے۔

حضور انور کے مریدین عقیدت گزین کے جذباتِ محبت میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ ان کے خیالات میں کسقدر استقلال و استحکام ہے کہ وہ حضور انور کی خوشنودی پر جان و مال سے نثار ہیں حضور پُرنور اپنے خاندان کے متوسلین جیسے نائی، دھوبی بھشتی مالی وغیرہ ان کی امداد سے اور غربا کی اعانت سے بہت شاد ہوتے تھے چنانچہ بعد وصال بھی اس خوشنودی کے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وقف وغیرہ کے ذریعے سے ان اخراجات کے لیے استحکام کی صورت پیدا کی جاتی ہے کہ حضور انور کے خاندانِ عالی شان کے متوسلین کو نسلاً بعد نسلاً اسی طرح ملتا ہے حقیقتہً اُن لوگوں کو جو اپنے مال کو نیک کاموں میں صرف کرتے ہیں۔ اسلام میں بڑی بڑی بشارتیں ہیں۔

کیونکہ دولتِ دنیا ایسی چیز ہے جس کی ہوس نہیں جاتی مگر خداوند قدیر جنکو توفیق عطا فرماوے ان کے نزدیک یہ محض لاشے ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں سیدہ بی بی عائشہ صاحبہ وارثیہ رئیسہ گیا کا وقف خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے کہ انہوں نے مصارف ذیل کے لیے معمالہ عہ سالانہ کی آمدنی کا وقف فرمایا۔

۱۔ روشنی اندرون قبۂ مطہرہ و روضۂ مقدسہ وارثیہ معہ سالانہ

۲. مشاہرہ مدرس دعالم سندیافتہ جو مدرسہ وارثیہ واقعہ آستانہ وارثی بناکردہ بی بی عائشہ صاحبہ وارثیہ کی تنخواہ ہے) — سالانہ

۳. مشاہرہ حافظ قرآن مجید مدرسہ مذکور — ا عـــہ ؍؍

۴. نذر حافظ مقررہ بموقع ختم تراویح رمضان شریف — ا عـــہ ؍؍

۵. وظیفہ چہار طلبائے علوم دینیہ بحساب فی کس سے ماہانہ — اللعـــہ

۶. اخراجات روشنی مسجد متعلق آستانہ وارثی — عـــہ ؍؍

۷. اخراجات متفرق مسجد مذکور — ســے ؍؍

۸. اخراجات بہم رسانندہ آب در مسجد — عـــہ ؍؍

۹. تنخواہ خاکروب متعلق مسجد و مدرسہ — ســے ؍؍

۱۰. اخراجات متفرق مراسلات وغیرہ متعلق وقف ہذا — عـــہ ؍؍

۱۱. حق المحنت متولی وقف۔ — عـــہ ؍؍

میزان کل معاملہ عـــہ

اس وقف کے علاوہ سیدہ بی بی عائشہ صاحبہ وارثیہ نے ســے سالانہ خالص آمدنی کا ایک اور وقف فرمایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱. روشنی مدرسہ وارثیہ فی ماہ سے — ســے سالانہ

۲. اخراجات متفرق روشنی مدرسہ — للعـــہ ؍؍

۳. تنخواہ ملازم محافظ و صفائی کنندہ مدرسہ عـــہ ماہوار۔ — ســے ؍؍

۴. اضافہ روشنی روزانہ اندرون مقبرہ شریف — للعـــہ ؍؍

۵. مرمت عمارت مدرسہ و مقبرہ شریف — عـــہ ؍؍

۶. تقسیم سرمائے غربا و مساکین کو بر آستانہ پاک حضرت پیر و دستگیر — عـــہ ؍؍

۷. اخراجات روشنی و سبیل عشرۂ بنام پاک حضرت سیّد الشہدا امام حسین علیہ السلام بر آستانۂ وارثی — عہ سالانہ

۸. حق المحنت متولی — للعہ ،،

مار ہے سالانہ

اِن دو اوقاف کے علاوہ ایک عمارت پختہ رفیع الشان بصرفِ کثیر در اقدس پر سیدہ ممدوحہ کی جانب سے تعمیر ہو کر بمصرف درس گاہ وقف ہے اور تعلیم گاہ مذکور بہ لقب مدرسہ وارثیہ مشہور و معروف ہے و قطعہ تاریخ تعمیر بہ نتیجہ فکر قاضی بخشش علی صاحب وارثی حسبِ ذیل ہے۔ قطعہ

ساخت بی بی عائشہ ایں مدرسہ،
بر درِ سلطانِ دیں عالم پناہ
بہر تاریخش چو بخشش فکر کرد
گفت ہاتف "مذہبی تعلیم گاہ"

۱۳۳۳ھ

جن مصارف کے لیے یہ اوقاف ہوئے ہیں اُن کے مّدات قابلِ غور ہیں۔ مقدس مقامات کے لیے اوقاف کا ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔ وابستگانِ دامانِ دولت ایسا کر کے سعادت دارین حاصل کرتے ہیں مگر ان اوقاف میں راقم الحروف کو جس بات نے مجبور کیا کہ اِن کا کسی قدر تفصیلی تذکرہ اس کتاب میں کیا جائے وہ غربا کی امداد ہے۔

آستانۂ عالی پر مدرسہ کا اجرا اور اُس کے لئے وقف نیز سرمائی وغیرہ کی تقسیم اسی طرح حضورؒ انور کے خاندان کے متوسلین نائی بھنگی دھوبی وغیرہ کی نسلاً بعد نسلاً پرورش یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کو خیر جاری کہا جائے۔

حضورؒ انور کا خود بھی رجحانِ طبیعت یہی تھا کہ غربا کی پرورش فرماتے ان کی امداد سے خوش ہوتے اور ایسے لوگوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ مولوی سیّد غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی۔ سابق وکیل سرکار ودیس گیا ناقل ہیں

کہ حضورؒ انور نے مجھے ایک مرتبہ آنریبل مولوی سید شرف الدین صاحب وارثی بالقابہ کی نسبت ارشاد فرمایا :

" سنا سنا شرف الدین بہت اچھے آدمی ہیں لوگوں کے وقت پر کام آتے ہیں "

اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ حضور پُر نور کی نگاہِ حقیقت آگاہ میں وقت پر کام آنے والوں کی حاجت مندوں کی حاجت پوری کرنے والوں کی بڑی قدر تھی اور اکثر و بیشتر واقعات سے ظاہر ہے کہ حضورؒ انور تمامی امور پر اسی کو ترجیح دیتے تھے ۔ کہ مصیبت زدوں اور حاجتمندوں کی آڑے وقت میں مدد کی جائے ۔

یہ حضورؒ کے ہوا خواہوں کا ذوق شوق ہے کہ انہوں نے آپؒ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے دائمی اوقاف کیے اور یہ انسی تعلق و محبت کا اثر ہے جو ان کو حضورِ انور کی ذات فیض آیات سے حاصل ہے کہ وہ حاضر و غائب حضورؒ پُر نور پر مٹے ہوئے ہیں ۔ ان کا رشتۂ الفت اس قدر مضبوط ہے کہ ٹوٹ ہی نہیں سکتا ۔ ان کے جذبات محبت ہر زمانہ میں اپنی یاد تازہ کرائیں گے اور یہ اوقاف جن کو اوقافِ محبت کہنا چاہیے صفحۂ ہستی سے کبھی ان کے نام نہ مٹنے دیں گے ۔

مبارک ہیں وہ مقدس نفوس جو خدا کی راہ میں صرف کرنے سے دریغ نہیں کرتے اور متاعِ دنیا کو عزیز نہیں رکھتے اور جس طرح حضورؒ انور کے عشق میں انکا مال و دولت وقف ہے اسی طرح ان کے قلوب بھی وقف محبت ہیں ۔

غلام ہمت دُردی کشانِ یک رنگم
نہ آں گروہ کہ ازرق لباس و دل سیہ اند

تعلیم و ارشاد

حضورؒ انور کی ذات بابرکات از سرتا پا حسن و عشق کے کرشمے نظر آتے تھے جس کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے اس کا قلب فوراً دردِ عشق سے خبردار ہو جاتا

تھا۔ نہ طالب کو تعلیم کی جستجو ہوتی تھی نہ حضورؒ کے دربار کی خصوصیات میں تعلیم اذکار و اشغال کوئی ممتاز درجہ رکھتی تھی۔ حضور پُرنورؒ کا ہاتھ پکڑ لینا ہی سب کچھ تھا اور اسی کو دین و دنیا کے خزانوں کا دستِ غیب سمجھا جاتا تھا۔ حسرت موہانی ہے :

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جنون کا خدا سلسلہ دراز کرے

مریدین کا جوشِ محبت اور حسنِ عقیدت ان کو ہر شے سے بے پرواہ رکھتا تھا اور سچ تو یہ ہے :

لاکھ دینے کا اک یہ دنیا ہے	دلِ بے مدعا دیا تو نے

انکی زبان پر صرف حضور انورؒ کا اسمِ مبارک رہتا تھا اور اسی کے مشق کرتے تھے۔ جیسا کہ جناب شیدا میاں وارثی فرماتے ہیں ؎

ہمچو مجنوں عاشقِ شوریدہ ام	مشقِ نامِ وارثِ خود مے کنم
کیست وارث آنکہ ہمنامِ خدا	مظہرِ حق وارثِ مشکلکشا
مردِ میدان و لافردِ فرید	شمعِ بزمِ عین وحدت محو دید
معنئ آیاتِ ربّ العالمین	دستگیرِ خلق و خیر الوارثین
قیس را وحشت و ہد صحرائے من	من دگر ہستم دگر لیلائے من
بہرِ تسکیں مشق کرد او نامِ یار	خاطرِ بےتاب تا گیرد قرار
مشقِ من حاشا پئے تسکین نیست	ایں علاجِ خاطرِ غمگین نیست
درد افزودں خواستم از نامِ دوست	شعلۂ سوزِ دروں تا بر فروخت
جامۂ ہستی شود تا چاک چاک	باز گویم جانِ من روحی فداک

زیں تمنا خامہ را برداشتم
اللہ اللہ مشقِ نامش مے کنم

حضورؒ کے دیکھنے والے، جذباتِ عشق سے خاص طور پر ممتاز ہیں اور یا وارث ہی ان کا وظیفہ ہے۔ اکثر و بیشتر مریدین کا طریق عمل یہی ہے کہ وہ حضور پُرنورؒ کا

نام نامی رٹتے رہتے ہیں اور اسی سے فیض و برکت حاصل کرتے ہیں۔

مقربِ بارگاہِ وارثی مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ بعض غلامانِ وارثیؒ نے خود یا حضورؒ انور کے ایماءِ مبارک سے اسم یا وارث کا ذکر کیا تو بہت جلد ان کی طبیعت گداز ہوگئی اور طلب میں پختگی آگئی اور تھوڑے ہی دنوں میں ان کو دنیا سے نفرت ہوگئی عشق و محبت میں ترقی ہوگئی حتیٰ کہ اس ذکر نے ان کی خواہش کو پورا کر دیا۔ مولینا عبدالکریم صاحب وارثی متوطن شیخ پورہ ضلع مونگیر جنکا تجرد و تقدس مشہور آفاق ہے بخیال ریاضت اسم وارث کی باقاعدہ نفی مزاولت کرتے تھے اور شغل بھی ان کا یہی تھا کہ اسمِ وارثؒ مظہرِ اتم یعنی حضورؒ پُر نور کی برزخ کا تصور کرتے تھے نہایت قلیل مدت میں مولینا موصوف کی حالت بدل گئی ایک خاص محویت و استغراق کی حالت طاری رہتی تھی۔ تمام تعلقات دنیوی منقطع ہوگئے اور عین حالتِ گوشہ نشینی میں نماز پڑھتے ہوئے وصال فرمایا۔

حضورؒ انور کی ذات محمود الصفات سے محبت اور آپؒ کے نام نامی کا ورد ہی تمام مشکلات کو حل کر دیتا ہے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ مولوی سید علی رشید صاحب وارثی رئیس بانکی پور نے یہ مشق پیدا کی تھی کہ انگوٹھے کے ناخن سے کاغذ دبا کر جلی حروف میں نہایت خوشخط عبارت لکھ دیتے تھے جو دوسری جانب خوشنمائی کے ساتھ ابھرے ہوئے حروف نمایاں ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مولوی صاحب موصوف نے بہ ایں صفت یہ مصرع لکھ کر حضورؒ انور کی خدمت عالی میں پیش کیا۔ ؎:

حبیبِ خدا کا ہے وارث علےؒ

اور اتفاق سے اسیوقت راجہ دوست محمد خان صاحب تعلقہ دار مہونا ضلع سلطان پور کا ایک عریضہ حضور میں پیش ہوا جس میں یہ استدعا تھی کہ "وظیفہ کے واسطے مجھکو کچھ تعلیم فرمایا جائے۔"

حضورِ انور نے یہی کاغذ خادم کو دے کر ارشاد فرمایا کہ لفافہ میں بند کر کے بھیجدو اور لکھ دو کہ اسی کو پڑھ کریں۔ چنانچہ وہ مصرع راجہ صاحب کے ورد میں ہے اور اس کے ورد میں ان کو جو فیوض و برکات حاصل ہوں گے ان کا تو علم نہیں مگر راجہ صاحب کے جوش میں استقلال محبت میں پختگی اور جمعیت خاطر اطمینان قلب جو تصدیق کی خاص دلیل ہے وہ ان میں بیّن طور پہ نمایاں ہے۔

مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی ناقل ہیں کہ میں نے اجمیر شریف میں ایک نوجوان میمن کو دیکھا کہ دردِ گردہ میں مبتلا ہے اور بیماروں کے لہجہ میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد "یا وارث" کہتا ہے دو دن کے روز جب افاقہ ہوا تو میں نے دریافت کیا کہ "تم بار بار کس بزرگ کا نام لیتے تھے"۔ اس نے کہا کہ: "صاحب نام کا نشان تو معلوم نہیں مگر عرصہ ہوا کہ مجھ سے خواب میں ایک بزرگ نے کہا تھا کہ "جب کوئی تکلیف ہو تو یا وارث کہا کرو"۔ میں ایسا ہی کرتا ہوں اور ہمیشہ اسی نام سے میری تکلیف رفع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ کل بھی اس درد سے جو مہلک تصور ہوتا تھا، اسی نام کی برکت سے مجھکو شفا ہوئی اور اب بالکل اچھا ہوں۔

حضورؒ کے در دولت کا یہ واقعہ ہے کہ ایک ضعیفہ عورت تھی روزانہ قصبہ کرسی سے یعنی چار کوس کی مسافت طے کر کے دیوانہ وار شرفِ قدمبوسی کے لیے خدمتِ عالی میں حاضر ہوتی تھی اور چاہتی کہ کچھ دیر تک مشرفِ حضوری حاصل ہو مگر خادم جب اس کو نکال دیتے تھے تو مجبوراً چلی جاتی تھی۔ ایک روز صبح کو وہ حاضر ہوئی اور خادم نے حسبِ عادت جب اس کو نکالا تو آستانۂ عالی کے قریب مشرقی جانب جو کنواں ہے اس میں وہ یا وارث کہہ کر گر پڑی۔ خیال ہوا کہ پختہ کنواں ہے اور قطر بھی چھوٹا ہے اور عمیق بھی زیادہ ہے۔ شاید اب جانبر نہ نہ ہوگی۔

مرزا محمد ابراہیم صاحب شیدا وارثی اور ٹھاکر پنجم سنگھ صاحب رئیس ملاؤلی اور مولوی سیّد غنی حیدر صاحب وارثی رئیس گیا وہیں موجود تھے۔ جناب شیدا میاں صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اور ٹھاکر پنجم سنگھ صاحب نے

قریب جاکر دیکھا تو پانی بالکل ختم ہو گیا تھا اور وہ خدا شناس عورت کھڑی تھی یا وارث کی ضرب لگا رہی تھی۔ فوراً آستانۂ اقدس کے قدیم بہشتی امیر بخش نے اس کو نکالا۔ یہ دیکھ کر اور بھی حیرت ہوئی کہ معمولی اور خفیف چوٹ بھی اس کے کوئی نہیں آئی تھی اور اسی وقت وہ حسب دستور اپنے مکان کو چلی گئی۔

یہ عورت دیوہ شریف میں اب موجود ہے اور مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی نے خود اس کی زبان سے یہ قصہ راقم الحروف کو سنوایا ہے اس عورت کا نام بھولی ہے۔ حافظ پیارے صاحب کے یہاں رہتی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ میں سر کے بل گری تھی مگر گرتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے بٹھا دیا۔

غرضکہ حضورؒ کی محبت اور آپؒ کے نام نامی کا ورد یہی شغل ہے اور یہی ذکر۔ حضورؒ انور کے مریدین کو تعلیم اذکار و اشغال وغیرہ کا جو یا اور متجسس دیکھا گیا نہ کوئی باقاعدہ تعلیم کا انتظام تھا۔ حضورؒ انور کی محبت ان کی دین و دنیا کا مقصد ہوتی تھی اور اس دولت کے تقسیم کرنے میں حضور انور کے دست مبارک رکتے نہیں تھے۔ جو سامنے آیا وہ آپؒ کی محبت کا گہرا اثر لیکر گیا۔ محبت حضورؒ انور کا دستِ مبارک پکڑتے ہی مثل کسی چیز کے مل جاتی تھی۔ یہ عجیب تاثیر تھی کہ حضورؒ کا دیکھنے والا آپؒ ہی کا دم بھرتا تھا اور آپؒ کے سوا تمام باتوں کو ہیچ سمجھتا تھا ؎

خدا سے ترا چاہنا چاہتا ہوں
مری آرزو دیکھ کیا چاہتا ہوں

سیّد محمد ابراہیم شاہ صاحب سابق مہتمم آستانۂ وارثی حضورؒ انور کے آخر زمانہ میں دیوہ شریف حاضر ہوئے تھے اور اس حاضری سے پیشتر ریاست رام پور میں عہدہ دار ریاست تھے۔ راقم الحروف سے خود بیان فرماتے تھے "میرا قصد تھا کہ میں حضورؒ انور کو رام پور لے جاؤں مگر حضورؒ پرنور کے دربار کا

ظاہری طریقہ دیکھ کر کہ نہ مریدوں کو ذکر و شغل کی تعلیم ہوتی ہے نہ کوئی خاص قاعدہ اور انتظام ہے۔

مجھے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ آپ کو تعلیم نہیں آتی اور نہ آپ کے یہاں نقوش وغیرہ کی تعلیم ہے۔

چنانچہ جب میں خدمتِ عالی میں حاضر ہوا تو رام پور چلنے کے لیے میں نے عرض کیا۔ حضورِ انور نے ارشاد فرمایا:

"ہم کو تو کچھ آتا جاتا نہیں، ہم کیا چلیں۔"

اس ارشاد پر مجھے گو نہ ندامت ہوئی مگر پھر خیال آیا کہ اشراق بر خواطر پیرانِ طریقت ہوا کرتا ہے، ہُوا ہو گا اس سے تعلیم کا آنا متحقق نہیں ہے بلکہ تعلیم تو خاندانِ نقشبندیہ میں بہت اچھی ہے۔ میں نے عرض کیا:

"حضورؐ وہاں تشریف لے چلیں اچھا مقام ہے وہاں حضورؐ کا جی لگے گا۔"

فرمایا: "اگر جی نہ لگا؟"

میں نے عرض کیا "اگر جی نہ لگے تو میرے لیے سزائے موت تجویز فرمائی جائے۔"

اس پر آپ متبسم ہوئے اور ارشاد فرمایا: "وہاں بڑے بڑے قابل ہیں اور بہت طریقوں کے لوگ ہیں نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ اور طریقے یوں تو بہت ہیں شطاریہ، اویسیہ، شاذلیہ، ملامتیہ وغیرہ اور ہر جگہ کی تعلیم ہی جدا گانہ ہے۔ نقشبندیہ والے کہتے ہیں کہ مقاماتِ عشرہ میں پانچ عالمِ امر ہیں اور پانچ عالمِ خلق ہیں چنانچہ عالمِ امر میں قلب روح سر خفی اخفیٰ ہیں اور نفس و سلطان الاذکار اور خلق میں دائرۂ ظلال اور دائرۂ اولیٰ ہے (اس مقام پر جلال میں آکر ارشاد فرمایا کہ) یہاں پر آکر فقیر بگڑ جاتا ہے بہت احتیاط کی ضرورت ہے پیر و مرید دونوں کو خبردار رہنا چاہیے۔ مجددؒ صاحب نے ڈھائی دائرہ اور بڑھا دیئے۔ ثانیہ، ثالثہ، تو یہ ارشاد فرما کر حضورِ انور نے بستر پہ انگشتِ مبارک رکھ کر فرمایا: "یہ کیا ہے"

میں نے عرض کیا "بستر ہے۔" فرمایا "یہ نشان کیا ہے۔" میں نے عرض

یہ نقطہ ہے: وہ نشان یہ تھا (۰) اس کے بعد ایک نشان ایسا ہی اور دیا (۰) اور فرمایا:

"دو نقطے ہو گئے۔ اب اس کے درمیان جو خط فاصل ہے وہ کیا ہے"

میں نے عرض کیا حضور ہی ارشاد فرماویں۔ نقطہ کی تعریف مجھ سے پوچھی میں نے عرض کیا "الف نہال ب کے پیٹ پر ایک نقطہ"
فرمایا:

"یہ تعریف نہیں ہے بلکہ النقطہ مالا جزء لہ ہے" اور خط کی تعریف کر کے بستر پر نشان فرمایا جو ایسا تھا۔

اور فرمایا "ایک دائرہ یہ ہے اور ایک یہ ہے پہلی شکل ہو گئی اور جب ایک شکل قائم ہو گئی تو سب شکلیں قائم ہو جائیں گی"
اس کے بعد ارشاد فرمایا:

"دو۔ ولایات علیا اور کمالات نبوت و رسالت، حقیقت کعبہ، حقیقت قرآن، حقیقت صلوٰۃ و معبودیت صرفہ" اور بھی چند مقامات کے نام لینے کے بعد ارشاد فرمایا:

"آخر میں حُبِّ صرفہ ہے اسی طریق سے طے سلوک ہے" اور جملہ لطائف و دوائر اور مقامات کی تعریف فرمائی۔ مثلاً قلب کی نسبت فرمایا:

"یہ ایک لطیفہ ہے جو زیر قدم حضرت آدم علیہ السلام ہے" اس کا رنگ اور تعلقات عناصر بہت تفصیل سے ارشاد فرمایا۔ اسی طرح جملہ لطائف اور مقامات کے رنگ و بحث بیان فرمائے جو آج تک میں نے نہ کسی کتاب میں دیکھے نہ سُنے۔ تمام مقامات کی تفصیل بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

"نقش وغیرہ بھی ڈھکوسلے ہیں"

سید صاحب کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا "حضورؒ بست دربست کا نقش بہت مشہور ہے۔"

فرمایا:

"نقوش بہت ہیں۔ نقش کی تعریف یہ ہے کہ نقش بھر میں مکرّر ہندسہ نہ آئے۔" اور اسی طرح نقوش وغیرہ کا ذکر فرمانے کے بعد حضورؒ نے علوم رمل ونجوم وجعفر وغیرہ کے ایسے مسائل بتائے جو میں نے نہ کسی کتاب میں دیکھا نہ کسی عامل سے سُنے ان تمامی تمام باتوں کے بعد ارشاد فرمایا:

"یہ سب واہیات خرافات ہے میرے یہاں تو محبت ہی محبت اور محبت کی تعریف یہ ہے کہ حب الشئی یعمی و یصمّ جب انسان خدا کا ہو جاتا ہے تو خدا اس کا ہو جاتا ہے۔"

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ حضورؒ انور نے جو کچھ بھی ارشاد فرمایا وہ سید محمد ابراہیم شاہ صاحب کے خطرہ کا جواب تھا ورنہ حضورؒ کی تعلیم سمجھی جائے یا تاثیر جو کچھ تھی محبت تھی جو ہاتھ پکڑتے ہی حضورؒ انور عطا فرما دیتے اور یہی وجہ ہے کہ حضورؒ انور کے حلقہ بگوشوں میں ابتدا سے محبت کے جذبات پیدا ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ حضورؒ پُر نور نے خود ارشاد فرمایا:

"میرے یہاں تو محبت ہی محبت ہے۔" اور یہ بھی بارگاہِ وارثی کی خصوصیت ہے یہی ابتدا ہے اور یہی انتہا ہے حضورؒ پرنور کی دستگیری سے ہر شخص اس نعمت سے مستفید ہے کوئی خالی نہیں ہے۔

جن لوگوں نے بحالتِ ذوق وشوق حضورؒ پرنور سے تعلیم کی خواہش کی ان کو آپؒ نے تعلیم بھی فرمائی۔ مگر آپؒ کی ذات معدن الصفات کی طرح آپؒ کی تعلیم بھی نہایت مہتمم بالشان ہے جس کا عشر عشیر بھی بیان کرنا دشوار ہے کیونکہ حضورؒ انور کا عہدِ ہمایوں کسی ایک جگہ پر نہیں گذرا بلکہ علاوہ ہندوستان کے دیگر ممالک کی سیاحت فرماتے رہے۔ اور ہر ملک میں بکثرت مخلوق حضورؒ انور کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہوئی جن کا شمار کرنا بھی نہایت اہم اور دشوار کام

ہے حقیقتاً ان کے مذاق واستعداد کے موافق ان کی تعلیم ہوئی ہے اس کا حصر و احاطہ کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

زمانۂ آخر میں حضور انور کے حاضر باش خدام سے تحقیق ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ حضور نے طالبان حق کو ان کے ظرف و استعداد اور مذاق کے لحاظ سے تعلیم فرمائی ہے اس وجہ سے مریدین کی تعلیمات جداگانہ ہوئی ہیں اور وہ بھی انہیں کے مذاق طبیعت کے لحاظ سے۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ حضور کی تعلیمات کسی خاص مذاق پر محدود نہیں ہیں بلکہ ہر قسم کی ہیں مثلاً علماء و ارباب شریعت کو جو تعلیمیں فرمائی ہیں وہ انہی کی مناسبت سے کہ بعض کو فرائض کے ساتھ سنن و نوافل کی بھی تاکید ہے۔ کسی کو اوراد و وظائف کی ہدایت ہے جس کی مثال کے لیے مولانا عبدالغنی صاحب مسند آرائے جگور، مولینا عبدالکریم صاحب متوطن شیخ پورہ، مولینا مفتی ابوذر صاحب رئیس سنبھل، مولینا نجم الدین صاحب رئیس بانکی پور، حافظ عبدالقیوم صاحب کرنالی، مولینا حاجی غلام محمد صاحب گجراتی، مولینا ہدایت اللہ صاحب محدث سورتی، مولوی عبدالسلام صاحب عظیم آبادی، مولوی عبدالعزیز صاحب بہاری، حاجی رکن عالم صاحب رئیس نواب گنج، خواجہ ذوالفقار علی صاحب الہ آبادی کا زہد و عبادت اظہر من الشمس ہے اور اپنی اتقا و پرہیزگاری میں ضرب المثل ہیں۔

شیخ مظہر علی صاحب قدوائی کو حکم ہے کہ "ایک پارہ روزانہ قرآن شریف کا پڑھ لیا کرو"۔ علیٰ ہذا بعض کے واسطے اسی زہد و عبادت کی تعلیم دشوار طریقہ سے فرمائی جس میں مجاہدہ کی شان پیدا ہو گئی۔ مثلاً حافظ خدا بخش صاحب کو جو آخر میں احمد شاہ کے خطاب سے ممتاز ہوئے نماز معکوس تعلیم فرمائی۔

بابو کنہیا لال صاحب (غلام وارث) وکیل علی گڑھ حضور کے حکم سے صائم الدہر ہوئے۔

میاں عبدالصمد مولوی کو صلوٰۃ العشق پڑھنے کی ہدایت ہوئی۔

شاہ ابوالحسن صاحب متوطن اٹاوہ نے بارہ سال اس طرح روزے

رکھے کہ پہلے تیسرے دن اور آخر میں سات روز کے بعد افطار کرتے تھے۔

حاجی عباس علی شاہ صاحب کو پیادہ پا حج بیت اللہ کا حکم ہوا۔

جن کو ذکر و شغل کی تعلیم فرمائی وہ بھی مختلف الحال ہے۔ کسی کے واسطے وقت کی پابندی ہے۔ کسی کے لیے یہ حکم ہے کہ ایک سانس بھی خالی نہ جائے۔ اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک اسم جناب باری جل جلالہ کا ذکر اگر چار اشخاص کو تعلیم فرمایا ہے تو چار طریقہ سے۔

مثلاً ولی شاہ صاحب اسم حق کے ذکر میں ایسی قوی ضرب لگاتے تھے کہ جیسے کسی شے پر ہتھوڑا پڑتا ہے اور معصوم شاہ صاحب اسی اسم حق کا ذکر یوں کرتے تھے جس کی ضرب باہر کی سانس کے ساتھ سمت اعلیٰ جاتی تھی۔ حق اللہ شاہ صاحب کی ضرب متواترہ اور بغیر بساطت ہوتی تھی۔ رحیم شاہ صاحب اسم حق کا ذکر دائمی بطور پاس انفاس کرتے تھے۔

نعمت علی شاہ صاحب ذکر اسدی کے خاص عامل تھے نعمت اللہ شاہ صاحب ذاکر اثبات ہیں۔ رحیم شاہ صاحب کو پاسِ انفاس میں ہر دو ضرب کی ہدایت تھی۔

ایک مرتبہ حضورؒ نے جناب احد شاہ صاحب وارثی مقیم دربھنگہ سے فرمایا:

"جس قاعدہ سے مشائخین ذکر سہ ضربی تعلیم کرتے ہیں اس کا فائدہ عارضی ہے۔ ہاں اگر اس قاعدہ سے کیا جائے تو تصفیۂ قلب کے واسطے بہت مفید ہے۔"

یہ فرما کر تین مرتبہ خود حضورِ انور نے ذکر فرمایا اور شاہ صاحب کو سمجھایا۔

جناب مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی لکھتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا جس وقت حضور ذکر فرماتے تھے تو قلب کے نیچے کی تین پسلیوں میں ہر ضرب کے ساتھ ایک پسلی اوپر آتی تھی۔

شاہ شاکر صاحب وارثی ناقل ہیں کہ حافظ احمد شاہ صاحب وارثی اکبر

آبادی ایک مرتبہ بوقت شب خدمت عالی میں حاضر تھے۔ حضور پر نور استنجا کے لیے اٹھے اور فارغ ہو کر بستر پر تشریف فرما ہوئے اور ذکر کی نشست سے بیٹھ کر تین مرتبہ ذکر جلی فرمایا۔ پہلی مرتبہ کے ذکر میں تمام کمرہ کے اندر روشنی پیدا ہو گئی جو عجیب سہانی روشنی تھی جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ دوسری دفعہ کے ذکر میں دیکھا کہ میں آپ ہی آپ ہیں اور تیسری مرتبہ بھی یہی کیفیت رہی۔ اس کے بعد آپ نے استراحت فرمائی۔ وہ کچھ ایسا سماں تھا جس کے انوار و برکات کا لفظوں میں ادا کرنا مشکل ہے۔

مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ حضور کی طبیعت ناساز ہو گئی اور اس تیمارداری میں چار غلاموں نے مستعدی کے ساتھ اپنا فرض منصبی ادا کیا۔ گو وہ خدمت کچھ غیر معمولی نہ تھی۔ مگر ہمارے غیور پیشوا نے بعد صحت ان غلاموں سے فرمایا:

"وہ شغل جو ہر مشرب اور ہر [illegible] کے فقیر کے لیے لازمی ہے اور جو انسان کو رازِ مخفی سے خبردار کرتا ہے اور جو بندہ کو خدا سے ملاتا ہے وہ شغل سلطان الاذکار ہے۔ اس کے شاغل کو بہت دقتیں پیش آتی ہیں اور عرصہ تک جب ریاضت کرتا ہے تو ہزاروں میں ایک شاغل ابتدائی حالت سے خبردار ہوتا ہے لیکن ہم تم کو آسان طریقہ بتا دیں جس میں کوئی دشواری تم کو پیش نہ آئے۔" یہ فرما کر ان غلاموں کو شغل سلطان الاذکار تعلیم فرمایا۔ اور یہ خاص حضور پر نور کی قوت کاملہ کا اور توجہ باطنی کا اثر تھا کہ وہ لوگ جلد کامیاب ہو گئے اور دو ہی تین روز میں اس شغل کی ابتدائی حالت منکشف ہونے لگی۔

شیدا میاں صاحب وارثی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے ایک ممتاز تہہ بند پوش بزرگ نے ازرہ عنایت فرمایا کہ آؤ ہم تم کو ذکرِ اسدی بتا دیں میں نے ازرہِ دفع الوقتی عرض کیا کہ دو ہفتے بعد بتا دیجئے گا اور اسی دن سے میں نے ذکر اسدی کے فوائد دریافت کرنا شروع کر دیے۔ آخر مجھکو یہ تحقیق ہوئی کہ حضرت شاہ شمس الدین صاحب قلندر پانی پتی کے ذکرِ اسدی میں جیسا فوری اثر تھا وہ

دوسرے ذاکرین میں نہیں پایا جاتا۔ اس کا تذکرہ میں نے حضورؒ پرنور کی خدمت عالی میں کیا تو حضورؒ پرنور نے فرمایا :

" ذکر اسدی مفید ضرور ہے مگر جس کا نام اسدی ہے وہ دشوار بھی ہے اس لیے کہ ذاکر کو لازم ہے کہ جب ذکر اسدی کرے تو جناب شیر خدا کی برزخ کا تصور کرے اور تکمیل اس کی یہ ہے کہ ذاکر ذکر اسداللہ الغالب میں ایسا فنا ہو کہ ذکر کے وقت ذاکر کے ہر عضو بدن سے شیر الٰہی کی شان نمودار ہو۔"

سید معروف شاہ صاحب وارثی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے شب کے ۹ بجے ہوں گے میں خدمت عالی میں حاضر تھا۔ حضورؒ انور نے ارشاد فرمایا : " معروف شاہ دروازہ بند کر دو" میں نے تعمیل کی تو فرمایا :

" ذکر اسدی دیکھو گے ؟"

میں نے عرض کیا "ضرور دیکھوں گا !"

پھر فرمایا : " ڈرو گے تو نہیں ؟"

میں نے عرض کیا " حضورؒ مالک ہیں " حکم دیا کہ ایک گوشے میں بیٹھ جاؤ " میں بیٹھ گیا اور حضورؒ انور کی جانب بغور دیکھنے لگا۔ آپؒ دوزانو بیٹھ گئے اور آپؒ کا چہرۂ انور سرخ ہونے لگا۔ تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ دفعتاً آپؒ کا تمام جسم شیر کے جسم سے مبدل ہو گیا۔ آنکھیں سرخ تھیں اور دُم سر پر رکھی ہوئی تھی اس وقت جو مجھ کو خوف تھا اور جیسی دہشت طاری تھی وہ بیان سے باہر ہے۔ میں اس طرح کانپ رہا تھا جیسے کوئی لرزہ سے کانپتا ہے۔ تھوڑے وقفہ کے بعد آپؒ سمٹنے لگے اور رفتہ رفتہ اپنی شکل میں آ گئے اس وقت وہ خوف کم ہوا اور میری جان میں جان آئی۔ میں حضورؒ کے قدموں میں گر پڑا۔ آپؒ نے فرمایا :

" معروف شاہ ذکر اسدی اس کا نام ہے۔ ایک مرتبہ حضرت پیران پیر صاحبؒ ذکر اسدی فرما رہے تھے کہ اس حالت میں آپؒ کے صاحبزادے آ گئے۔ آپؒ نے اُن کے طمانچہ مارا اس ذکر میں ذاکر کی حالت بالکل بدل جاتی ہے۔ اس وجہ سے ہم نے تم کو الگ بٹھا دیا تھا۔

حضورؐ کی نگاہِ حقیقت آگاہ ہر ایک بات کے کمال پر تھی اسی وجہ سے آپؐ کی تعلیمات بھی نہایت اہم ہیں۔ یہ خاص جامعیت کی شان حضورؐ انور کی تعلیم میں ہے کہ زبانِ مبارک سے جو ارشاد ہوگیا وہی ابتدا سے لے کر انتہائی مقامات اور مدارج کے لیے بس ہے اور اسی ارشاد فیض بنیاد پر حضورؐ کے وست گرفتوں کو اس قدر وثوق اور یقین کامل ہوتا تھا کہ وہی فرمانِ وارثی معرفت و حقیقت کے خزانوں کی کنجی سمجھا جاتا تھا اور استقلال و محبت میں طالب کی جانب سے ایسا پختہ اظہار ہوتا تھا جو بے مثل کہا جاتا تھا۔ کیا مجال ہے کہ خیالات میں انتشار اور دورنگی پیدا ہو جائے۔

آپؐ کسی خاص قاعدے اور انتظام کے پابند نہ تھے اور خدا کی نعمتوں کی طرح حضورؐ کی تعلیمات بھی مختلف اقسام کی تھیں۔ حقیقتاً جو کچھ تھا آپؐ کا ارشاد تھا۔ مگر بظاہر تعلیمات کی اہمیت ہی کہی جاتی ہے۔ حضورؐ انور کے روبرو سب کے حالات آئینہ تھے ہر شخص کی طبیعت اور استعداد و قابلیت کے لحاظ سے تعلیم فرماتے تھے۔

مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کاتک کے میلہ میں منشی امیر جان صاحب وارثی منصف و رئیس سہسرام نے مجھ سے فرمایا کہ میری تمنا ہے حضورؐ پُر نور مجھ کو کوئی وظیفہ تعلیم فرمائیں۔ میں نے ان کو بارگاہِ عالی میں پیش کیا اور نہایت ادب سے ان کی تمنا کا اظہار کیا حضورؐ انور نے نہایت متبسم ہو کر ایک اسمِ باری ان کو تعلیم فرمایا۔ منصف صاحب کے ہمراہ ان کے بھائی اور دو بھتیجے اور دو صاحب زادے بھی تھے۔ انہوں نے بھی یکے بعد دیگرے یہی درخواست کی۔ میں نے دیکھا کہ حضورؐ نے ہر مرتبہ تھوڑا تھوڑا سکوت فرما کر کسی کو "یا عزیز" کسی کو "یا رحمٰن" کسی کو "یا مجیب" اور کسی کو یا غفور پڑھنے کی اجازت دیدی۔ اور ہر مرتبہ حضورؐ نے غور فرمایا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ جس طرح طبیب نبض دیکھتا ہے اور بیمار کے مرض کی تشخیص کرتا ہے اسی طرح حضورؐ انور ہر ایک کے دردِ دل کو دریافت فرماتے ہیں۔ اور ایسا ہی ہوا جس کا جیسا درد تھا

ویسا ہی نسخہ تجویز فرمایا۔ پانچوں کو علیحدہ علیحدہ پانچ اسم جناب احدیت کے تعلیم فرمائے۔

علی ہذا شاہ شاکر صاحب وارثی نے ایک مرتبہ تعلیم کی درخواست کی تو حضورؒ نے ذکر اسم ذاتِ جلالی قاعدہ سے تعلیم فرمایا اور اسی وقت احمد علی شاہ صاحب وارثی متوطن شیخ پورہ نے استدعا کی تو ان کو بھی اسم ذات کی تعلیم فرمائی مگر وہ دوسری ترکیب سے تھی۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ جس کی جیسی حالت دیکھی اسی لحاظ سے اس کی تعلیم و ہدایت فرمائی۔

آپؒ کی زبانِ مبارک کی روزمرہ کی جو معمولی باتیں ہوتی تھیں وہ بھی اعلیٰ درجہ کی تعلیمات پر مبنی تھیں۔ آپؒ کا ارشاد ہی تعلیم تھا۔

شیخ حسین علی صاحب وارثی زمیندار سادہ مئو رقمطراز ہیں کہ حافظ اصغر علی صاحب زمیندار سوال حضورؒ سے عرض کیا کرتے تھے کہ مجھکو کچھ تعلیم فرما دیجئے۔ حضورؒ انور فرماتے تھے کہ مشکل ہے۔ ایک دن حافظ صاحب نے بہت اصرار کیا تو آپؒ نے فرمایا:

"اچھا قرآن شریف علی الصباح پڑھا کرو، مگر نماز قضا نہ ہونے پائے۔"

چند روز کے بعد نماز قضا ہو گئی۔ حافظ اصغر علی صاحب مولوی کا بیان ہے کہ میں کیا کہوں جب حضورؒ انور کے ارشاد کے بموجب قرآن شریف کی تلاوت شروع کی تو دو چار دن کے بعد عجیب لطف حاصل ہونے لگا تھا۔ جب عرض کیا تو ارشاد فرمایا:

"سخت مشکل ہے اگر انسان ارادہ میں مضبوط ہو تو کیونکر نماز قضا ہو سکتی ہے۔"

شیخ حسین علی صاحب لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ میاں عبدالصمد مولوی نے حضورؒ سے درخواست کی کہ کوئی شغل مجھکو تعلیم فرمایا جائے۔ آپؒ نے فرمایا:

"پڑھ کے کیا کرو گے"۔
انہوں نے پھر اصرار کیا تو حضورؒ نے شیخ مظہر علی صاحب قدوائی سے مخاطب ہو کر فرمایا:
"یہ کہتے ہیں ہمکو کچھ پڑھنے کے لیے بتا دیجئے۔ اگر ہم بتا دیں تو پڑھیں گے؟" اس کے بعد میاں عبدالصمد سے فرمایا:
"اچھا ایک سو مرتبہ کلمہ اس طرح پڑھ لیا کرو........" شیخ مظہر علی صاحب قدوائی نے عرض کیا "حضورؒ اس کے متحمل نہیں ہو سکتے"۔
فرمایا "اچھا ۱۱ مرتبہ پڑھ لیا کرو"۔
قدوائی صاحب نے مزید کمی کی درخواست کی تو آپؒ نے ۷ مرتبہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی اور اس کے بعد ۲ مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا۔ میاں عبدالصمد نے تعمیلِ ارشاد کی اور چوتھے روز حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ دو دن سے منہ سے خون زیادہ نکلنے لگا ہے۔
"آپؒ نے فرمایا:
"تم اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ کیا کرو گے؟" ؎:
راستی موجب رضائے خداست
"جو کام کرو اس میں سچے رہو تو سب اچھا ہو سکتا ہے"۔
مولوی شیخ نادر حسین صاحب وارثی نگرامی تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضورؒ پُر نور اکڑوں بیٹھے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:
"نادر حسین لا الٰہ الا اللہ کا ورد رکھو"۔
اس ارشاد سے یہ حالت ہو گئی کہ جب میں اکڑوں بیٹھ گیا تو خود ہی لا الٰہ الا اللہ کا خیال پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد جب میں حضورؒ پُر نور کی خدمت میں حاضر ہوا تو بعد حصول قدمبوسی وقت رخصت میں نے عرض کیا کہ حضورؒ نے جو لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے تو کیا ہر وقت پڑھا کروں فرمایا:
"تم وکالت کرتے ہو جب فرصت ہو تب ذکر کیا کرو"۔ حضورؒ انور

اس طریقہ سے بھی تعلیم فرماتے تھے۔

اِن واقعات سے ظاہر ہے کہ معمولی اذکار و اشغال بھی اگر حضورؒ تعلیم فرماتے تھے تو اُن کے خاص اثرات مرتب ہوتے تھے۔ ہر ایک چیز کی اصلی اور حقیقی تاثیر پر حضورِ انور قابض و متصرف تھے اور یہ بات جس قوتِ روحانیت سے متعلق ہے اُس کے بیان سے زبانِ قلم عاجز ہے۔ کیونکہ حضورؒ کی جامعیت اور مقدس روحانیت کا سمجھنا نہایت اہم ہے۔ اکابرینِ وقت آپؒ کی تعلیمات سے متاثر ہیں۔

سند المحدثین زبدۃ العارفین حضرت مولینا مولوی محمد قیام الدین عبدالباری صاحب مسند آرائے فرنگی محل لکھنؤ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مولینا مولوی عبدالباقی صاحب نزیل مدینۂ طیبہ سے یہ واقعہ سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ ایک وقت میرا اور حاجی صاحب کا ریل میں ساتھ ہو گیا۔ آپؒ نے مجھکو ایک ذکر تعلیم فرمایا میں اس کو کرنے لگا تو اسقدر لطف آیا کہ دنیا کی کسی چیز سے تعلق نہ رہا۔ یہاں تک کہ نماز کے وقت کا احساس ہوتا تھا مگر اس ذکر کو چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ دو تین وقتوں کی نماز ترک بھی ہو گئی کہ انھوں نے اپنے پیر ارادت حضرت شاہ مسعود احمد صاحب ردولوی اور اپنے شیخ ارشاد حضرت جدی مولینا شاہ عبدالرزاق صاحب قدس سرہ کو دیکھا کہ دونوں فرماتے ہیں کہ تم اس ذکر کو چھوڑ دو تمہارے لیے مناسب نہیں ان دو بزرگوں کے کمال اصرار سے چھوڑ دیا یہ ذکر و شغل کی تعلیمات اگرچہ نہایت سریع التاثیر اور اپنی نوعیت میں عدیم المثال تھیں جن سے آناً فاناً خاص اثرات نمایاں ہوتے تھے۔ مگر یہ باتیں نہ آپؒ کی خصوصیات میں شمار کی جاتی ہیں نہ ان کا حاصل کرنا مریدین کے لیے لازمی تھا۔ آپؒ کی بارگاہ عالی کی جو خصوصیت تھی وہ یہ تھی کہ بے طلب اور بے محنت ایک نگاہ میں مرحمت ہو جاتا تھا اور ہاتھ پکڑتے ہی حضورِ انور کچھ نہ کچھ ضرور مرحمت فرما دیتے تھے اور حضور کے فیوض و برکات صرف مریدین ہی کے لیے مخصوص نہ تھے

بلکہ جو آپؒ کی محفل میں حاضر ہوتا وہ کچھ نہ کچھ لیکر جاتا تھا۔ اپنے بیگانے کی تفریق نہ تھی۔ عملاً حضور انور کی نگاہ میں سب ایک تھے اور سب سے یک جہتی برتتے تھے۔ مولانا مولوی محمد ناظم علی صاحب جو حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحبؒ سے شرف بیعت رکھتے ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ (موضع کھیولی جو متصل دیوہ ہے) بدنام شاہ صاحب کے مکان پر آپؒ تشریف فرما تھے۔ میں عصر کے بعد حاضر ہوا چبوترے کے نیچے سر مبارک کے قریب تھوڑی سی جگہ تھی مجھ سے وہاں بیٹھنے کو اصرار فرمایا۔ میں ادب سے نہ بیٹھ سکا۔ آپؒ اٹھ بیٹھے میں سامنے مؤدب بیٹھ گیا۔ خادم سے لب لباب اردو مثنوی مولینا روم رحمت اللہ تعالیٰ یعنی شجرۂ معرفت منگوا کر دیباچۂ دفتر اوّل کے دو شعر پڑھ کر ایسی نظری توجہ فرمائی کہ میں نہایت مغلوب ہو گیا۔ بعدہٗ مجھے سامنے سے رخصت فرما دیا اس وقت عجیب حالت تھی جو ناگفتنی ہے۔ مکان پر واپس آکر بہت جلد مثنوی شریف منگوائی مگر اس کے مطالعے سے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ حضرت مولینا صاحب قبلہ رحمت اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مثنوی شریف کی اجازت لی پھر تو چند سطر کا مطالعہ بھی دشوار ہو گیا وہ عجیب توجہ تھی یہ عجب اجازت تھی ؎ :

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

مولینا تحیرؔ رحمتہ اللہ علیہ عین الیقین میں لکھتے ہیں کہ ایک طالب حق نے بوعلی شاہ قلندر پانی پتی رضی اللہ عنہ کے مزار پر چلہ کشی کی۔ اس کی یہ غرض تھی کہ برزخ مرشد اب کیوں نہیں ہوتا۔ قلندر صاحب کے دربار سے اس کو بارگاہِ وارثیؒ حاضر ہونے کی بشارت ہوئی۔ چنانچہ وہ شخص حضورؒ کی خدمت عالی میں حاضر ہوا آپؒ نے اس کی طرف دیکھتے ہی فرمایا کہ "افیون نہ کھایا کرو" اس نے عرض کیا "حضورؒ اب تو جان پر آبنی ہے۔ آپؒ نے فرمایا :

"یہی وجہ ہے جو اپنے مطلب کو نہیں پہنچتے۔"

یہ سن کر وہ طالب زار زار رونے لگے آپؒ نے اُسکا ہاتھ پکڑ کے فرمایا کہ یہ کس کا ہاتھ ہے اس نے دیکھا تو اُسی کے مرشد کا ہاتھ تھا۔ بیچین ہو کر دست بوسی

کرنے لگا اور بار بار آنکھوں سے لگانے لگا۔ پھر آپ نے فرمایا: "آنکھیں بند کرو"

اُس نے آنکھوں کو بند کیا اور فوراً اپنے مطلب میں کامیاب ہو کر ہنسی خوشی رخصت ہو گیا حضورؒ انور کے جمال عدیم المثال کو دیکھ لینا ہی بڑی سے بڑی تعلیم کا آخری نتیجہ دکھا دیتا تھا آپ کے فیوض باران رحمت کی طرح جاری تھے جن سے ہر شخص مستفید ہوتا تھا۔

مولانا سید عبدالغنی صاحب قبلہ وارثی بہاری مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں کہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب (جو میرے لڑکے سید محی الدین سلمہ کی تعلیم پر مامور تھے) شاہ امید علی صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے انہوں نے ایک مرتبہ میرے مکان پر جبکہ احباب کی نشست تھی بیان کیا کہ میں جو ذکر کرتا ہوں تو جنون کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے میرے پیر و مرشد بھی زندہ نہیں ہیں اس کا علاج کس سے پوچھوں اس پر مولوی سید رحیم الدین صاحب جو ایک ذاکر و شاغل بزرگ تھے انہوں نے فرمایا کہ ذکر کے اول و آخر درود شریف پڑھ لیا کرو چنانچہ انہوں نے اس پر کئی دن عمل کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا جب حضورؒ انور پٹنہ بھی تشریف لاتے تھے تو ہم لوگ وہیں تھے شام کے وقت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب بھی فرودگاہ پر حاضر ہوئے اور بعد مغرب جب احرام تبدیل فرمانے کے لئے حضورؒ باہر تشریف لائے تو مولوی صاحب موصوف حضورؒ کے قدم بوس ہوئے اور علی الصباح واپس چلے گئے۔ ان کے آنے جانے کا اس وقت ہم لوگوں کو علم نہیں ہوا۔ جب یہ دوسرے دن اپنی بیوی کو مرید کرانے کے لیے ہمراہ لائے تو ان سے دریافت کیا گیا کہ "تم حضرت سے ملے نہیں؟"

انہوں نے کہا:

"جب کل شام کو حضورؒ شامیانے کے نیچے تہہ بند بدلنے کے لیے تشریف لائے تھے تو اس وقت میں حاضر تھا۔ میں نے اپنے پیر کا برزخ تصور کیا تو مجھے بجنسہ وہی شکل نظر آئی جو میرے پیر کی تھی۔ اور میرے مرشد نے بتایا تھا کہ یہ علامت بڑے کامل بزرگ کی تھی۔

اس کے علاوہ جب میں رات کو سویا تو ایسا معلوم ہوا کہ حضرت حاجی صاحب قبلہ تشریف لائے اور مجھے تعلیم فرمائی کہ اس طرح ذکر کیا کرو۔

چنانچہ اس وقت میں نے حضورؒ کے ارشاد کے موافق ذکر کیا تو وہ جنونی

کیفیت پیدا نہیں ہوئی میں نے سوچا کہ ایسے بزرگ نصیبوں سے ملتے ہیں ان سے اپنے اہلِ خانہ کو مرید کرا دوں چنانچہ میں اسی ارادہ سے ان کو ساتھ لایا ہوں۔ دیگر سلاسل کے افراد بھی کامل طور پر حضورِ انور کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتے تھے یہ یک رنگی اور شانِ وحدت تھی کہ کسی کو غیر نہیں سمجھتے تھے۔

مولوی وارث علی صاحب متوطن اتر دلی ضلع علی گڑھ جو ایک ذاکر و شاغل عابد و زاہد بزرگ ہیں اور حضرت حاجی میاں محمد سید شاہ صاحب (پیلی بھیت) رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ بیعت رکھتے ہیں اور اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ انور مولوی تجمل حسین صاحب تحصیل دار پیلانی ضلع باندہ کے یہاں مقیم تھے میں بھی حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ذکر و شغل کی حالت میں مجھکو خیالاتِ فاسد بہت آتے ہیں۔ آپؒ نے تبسم ہو کر مجھکو ایک ترکیب بتائی جس پر میں بہت آسانی سے کاربند ہوگیا تو واقعی اس روز سے کوئی فاسد خیال نہیں آیا۔ جب میں اپنے پیر و مرشد حضرت حاجی میاں محمد سید شاہ صاحب کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کا ذکر کیا تو حضرتؒ نے فرمایا تم ضرور اس ارشاد کی تعمیل کرو اور نماز میں بھی ایسا ہی کیا کرو اور سامنت سے بجا کرو۔"

مولوی وارث علی صاحب کا بیان ہے کہ جو ترکیب حضورؒ نے بتائی اس سے جو مجھکو فیوض و برکات حاصل ہوئے وہ تو بیان سے باہر ہیں مگر یہ عجیب کیفیت ہے جب کبھی میرے قلب سے حضورؒ کا ارشاد محو ہو جاتا ہے تو میں آپکو اپنے سامنے دیکھتا ہوں کہ یاد دلا رہے ہیں فوراً خیال آجاتا ہے۔

یہ حضورِ انور کا فیض اور کمال تصرف ہے۔ باوجود اس کے کہ میں آپؒ کے سلسلہ میں نہیں ہوں مگر جو نوازش ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ میں آپؒ کی اس شفقت اور عنایت کو اپنے پیر و مرشد ہی کی خوشنودی پر محمول سمجھتا ہوں۔

قاضی عبدالرزاق صاحب مارہروی جو حضرت مولانا شاہ صوفی محمد حسین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمۃ کے مریدین خاص میں ہیں بیان فرماتے ہیں کہ مجھکو دو تین مرتبہ حضورؒ کی خدمتِ عالی میں حاضری کا اتفاق ہوا ہے۔ جس کے باعث

آپ کی وہ نظرِ عنایت ہے کہ بعد وصال بھی مجھکو کئی مرتبہ خواب میں شرف زیارت حاصل ہو چکا ہے۔

ایک مرتبہ مجھکو کچھ پریشانی تھی تو آپؒ نے مجھکو خواب میں ایک درود شریف تعلیم فرمایا جو نہایت مؤثر ثابت ہوا اور اب تک میرے ورد میں ہے مولوی نادر حسین صاحب وارثی نگرامی (وکیل بارہ بنکی) تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور انور قصبہ نگرام میں میرے مکان پر رونق افروز تھے میرے والد بزرگوار مولوی شیخ قادر بخش صاحب نور اللہ مرقدہٗ (جو بڑے ذاکر و شاغل بزرگ تھے اور حضرت مولینا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رضی اللہ عنہ سے شرف بیعت رکھتے تھے) حضور انور کی خدمت عالی میں حاضر تھے کہ حضور انور نے ان سے ارشاد فرمایا:

"بڑے میاں جو سانس نکلے وہ اسم اللہ کے ساتھ نکلے۔ جو سانس بغیر اسم اللہ نکلی ہے وہ مُردہ ہے۔ اور بڑے میاں ایک ذکر ایسا ہے جس کو نہ سانس سے تعلق ہے نہ زبان سے"۔

والد ماجد نے عرض کیا "یہ حضور کا ذکر ہے"۔

فرمایا: "بڑے میاں ہو جاتا ہے"۔

مکرر سہ کرر یہی ارشاد فرمایا کہ "سنا سنا بڑے میاں ہو جاتا ہے"۔

تیسرے دن جبکہ حضور انور رخصت ہونے والے تھے تو والد صاحب قبلہ حضور انور کو رخصت کرنے کے لیئے اپنے مکان سے باہر آئے اور خدمت عالی میں حاضر ہوئے آپؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: "آؤ بڑے میاں مل لیں دنیا کا کیا اعتبار ہے"۔

یہ ارشاد فرما کر حضور نے ان سے معانقہ فرمایا۔ اس کے بعد پالکی میں سوار ہوئے۔ میں ہمراہ تھا بعض لوگوں کی تمنا تھی کہ راستہ میں حضور انور ان کے مکان پر ہوتے ہوئے تشریف لے جائیں اس لیے آپؒ ان کی خواہشات کے موافق ان کے مکانوں پر ہوتے ہوئے گدھی بلول کو روانہ ہوئے۔ مجھے حضور نے

سرحد نگرام سے رخصت فرمادیا۔ جب میں مکان پر واپس آیا والد صاحب قبلہ نے فرمایا: "حضرت کو پہنچا آئے کہاں تک گئے تھے؟"

"میں نے عرض کیا "سرحد نگرام تک۔"

فرمایا: "آگے کیوں نہ گئے" میں نے عرض کیا کہ "حضورؐ نے وہیں سے رخصت کر دیا۔"

پھر فرمایا" آگے کیوں نہ گئے۔" میں خاموش رہا۔ اس کے بعد والد ماجد صاحب نے فرمایا: "آج حضرت صاحب قبلہ کی ہم پر بڑی عنایت ہوئی۔

ہمارے خاندانِ نقشبندیہ میں سات لطائف قلبی ہیں، تین لطیفے ہمارے ہر وقت جاری رہتے ہیں۔ جب بہت محنت کی جائے تو چوتھا لطیفہ جاری ہوتا ہے۔ مگر آج حضورؐ پُر نور نے جیسے ہی مجھے اپنے سینۂ مبارک سے لگایا اسی وقت سے ساتوں لطیفے جاری ہو گئے۔ اس واقعہ سے دو تین مہینہ کے بعد والد صاحب کی یہ حالت ہوئی کہ سیٹی کی طرح کی آواز دماغ میں محسوس ہونے لگی اور چار پانچ ماہ کے بعد ایک دن یہ کیفیت دیکھنے میں آئی کہ کھانا کھاتے کھاتے یکایک ان کے ہاتھ پاؤں قابو سے باہر ہو گئے اور کھانا سامنے سے اٹھا لیا گیا یہ حالت دورہ کے طرز پر ہونے لگی۔ لکھنؤ سے ایک حکیم صاحب بلائے گئے، جو سات آٹھ روز تک نبض و "قارورہ" دیکھتے رہے مگر کوئی عارضہ حکیم صاحب کی تشخیص میں نہ آیا۔ حکیم صاحب کے زمانۂ قیام میں والد ماجد کی یہ حالت تھی کہ اگر کسی نے خدا اور رسولؐ کا یا اولیا اللہ کا ذکر کیا تو مخاطب ہوئے اور سننے لگے ورنہ خاموش بیٹھے رہے۔

حکیم صاحب نے کچھ مفرحات استعمال کرائے اور رخصت ہوئے اب وہ سیٹی کی آواز بڑھنا شروع ہوئی۔ اسی زمانہ میں جناب احمد میاں صاحب فرزند رشید مولینا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رضی اللہ عنہ قصبہ ایٹھی میں آئے ہوئے تھے۔ نگرام میں حسبِ طلب والد ماجد صاحب قبلہ تشریف لائے تو

جناب موصوف نے والدصاحب کا حال دریافت فرمایا اور سیٹی کی سی آواز کی کیفیت اور دوروں کی حالت شکر فرمایا :

"مبارک ہو، یہ تو آپ کا سلطان الذکر کھلا ہے۔ میں باباصاحب (یعنی مولانا صاحبؒ) سے عرض کردوں گا اس کے بعد جناب والدصاحب ایسے خاموش ہوئے کہ پھر اس کا کچھ ذکر نہیں فرمایا۔ عرصہ کے بعد میں نے دریافت کیا کہ اب اس سیٹی کی سی آواز اور گرمی کی کیا کیفیت ہے تو فرمایا کہ حالت کیا ہوتی۔ میں نے کہا آواز بڑھ گئی اور تمام بدن میں وہ آواز پیدا ہوگئی یا اُسی قدر ہے فرمایا کہ تمام بدن میں ہوگئی۔

میں نے عرض کیا "کچھ آواز میں معلوم ہوتا ہے"۔

فرمایا کہ معلوم کیا ہوتا؟

میں نے کہا "اللہ اللہ معلوم ہوتا ہے یا محض آواز ہے"۔ تو فرمایا "جب ہم خیال کرتے ہیں تو اللہ اللہ معلوم ہوتا ہے"۔

اس کے بعد جب میں بارگاہِ وارثی میں حاضر ہوا تو میں نے بعد حصول قدم بوسی عرض کیا کہ رقابت باپ بیٹوں کی بھی ہوجاتی ہے والد ماجد کو تو سب دولت عنایت ہوئی۔ یہ غلام بھی امیدوار ہے۔ سچ ہے کہ جس کو پیا چاہے وہی سہاگن۔ حضورؒ انور میری معروضات پر خاموش رہے کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔

مولوی شیخ قادر بخش صاحب فضلی نگرامی پر جو واقعہ گذرا ایسے ہی واقعات حضورؒ انور سے زیادہ تر ظہور پذیر ہوتے تھے اور یہی بات حضورؒ انور کی خصوصیات میں سے ہے کہ بے طلب اور بے محنت بخشدیتے تھے اور اسمیں بھی مرید بے مرید کی تفریق نہیں تھی کسی کو وہ نظرِ فیض اثر ناکام نہیں رکھتی تھی خواہ کوئی ہو آپ نعمت بخش دیتے تھے اور بامراد واپس کرتے تھے۔

مولانا مولوی حاجی قاری شاہ احمد مختار صاحب صدیقی میرٹھی جو

حضرت عارف باللہ مولینا مولوی حاجی محمد عبدالحکیم[1] صاحب چشتی قادری خلیفۂ خاص حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید خلیفہ ہیں اور اس وقت ایک نامور عالم و مشہور واعظ ہیں۔

۱۳۱۳ھ میں اسلامیہ ہائے اسکول اٹاوہ میں عربی و فارسی کے مدرس تھے اسی زمانہ میں حضور پرنور اٹاوہ تشریف لائے مولینا چونکہ ایک باکمال اہل علم درویش کی فرزندی کا شرف رکھتے ہیں اس لحاظ سے علاوہ ذاتی اقتدار و علم کے بزرگانہ نسبت سے بھی ممتاز ہیں اس لیے نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ حضور پرنور کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اوّل روز حضورؒ نے مولینا موصوف کو نصف گھنٹہ کے قریب شرف مکالمہ سے سرفراز فرمایا اور اپنا خاندانی شجرہ جو عربی زبان میں قصیدۂ غوثیہ کے طرز پر ہے خود پڑھ کر سنایا پھر رخصت فرمایا اور حاضرین سے ارشاد فرمایا :

”یہ مولوی صاحب تو ابھی بچہ ہیں۔ ان کے والد بزرگ آدمی ہیں۔“

دوسرے روز جب مولینا حاضرِ خدمت ہوئے تو حضورؒ انور نے کھڑے ہو کر سینہ سے لگا لیا۔ مولینا فرماتے ہیں کہ اس وقت جو عالم بےخودی مجھ سے طاری تھا وہ علم و بیان سے باہر ہے۔ حاضرین میں سے کسی کی آواز کان میں نہیں آتی تھی۔ حضرت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہٗ نے اس وقت جو کلمات طیبات ارشاد فرمائے تھے آج تک مثلِ نقش کالحجر محفوظ ہیں۔ ایک خادم کی درخواست پر حضورؒ نے اس وقت احرام شریف بدلا اور جو اتارا وہ ایک درباری کو دیا اور ارشاد فرمایا کہ تہ کر کے مجھے دے دیں اور دوبارہ سینہ سے لگا لیا جس سے

---

[1] مولینا حاجی محمد عبدالحکیم صاحبؒ اس زمانہ کے مشاہیر بزرگوں میں گذرے ہیں آپ پیشتر حضرت مولینا شاہ ضامن علی صاحب جلال آبادی سے شرفِ بیعت رکھتے تھے اور انکے حسبِ ایما حضرت مولینا غوث علی قلندر پانی پتیؒ سے تکمیل سلوک فرمائی اور ۱۳۰۴ھ میں حضرت مولینا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے سندِ خلافت سے ممتاز فرمایا۔

اس کیفیت میں اور ترقی ہو گئی اب تو یہ عالم تھا کہ درباری بزرگ کھڑے ہوئے احرام عطا فرمانے کے لیے آوازیں دے رہے ہیں مگر کان کلامِ اغیار کی جانب التفات ہی نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ حضورؐ انور نے ارشاد فرمایا :

"لاؤ ان کو تو ہم ہی دیں گے :"

اور وہ احرام لے کر میرے سر پہ رکھا اور فرمایا :

"لو آؤ ایک بار پھر مل لیں :"

اس کے بعد تیسری مرتبہ سینہ سے لگا لیا اور مابین کتفین دست راست سے تھپک کر فرمایا : "اللہ معکم :"

اور رخصت فرما دیا۔ میں نے یہ تمام کیفیت حضرت والد ماجد صاحب قبلہ کی خدمتِ اقدس میں تحریر کر کے بھیجی تو انہوں نے اس واقعہ پر جواب میں مبارکباد دیتے ہوئے " اللہ معکم " کے ارشاد سے متعلق تحریر فرمایا کہ یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ ہر وقت اللہ معی کا تصور پیشِ نظر رہے۔ اس فقرہ کے پڑھتے ہی سینہ میں ایک چمک سی پیدا ہوئی اور نظر اور خیال میں اس تصور نے اپنی جگہ کر لی۔ اس واقعہ سے دو سال قبل میں نے حضرت مرشدی و مولائی والد صاحب قبلہؒ سے درخواستِ بیعت کی تھی جس پر انہوں نے استخارۂ غوثیہ تعلیم فرمایا اس استخارہ کے بعد ایک شب یہ معاملہ دیکھا کہ ایک بزرگ نے جن کا چہرہ ایسا نورانی تھا کہ اس پر نظر نہیں جمتی تھی، میرا بایاں بازو پکڑ کر حضرت والد صاحب قبلہ کی خدمت میں پہنچا دیا جو ایک شاندار مکان میں نہایت پُر تکلف فرش پر تشریف فرما تھے۔ والد صاحب کی توجہ سے جو کچھ پیش آیا وہ گفتنی و شنیدنی کی قید سے الگ ہے۔

جس روز حضرت اقدس حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں شرفِ ملازمت حاصل ہوا۔ قوتِ حافظہ نے نہایت استحکام کے ساتھ دعویٰ کیا کہ یہ وہی مبارک شکل ہے جس نے عالمِ رویا میں رہنمائی فرمائی تھی اور والد صاحب قبلہ کی خدمت میں پہنچایا تھا۔ چنانچہ دل نے اس کی تصدیق کی اور واقعات نے سچ کر دکھایا۔

یہ متحیرانہ کیفیت اس درجہ طاری رہی کہ ترقی پذیر ہونے لگی حتیٰ کہ طلبا کو پڑھانا۔ لوگوں کو جواب دینا وعظ و نصیحت کرنا دشوار ہوگیا اسوقت ترکِ ملازمت کرکے حضرت والد صاحب قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے فرمایا :

"آجکل حضرت حاجی صاحب قبلہ مقام حیرت کی سیر میں مصروف ہیں یہی وجہ ہے کہ طالبین کے قلوب پر بھی وہی اثر منعکس ہوتا ہے نیز یہی باعث ہے کہ وہ ہمیشہ نماز پڑھتے ہوئے نظر نہیں آتے"

اس کے بعد والد صاحب قبلہؒ نے ان اثرات کو گم کرنا شروع فرمایا حتیٰ کہ تین ماہ کے بعد میری حالت پھر اپنے قدیم مقام پر آئی اس وقت حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ میاں حاجی صاحب قبلہؒ نے جو چیز تم کو عطا فرمائی تھی وہ بالفعل ہم نے تم سے لے لی ہے اخیر وقت میں تم کو ملے گی کیونکہ ابھی تم سے دنیا میں بہت کام لینا ہے۔

(مولینا حاجی قاری احمد مختار صاحب صدیقی اسوقت شریعت وطریقت دونوں کے اعتبار سے ایک وسیع درجہ رکھتے ہیں۔ نہایت متشرع اور صاحب زہد واتقا بزرگ ہیں آپ کے وعظ نہایت مؤثر ہوتے ہیں۔ مولینا کو متعدد سلاسل میں اسنادِ خلافت حاصل ہیں چنانچہ علاوہ اپنے والد ماجد سے سندِ خلافت حاصل کرنے کے ان کی اجازت سے ۱۳۲۰ھ میں مکہ معظمہ میں حاضر ہوکر حضرت مولینا محمد اسمٰعیل نواب رحمۃ اللہ علیہ سے طریقہ احمدیہ شاذلیہ میں اس طریقہ کے مطابق چلے وغیرہ وہیں انجام دے کر سند و اجازت حاصل کی ایک ۱۳۲۱ھ میں مکرر حرمین محترمین حاضر ہوئے اور حضرت مولانا مولوی محمد عبدالحق صاحب الہ آبادی مہاجر مکی کی خدمت میں رہ کر طریق نقشبندیہ کی تعلیم حاصل کی اور ایک سال کے بعد سند و شجرۂ طیبہ حاصل کیا۔

۱۳۲۴ھ میں نو ماہ کامل دربار رسالت مآب صلعم میں حاضر رہے اور اور وہاں حضرت مولینا سید قادری مدنی حضرت مولینا سید محمد امین رضوان شیخ الدلائل سے طریق قادریہ کی سند و خلافت حاصل کی۔

مولینا مختار احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا حاجی صاحب قبلہؒ

کی زیارت کا اشتیاق میرے دل میں برادرم عزیز محمد حامد مرحوم کی کیفیت دیکھ کر اور خود ان کی زبانی سن کر پیدا ہوا تھا۔ برادر مرحوم نے اپنے انتقال سے پانچ چھ روز قبل اپنی پوری کیفیت سنائی تھی جس کا پورا حصہ حسب ذیل ہے :

محمد حامد مرحوم اہل اللہ اور مرد کامل کی تلاش میں کچھ عرصہ تک نواح اودھ میں خانہ بدوش پھرتے رہے آخر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دربان نے روکا مگر حضرت قبلہؒ نے اندر سے آواز دی کہ ان کو آنے دو۔ یہ شرف قدمبوسی سے مستفید ہوئے تو کچھ باتیں کرنے کے بعد ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ بزرگ جن کے سر مبارک کے ایک ایک بال اور جسم کے ایک ایک روئیں سے نور کی شعاعیں نکلتی ہوئی نظر آتی ہیں خدا تو نہیں مگر مظہر خدا ضرور ہیں۔ لہذا ان سے بیعت ہو جانا چاہیئے۔ ہنوز اس خیال نے دل پر پورا عبور نہ کیا تھا کہ حضور انور نے ان سے ہاتھ بڑھانے کو فرمایا اور حامد مرحوم کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر فرمایا :

"میاں اس طرح بیعت ہو جایا کرتے ہیں"

اس وقت سے باطن کی جو کیفیت بھی ہوئی ہو وہ تو سالک یا راہبر کو معلوم ہوگی بظاہر اتنا ضرور دیکھا گیا کہ دو برس تک اس مرحوم نے بستر بیماری پر پڑ کر گذارا اور ان کے والد نے سلب مرض کی کوشش میں ہزاروں روپے صرف کئے لیکن آتش سینہ جو ایک زبردست پیر طریقت کی لگائی ہوئی تھی آخر وقت تک نہ بجھ سکی حتیٰ کہ جاں بحق تسلیم ہوئے۔

متذکرہ بالا واقعات سے جن میں بعض واقعات دیگر سلاسل کے محترم بزرگوں پر بھی پیش آئے ہیں حضورؒ پر نور کی تعلیم کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے آپؒ کی ہر ایک بات اپنی نوعیت میں فرد تھی اور حضورؒ کی خصوصیات میں جو بات تھی وہ یہی تھی کہ ایک نظر میں عطا فرما دیتے تھے۔ ارشاد بھی فرماتے تھے مگر اس ارشاد کی اہمیت بھی بے مثل ہوتی تھی جس سے مخاطب کی فوراً تسکین ہو جاتی تھی، اور دیگر حاضرین کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔

حضرت سید معروف شاہ صاحب قبلہ کا بیان ہے کہ ایک افغانی حضورؒ

کی خدمت عالی میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھکو احرام مرحمت ہو اور تعلیم مرحمت فرمائی جائے۔

حضورِ انور نے ان کے سمجھانے کے لیے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ میں ان کو اپنے مکان پر لایا اور تعلیم کی اہمیت کو سمجھایا مگر وہ کچھ نہ سمجھے۔ بالآخر میں نے ان سے دریافت کیا کہ تم اپنے گھر والوں سے بھی اجازت لائے ہو کہ نہیں۔ افغان صاحب نے کہا "میں اجازت تو کسی سے نہیں لایا، خود میرا خیال ہے۔

اس کے بعد وہ بے تابانہ جانے کے لیے کھڑے ہوگئے اور ایسی عجلت کی کہ بارگاہِ وارثی میں حاضر بھی نہیں ہوئے اور چلتے وقت یہ کہہ گئے کہ حضرت سے ہمارا سلام کہہ دینا۔

ایک سال کے بعد وہ اجازت لے کر حاضرِ خدمتِ عالی ہوئے۔ آپؒ نے ان کو دیکھتے ہی تہہ بند کا حکم دیا۔ جب وہ خرقہ پہن کر سامنے آئے تو حضورِ انور نے ان سے مخاطب ہو کر اپنے چہرۂ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"یہی صورت ہے اس کو پیش نظر رکھنا۔"

وہ اتنا سنتے ہی نہایت شاد و مسرور ہوئے اور فرطِ انبساط سے حضورؒ کی قدمبوسی کی اور فوراً رخصت ہو گئے۔

سیّد معروف شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھکو بیحد تعجب ہوا کہ ان افغان صاحب کو میں طرح طرح سے سمجھاتا تھا مگر ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی تھی۔ یا آج حضورؒ کے دو لفظوں میں ان کو کامل تسکین ہو گئی۔ حق یہ ہے کہ حضورؒ کے دربار میں جود و عطا کے سوا اور کچھ نہ تھا جو کچھ بظاہر تعلیم تھی وہ برائے نام تھی۔

حضورِ انور کے فیوض و برکات ضرب المثل ہیں اور ان کا تمام و کمال بیان کرنا انسانی طاقت سے بالاتر ہے نہ من کل الوجوہ تمامی واقعات کا پتہ چل سکتا ہے خود حضورِ انور کا ارشاد ہے:

"اگر محبت ہے تو ہزار کوس پر بھی ہم تمہارے ساتھ ہیں۔"

جناب مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ

میں حاضرِ خدمت تھا۔ حضورِ انور نے بعد نمازِ مغرب ارشاد فرمایا :

"یا باسط" پڑھا کرو۔"

بظاہر اس وقت حضورؐ کے سامنے کوئی نہ تھا۔ اتفاق سے بہت عرصہ کے بعد ایک حلقہ بگوش وارثی نے اثنائے گفتگو میں بیان کیا کہ پہلے میں بہت نادار اور قرضدار تھا ایک روز بعد نمازِ مغرب تصور کیا تو حضورؐ کی برزخ قائم ہو گئی اور اسی حالت میں آپؐ نے فرمایا "یا باسط پڑھا کرو۔" میں نے تعمیل ارشاد کی تو آناً فاناً میری پریشانی فراغت اور خوشحالی سے مبدل ہو گئی۔

شیدا میاں وارثی فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھکو خیال آیا کہ اس روز بعد نمازِ مغرب جو حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا وہ اسی خوش نصیب سے فرمایا تھا۔

حضورِ انور کے تعلیم وارشاد کے نہایت حیرت انگیز واقعات ہیں حاضر و غائب حضورِ پُرنور کے فیوض وبرکات سے مستفید ہوتے تھے اور حضورِ انور کا یہ ارشاد :

"جو جس کا حصہ ہے وہ اس کو ضرور دیا جاتا ہے خواہ زندگی میں خواہ مرتے وقت اور نہیں تو اس کی قبر میں ٹھونس دیا جاتا ہے۔" یہ ارشاد فیض بنیاد حقیقتہً اس بارگاہ کا دستور العمل ہے۔

تصور کی نسبت بھی حضورؐ نے اپنے غلاموں کو عام طریقہ سے کامل تاکید فرمائی ہے اور بعض کو خاص طور پر بھی حکم دیا ہے اور اکثر اشارات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ طالبِ خدا کے واسطے صرف تصور ہی کافی ہے اور ہر قسم کی ترقی صرف تصور میں ہو جاتی ہے۔

چنانچہ حضورِ پُرنور نے فرمایا ہے کہ :

" عاشق کو لازم ہے کہ ایک صورت پکڑے وہی صورت یہاں، وہی قبر میں وہی حشر میں ساتھ ہوگی۔"

مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی لکھتے ہیں کہ شیخ عنایت اللہ صاحب

تعلقہ دار سیدن پور نے جو حضورؒ کے بہت قدیم حلقہ بگوش ہیں ایک روز عرض کیا کہ "مجھے کوئی وظیفہ تعلیم ہو"۔

حضور پرنور نے مسکرا کر فرمایا :

"شیخ جی جب کوئی مصیبت ہو تو ہماری برزخ کا تصور کیا کرو"۔

حضور انور نے تصور کا قاعدہ بھی متعدد طریقوں سے تعلیم فرمایا ہے مگر اکثر زیادہ مفید اور بہت آسان طریقہ یہ ارشاد فرمایا ہے :

" پہلے تصور کرے جب صورت قائم ہو جائے تو معہ اس صورت کے دل صنوبری کی جانب متوجہ ہو اور دل کی آنکھ سے دیکھے"۔

حضور انور بعض تعلیمات اعلانیہ ارشاد فرما دیتے تھے اور اکثر خلوت میں فرماتے تھے۔ جو تعلیمات خلوت میں عطا فرماتے تھے ان کا علم انہیں کو ہے جو ان مقدس اشارات سے مستفید ہوئے ہیں جو حالات معرض تحریر میں آئے وہ ظاہری واقعات پر مبنی ہیں۔

حضور انور کی مقدس روحانیت فیوض و برکات کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت مولینا حکیم شاہ مبارک حسین صاحب (متوطن حسین پور ڈاکخانہ نہبوا ضلع شاہ آباد) جو ایک مشہور و معروف بزرگ ہیں۔ یہ واقعہ اپنا چشم دید عنایت فرماتے ہیں کہ دیوہ شریف میں آستانہ عالی سے باہر چند لوگوں میں "تصور" کے متعلق کچھ گفتگو ہو رہی تھی۔ بعض کا مقولہ تھا کہ ہم اکثر حضرت حاجی صاحب قبلہ" کی شکل مبارک پیش نظر رکھتے ہیں مگر پوری طرح صورت نہیں جمتی۔ اور بعض کہتے تھے کہ ہم اکثر خواب میں آپؒ کی شکل دیکھتے ہیں اور وہی دو تین روز تک برابر ہمارے سامنے رہتی ہے۔

مولینا شاہ حکیم مبارک حسین صاحب مدظلہ العالی کا بیان ہے کہ میں ان لوگوں کو بالکل نہیں جانتا تھا صرف قرینہ سے سمجھا کہ حاجی صاحب کے مرید ہیں مگر تعلیمیافتہ لوگوں میں نہیں ہیں۔ میں ان کی طرف مخاطب ہوا اور افسوس کے ساتھ یہ کہا کہ شیخ کے دروازہ پر حاضری اور یہ باہمی گفتگو بالکل بے لطف ہے۔ یہاں تو

آنکھوں ہی سے (جو ظاہر ہیں ہیں) دیکھتے رہو یہی صورت دل میں آجائے گی وہ لوگ حیرت سے میری بات سنکر خاموش ہو گئے اس کے بعد میں حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے قاعدہ قدیم کے موجب بیٹھ گیا۔

حاجی صاحب مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

"اچھا ان لوگوں کو بلواؤ"

میں متحیر ہوا کہ یہ جملہ کسی اور شخص کے سوال کا جواب ہوگا۔ کوئی شخص حضرتؒ کو استغراق کی حالت میں دیکھ کر واپس چلا گیا ہے اور مجھکو شاید حاجی صاحب نے خیال فرمایا ہے کہ یہ وہی شخص ہے۔

جیسے ہی یہ خدشہ پیدا ہوا۔ حضرت نے فرمایا:

"نہیں نہیں جب آپ نے ان لوگوں سے کہا تو وہ لوگ سخت نادم ہوگئے"

اب میں سمجھا اور اس اخلاق کی دل ہی دل میں داد دینے لگا کہ خلق عظیم اس کو کہتے ہیں کہ اپنے سلسلہ کے ان لوگوں کی گفتگو کو جو کلام کرنے سے بھی عاجز ہوں اور اتنے فاصلہ پر ہوں کہ ان کے قریب والے بھی ان کی گفتگو اور میرے کلام کو بخوبی نہ سن سکے۔ اس کو آپؒ نے سن لیا اور واقف ہو گئے اور ان کے محجوب ہونے پر بھی اطلاع ہے اور ان کی دلداری بھی مدنظر ہے۔ یہی باعث ہے کہ لوگ جاں نثاری پر آمادہ رہتے ہیں مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے چھیڑا اور حاجی صاحب قبلہؒ جو میرے دادا صاحب کے ملنے والے ہیں ان کے قلبِ انور پر بار ہوا میں خود اس گفتگو سے منفعل ہوگیا۔ حضرت حاجی صاحب قبلہؒ نے فرمایا:

"کیا خوب تم نے ہمارے مطلب کو اچھا سمجھا۔ مگر یہ محل نہیں ہے تم ان لوگوں کو بلالو کہ تمہارے قول کی تصدیق کرادوں"

میں فوراً باہر جاکر ان لوگوں کو جو موجود تھے بلا لایا۔ اس وقت حضرت حاجی صاحب حسبِ عادت استغراق میں تھے۔ ہم لوگ وہیں ایک طرف بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں اتررُخ سے پچھم رُخ گھوم کر فرمایا:

"دیکھو!"

ہم لوگوں نے اس آواز کو سن کر چاہا کہ اٹھ کر سامنے جائیں کہ یکایک دیوار کی جانب نظر پڑی تو عجیب مشاہدہ پیشِ نظر تھا کہ ایک بہت بڑا سورج کی طرح چکّہ گھوم رہا ہے۔

اور بے انتہا روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ تین منٹ کے اندر اس چکّر کو جو اس چکّہ میں تھا سکون ہوا اس کے بعد بیچوں بیچ سے شق ہوگیا اور اس میں بجنسہٖ حضرت حاجی صاحب کی تصویر نمایاں ہوگئی جیسے کوئی شخص آئینہ کو دیکھتا ہو اور اس کے پیچھے والے اس آئینے کو دیکھتے ہوں۔ یہی منظر تھا جس کو ہم سب لوگ دیکھ رہے تھے حاجی صاحب نے ان لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

"یہی تعلیم ہمارے خاندان کی ہے۔ مگر عقیدہ اور ایسا ہی حجاب اور ندامت کے بعد یہ پردہ نگاہ سے اٹھتا ہے۔"

میری طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"ان کے ہاتھ چومو۔"

یہ فرما کر پھر تحیّر و استغراق کی حالت طاری ہوگئی میں نے اُن لوگوں سے کہا کہ حضرت کے قدموں کو چوم چوم کر باہر چلے آؤ اور یہ کہتا ہوا میں باہر چلا آیا اور اسی وقت اسٹیشن ریل پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ لوگ بھی چلے آتے ہیں۔

وہ لوگ میرے پاس آئے اور کہنے لگے:

"حضرت حاجی صاحب قبلہؒ نے قدمبوسی کے وقت ہم سے فرمایا:

"جا کر ہدایت کرنے والے کے ہاتھ چومنا۔ تم سے اسٹیشن پر ملاقات ہوگی نوُر میاں سے پوچھ لینا۔"

میں نے ان کو نہایت بے قرار اور شیخ کے اثر سے پُر پایا۔ میں نے کہا کہ جاؤ تم نے تو اپنے شیخ کی اس کرامت کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔ میں نے بھی ایسا احساس بہت کم دیکھا کیا معنی دیکھا ہی نہیں۔

حضوُرِ انور کی تعلیمات حاضر و غائب ظاہر و باطن یکساں ہوتی تھیں اور یہ بے مثل اخلاق تھا کہ اُدھر وابستگانِ دامانِ دولت کی ندامت و شرمندگی پر اُن کی

دلداری فرمائی تو ادھر حضرت مولانا شاہ حکیم مبارک حسین صاحب کی شرم و ندامت کو بھی محو فرما دیا۔ اور ان کی قدر افزائی فرمائی۔ اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ مولینا کی دست بوسی کریں اور نہایت مؤثر الفاظ سے ان کو یاد فرمایا اور اپنی تعلیمات فیض آیات کا عینی مشاہدہ کرا دیا جس سے وہ متاثر ہو کر رخصت ہوئے جن بزرگانِ عصر کو حضورِ انور کا شرفِ صحبت نصیب ہوا ہے وہ آگاہ ہیں کہ فیضانِ وارثی سے آئے دن کیا کیا واقعات پیش آتے تھے۔

حضرت شاہ مقصود علی صاحب خلیفہ حضرت شاہ ناصر الدین صاحب صابری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ اپنا چشم دید چودھری خدا بخش صاحب سے بیان کیا کہ:

میں ایک مرتبہ بارگاہِ وارثی میں حاضر ہوا۔ اس وقت مجھے یہ معلوم ہوا کہ کوئی شخص مرید ہو رہا ہے۔ میں باہر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ حضرت حاجی صاحب قبلہ باہر تشریف لیے جاتے ہیں میں تعظیماً کھڑا ہو گیا مگر وہ بہت جلد چلے گئے۔ خادم نے مجھ سے کہا:

"اندر چلیے سرکار طلب فرماتے ہیں۔"

مجھے حیرت تھی کہ میں نے تو ابھی باہر جاتے دیکھا ہے۔ اسی حیرت و استعجاب کی حالت میں خدمتِ عالی میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ:

"ابھی ایک شخص مرید ہو کر باہر گیا ہے، ہم سے جو شخص بیعت ہوتا ہے ہم اسے اپنا سا بنا لیتے ہیں۔ پھر اس کا فعل ہے اور اس کی قسمت ہے جو صورت چاہے اختیار کر لے۔"

ایسا ہی واقعہ حضرت محبت شاہ صاحب خلیفہ حضرت شاہ ناصر الدین صاحب چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بارگاہِ وارثی میں دیکھا ہے اور شیخ رشید الدین صاحب فضلی متوطن سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ سے بیان کیا ہے۔

حق یہ ہے کہ مبصرین نے عجیب عجیب مشاہدات کیے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان مقدس تاثیرات اور فیوض و برکات کے سامنے تعلیم کیا چیز ہے۔ حضورؒ انور کی صفتِ افاضہ نہایت ممتاز درجہ رکھتی ہے اور اہل اللہ کے نزدیک یہ صفت تمام صفات سے برتر ہے۔

مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی بیتھے پوری ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؒ انور کے ایک مرید کے روبرو کچھ ناواقف لوگوں نے تذکرہ کیا کہ آپؒ کے یہاں ذکر و شغل کی تعلیم نہیں ہوتی۔ یہ خطرہ اس مرید کے دل میں پیدا ہو گیا۔ جب وہ بارگاہِ وارثیؒ میں حاضر ہوا تو حضورؒ انور نے اثنائے گفتگو میں ارشاد فرمایا:

"ایک مرتبہ ہم سے اور ایک بہت بڑے صاحبِ ریاض سے گفتگو ہو گئی وہ کہتے تھے کہ ذاکر کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ ہم نے کہا اگر مذکور ہو جائے۔ انہوں نے کہا بندہ خدا نہیں ہو سکتا۔ ہم نے جواب دیا یہاں بندہ اور خدا کا تو ذکر نہیں یہاں ذاکر و مذکور کا تذکرہ ہے کیا فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ کو تم بھول گئے خالی ذکر سے کیا فائدہ جب تک مذکور بھی ذاکر کا ذکر نہ کرے اور ہمارے یہاں ذکر و فکر کچھ نہیں ہے اور پھر سب کچھ ہے۔

حضورِ انور کی مقدس تعلیمات حیات و ممات میں یکساں ہیں اور اس کی دلیل روشن پیش کرتی ہیں کہ اولیا اللہ کو موت نہیں ہے۔ جس کا تجربہ دیگر سلاسل کے واجب الاحترام بزرگوں کو بھی ہے۔

چنانچہ مولینا محمد ناظم علی صاحب نائب مہتمم مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ (جو حضرت مولینا شاہ فضل الرحمٰن رضی اللہ عنہ سے بیعت ہیں) تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے حکیم عبد الحیٔ مہولوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت حاجی صاحب قبلہؒ نے مجھ سے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ:

"مجھکو آئینہ دکھانا آتا ہے۔"

چنانچہ بعد وصال میں مزار مبارک پر جا کر بیٹھا تو بموجب اپنے فرمانے کے

آپ نے مجھکو آئینہ دکھا دیا ہے :

کھل گئی آنکھ وہ آئینہ دکھایا تو نے
تیرا حیرت زدہ خود اپنا تماشائی ہے

حقیقت یہ ہے کہ حضورؒ انور کی ذات مستجمع الصفات ایک عجیب ذات تھی آپؒ کی تعلیمات اور تاثیرات سب حیرت انگیز تھیں جن کا اس وقت تک ظہور ہے اور ہمیشہ رہے گا حضورؒ انور کے مریدین کا تو کیا ذکر ہے۔ جو شخص ایک مرتبہ بھی خلوص وعقیدت سے حاضر ہوا ہے وہ خالی نہیں گیا۔ یہ فیوض وبرکات آفتاب کی طرح روشن ہیں جن کو حضورؒ کے دیکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ ایک نظر میں صدہا سال کی ریاضت و محنت سے زیادہ ثمرہ مرحمت ہو جاتا تھا۔ اور انہیں خصوصیات میں حضورؒ انور کا دور مابہ الامتیاز ہے :

نگاہِ وارثؒ نے سیکڑوں کو بنایا قطرہ سے پل میں دریا
نظر جو آتے تھے پہلے ذرے انہیں کو پھر آفتاب دیکھا

بعض خصوصیاتِ تعلیم

حضورؒ انور کے دستگرفتوں کی یہ خاص علامت ہے کہ اُن میں سوز و گداز بزرگانِ دین کا ادب و احترام خوش عقیدگی وغیرہ ایسے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ بارگاہِ وارثیؒ میں یہ بات عام طور پر پائی جاتی ہے چشمِ پرنم بھی بارگاہ وارثی کی یادگار ہے۔ حضورؒ انور کا نام لینے والوں میں یہ علامتِ عشق و محبت خاص طور پر موجود ہے۔

یہ حضورؒ انور کی معمولی تاثیرات تھیں۔ تعلیم و تلقین کے یہ نتائج نہیں تھے۔

حضورؒ انور کے یہاں حلقہ نہیں ہوتا تھا نہ مریدین و خدام کو توجہ دی جاتی تھی۔ غرضکہ کوئی قاعدہ اور ضابطہ ایسا نہیں تھا

جس کو زمانہ حال[1] کے موافق تعلیم سمجھا جائے۔

آنکھیں بند کرکے جو تصور وغیرہ کیا جاتا ہے "ناشغل ہوتا ہے۔ اس کی بھی حضورِ پرنور تعلیم نہیں دیتے۔ بلکہ کھلی ہوئی آنکھوں میں تصور و شغل وغیرہ کا ارشاد تھا۔ جیسا کہ حضورِ پرنور کے زمانۂ طفولیت کے حالات میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ عبدالمنعم صاحب رضی اللہ عنہ کی خانقاہ میں ایک درویش کو آنکھیں بند کرکے بیٹھنے پر حضورِ پرنور نے فرمایا:

"مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى"

زمانۂ طفولیت سے آخر وقت تک حضور کی یہی تعلیم رہی۔

چنانچہ عالیجناب ڈائرپیل جسٹس، مولوی سید شرف الدین صاحب وارثی بالقابہ تحریر فرماتے ہیں کہ: "حضورِ پرنور نے مجھ سے اکثر ارشاد فرمایا ہے کہ آنکھیں بند کر لینے سے کیا ہوتا ہے؟"

"مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى" مظہرِ الٰہی ہر جگہ موجود ہے تماشا دیکھو"

ایک مرتبہ میں ریل میں حضورِ پرنور کی خدمتِ عالی میں حاضر تھا حضورِ پرنور کوچ پر لیٹے ہوئے تھے اور میں نیچے لیٹا ہوا تھا میری آنکھیں اس وقت بند تھیں اور میں دل ہی دل میں غور کر رہا تھا کہ ریل چل رہی ہے، اسمیں آگ اور پانی ہے حضرت بھی موجود ہیں اور میں بھی ہوں دونوں جانب وسیع جنگل ہیں ان میں ہزاروں جانور ہیں اور یہ سب کچھ وہی ہے۔ اتنے میں حضرت نے میرے شانے پر ایک گھونسا مارا اور فرمایا:

"دوسرا ابھی ہے"

میں نے عرض کیا "آنکھ ہو تو دیکھوں" حضورِ پرنور مسکرا کر لیٹ رہے۔

مولوی — رونق علی صاحب وارثی الرزاقی پیتھے پوری ناقل ہیں کہ نقشبندیہ

---

[1] ۱۲۳۳ھ تا ۱۳۲۳ھ
۱۲۳۸

خاندان کے ایک درویش جن کو مراقبہ میں کمال تھا حضورؐ پر نور کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضورؐ انور استراحت فرما رہے تھے اور کچھ لوگ حاضر خدمت تھے، اُن سے مخاطب تھے۔ اِن نقشبندی بزرگ کو موقع مل گیا اور ایک گوشہ میں بیٹھ کر انہوں نے مراقبہ شروع کر دیا جس میں وہ حضورؐ انور کا کمال دیکھنا چاہتے تھے۔ تھوڑی دیر میں حضورؐ انور اٹھے تو ان کو مراقب دیکھا۔ حضورؐ انور امتحان کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اِس لیے اسی وقت جلال سے چہرۂ مبارک سُرخ ہوگیا اور ان نقشبندی صاحب سے ارشاد فرمایا:

"آنکھیں بند کر کے کیا دیکھتے ہو، آنکھ بند کر کے دیکھا تو کیا دیکھا۔ آنکھ کھول کر دیکھو۔ آنکھوں کے ہوتے ہوئے نابینا ہو جانا خدا کی ناشکری ہے۔"

انہوں نے آنکھ کھول دی اور جیسے ہی حضورؐ پر نظر پڑی بیتاب ہو کر قدموں پر گر پڑے۔

خدا جانے انہوں نے کیا دیکھا زبان سے صرف اتنا کہا:

"میری ساری عمر مراقبہ اور ریاض میں گذر گئی مگر اس وقت جو حضورؐ کے جلال میں شانِ رحمت دیکھی وہ کسی میں نہیں پائی بلکہ آج میری محنت کا ثمر ملا ہے۔"

نہایت خوشامد سے انہوں نے درخواست کی کہ حضورؐ انور ان کو اپنی بیعت سے بھی سرفراز فرمائیں۔ لیکن حضور نے منظور نہیں فرمایا۔ اور یہی جواب دیا:

"ہم کسی کے مُرید کو چھین لینا پسند نہیں کرتے" اور ان کے پیر و مرشد کی نسبت یگانگت سے فرمایا:

"جب ان کے مرید ہو تو ہمارے مرید ہو فقیری میں سب سلسلے ایک ہیں دوئی نہیں ہے۔"

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ حضورؐ انور بند آنکھ پر کھلی ہوئی آنکھ کو ترجیح دیتے تھے اور شغل وغیرہ میں یہ نیا طریقہ حضورؐ انور کی تعلیم میں تھا۔ حضورؐ انور ہر ایک بات کی ماہیت و حقیقت پر نظر رکھتے تھے اور بھی فیوض تھے جو آپؐ کی ذات بابرکات سے جاری تھے۔

چنانچہ مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی تحریر فرماتے تھے کہ جوار لکھنؤ میں ایک معمر اور بزرگ درویش تھے جن کو شغلِ آئینہ میں ایسی مہارت تھی کہ ان کی توجہ کا ہر شخص پر پورا اثر ہوتا تھا اور مجھے ان کی خدمت میں بہت نیاز حاصل تھا مگر اتفاق سے ایک محفلِ سماع میں انہیں بزرگ کے اس فیض سے مجھے رُوگردانی کرنا پڑی اور میری یہ سوءِ ادبی ان کو ناگوار خاطر بھی ہوئی چند روز کے بعد جب وہی بزرگ دیوہ شریف میں تشریف لائے۔ مجھے ان کو دیکھ کر خوف ہوا کہ حضورِ انور سے میری اس روگردانی کی شکایت کریں گے تو ضرور میں معتوب ہو جاؤں گا۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ پہلے ہی اس واقعہ کو عرض کر دیا جائے۔

چنانچہ میں اسی وقت حضورِ انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے وہ واقعہ پورا عرض کر دیا۔ ہنوز میں خدمتِ عالی میں حاضر تھا کہ وہ بزرگ بھی آئے۔ حضورِ انور نے اُن سے معانقہ کیا اور مسکرا کر فرمایا:

"تمہاری توجہ کی بہت شہرت ہے ہم پر بھی ڈالو۔"

وہ بزرگ قدم بوس ہوئے اور عرض کیا:

"میری کیا مجال جو حضورؐ پر توجہ ڈالوں۔"

حضورؐ نے خادم سے حسبِ دستور مٹھائی وغیرہ دینے کے لیے ارشاد فرمایا۔

جب وہ بزرگ رخصت ہو گئے تو میں نے عرض کیا کہ اگر وہ حضورؐ سے کہتے کہ "آپؐ مجھ پر توجہ ڈالیں" ارشاد فرمایا:

"ہم توجہ ڈالتے۔"

میں نے عرض کیا: "اگر حضورؐ توجہ ڈالتے ہیں تو ہم لوگوں پر بھی توجہ ڈالا کیجیے۔"

آپؐ نے قریب بلایا۔ جب میں بالکل قریب حاضر ہوا تو فرمایا:

"یہ توجہ ڈالنا تو ایک قسم کا تماشا ہے۔ اصل توجہ وہ ہے کہ اگر موتی پر

توجہ ڈال دے تو وہ پانی ہو جائے"۔

اتفاق سے حضورؒ کے اس ارشاد کا مطلب میری سمجھ میں نہ آیا میں نے عرض کیا "اگر پتھر پر توجہ ڈالی جائے تو کیا ہو؟"

فرمایا "وہ پتھر خاک ہو جائے"۔

اب اس ارشاد کا مطلب میری سمجھ میں آیا کہ توجہ اس کو کہتے ہیں جو حجاب تعین کو اٹھا دے اور اصل سے ملا دے۔ جیسے موتی کی اصل اس کا پانی ہے۔ یا پتھر کہ اصل اس کی خاک ہے۔ مگر ایک حجاب ایسا حائل ہو گیا کہ اپنی اصل سے الگ ہو گئے، کامل توجہ کا یہ اثر ہے کہ وہ حجاب تعین اٹھا دے اور موتی کو پانی پتھر کو خاک کر دے۔ یعنی اصل سے ملا دے۔ یہی توجہ اگر انسان کے قلب پر ڈالی جائے تو وہ اپنی اصل سے مل جائے اور عین ذات سے سرشار ہو جائے اور فی انفسکم افلا تبصرون کی حقیقت کھل جائے۔

حضورؒ پر نور کے ارشادات سے کامل طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک بات کی حقیقت و ماہیت پر نظر تھی۔ یہ بات بھی حضورؒ انور کی خصوصیات میں تھی کہ محفل سماع وغیرہ میں بھی حسب قاعدہ مروجہ نشست فرما کر توجہ نہیں دیتے تھے مگر یہ عجیب بات ہے کہ حضورؒ انور کے سلسلہ عالیہ میں اس قسم کے بھی اکثر طریقے دیکھنے میں آتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کو تعلیم ضرور ہوئی ہے مگر حضورؒ انور کا کوئی طریقہ ایسا دیکھنے میں نہیں آتا نہ مستند حضرات سے سنا گیا۔ شاید اس کا یہ سبب ہو کہ حضورؒ پر نور کو اخفا بہت مد نظر تھا اور ایسے افعال سے جن سے کسی قسم کا اظہار ہو سخت تنفر تھا اور یہی ـــــــ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضورؒ نے علانیہ کبھی اس انداز سے توجہ نہیں ڈالی جس پر توجہ کا اطلاق ہو سکے بلکہ جن لوگوں نے ایسا کیا وہ مورد عتاب ہوئے اور حضورؒ پر نور نے ان کے اس فعل کی گرفت فرمائی۔ چنانچہ سید علی حامد شاہ صاحب چشتی قادری سجادہ نشین سانڈی ضلع ہردوئی تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۸۵۹ء میں حضورؒ انور سانڈی میں تشریف لائے اور قلع کی مسجد میں قیام فرمایا۔ اس مسجد کے قریب ایک اور بھی مسجد ہے

جو خطیبوں والی مسجد کے نام سے مشہور ہے اس مسجد میں ایک وارثی درویش جو خرقہ پوش تھے نماز پڑھنے کے لیے آئے اور ان کے ساتھ ہی ان کے ایک پیر بھائی منشی رحم رحمان صاحب وارثی بھی آئے جب یہ دونوں نماز پڑھ چکے تو خدا جانے کیا بات ہوئی کہ ایک دوسرے پر توجہ ڈالنے لگے۔ مغرب کی نماز کے بعد سے عشا کے وقت تک یہی حالت رہی کہ دونوں صاحبوں کا مقابلہ رہا۔ بالآخر منشی رحم رحمان صاحب بیہوش ہو گئے اور گر پڑے۔

اِدھر تو یہ واقعہ پیش آیا اور اس طرف حضرت حاجی صاحب قبلہ خود بخود اٹھ بیٹھے اور ایک خادم سے ارشاد فرمایا کہ :

"رحم رحمان بیہوش ہیں ان کو خطیبوں والی مسجد سے اٹھا لاؤ "

خرقہ پوش صاحب کی نسبت فرمایا :

"اس سے کہنا تو بالکل کم ظرف ہے، ضبط نہیں کر سکتا اور دوسروں پر اثر ڈالکر اپنے کمال کو نمایاں کرنا چاہتا ہے۔ اپنا نقصان اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے میں جتنا چھپاتا ہوں، تو ظاہر ہوتا ہے "

بہت کچھ ارشاد فرمایا۔ جب یہ دونوں بارگاہِ عالی میں حاضر کیے گئے تو منشی رحم رحمان پر پانی وغیرہ چھڑکا گیا وہ اپنے ہوش میں آ گئے اور خرقہ پوش صاحب پر آپؒ نے اظہارِ ناراضگی فرمایا۔ اس وقت تمام حاضرین دہشت زدہ تھے انہوں نے قدموں پر گر کر منت زاری سے معافی کی درخواست کی چنانچہ فوراً ہی قصور بھی معاف ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضورِ انور کوئی فعل ایسا پسند نہیں فرماتے تھے جس سے کوئی ایسی بات پیدا ہو جو کمال کو ظاہر کرنے والی ہو، یا جس سے صاحبِ تاثیر ہونے کا پتہ چلے۔ آپ اپنے فقرا کی نسبت اکثر ارشاد فرماتے تھے :

"ہم فقیر بنانا چاہتے ہیں اور یہ مشائخ بنے جاتے ہیں "

حضورِ پُرنور کا مسلک محویت و از خود رفتگی پر مبنی تھا اور یہی حقیقی تعلیم تھی۔ حضورِ انور کے مریدین میں سوز و گداز اور جوشِ رقت لازمی ہے مگر اکثر بزرگ

صاحبِ کیف و حال بھی ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ حضورِ پُرنور کے سلسلۂ عالیہ میں ایسے افراد کی بھی کمی نہیں ہے جو غلبۂ شریعت کے باعث قطعی طور پر محافلِ سماع سے دلچسپی نہیں رکھتے اور ان کے مشاغل بھی اسی مذاق کے لحاظ سے ہیں مگر جذباتِ محبت میں وہ بھی اُن اربابِ ذوق و شوق سے پیچھے نہیں ہیں جو ایسی محفلوں کے دلدادے ہیں۔ حضورِ پُرنور طبیعتوں کے رجحان اور مذاق کے موافق فیوض و برکات سے مستفید فرماتے تھے۔ البتہ بعض افراد جو معترض بنکر حضور کی خدمت میں آتے تھے اور ان کا یہ دعویٰ ہوتا تھا کہ کیف و حال کوئی چیز نہیں ہے۔ ان کو آپ جواب میں ضرور صاحبِ حال بنا دیتے تھے۔ کیونکہ یہ بات حضورِ پُرنور کی خصوصیات میں تھی کہ جواب نہیں دیتے تھے مشاہدہ کرا دیتے تھے۔

مولوی محمد اسحاق صاحب وارثی اٹاوی مرحوم مغفور روایت کرتے تھے اور منشی ذاکر علی صاحب متوطن اٹاوہ بھی اس واقعہ کو اپنا چشمدید بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ پُرنور کے والد ماجد حضرت سیدنا قربان علی شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کا عُرس تھا۔ ایک واعظ کھڑے ہوئے وعظ کہہ رہے تھے جس میں اربابِ حال پر طعنہ زنی تھی سامعین میں سے کسی نے کہا: "ہم سے کیا کہتے ہو اُن سے کیوں نہیں کہتے جو ان اسباب کا سبب ہیں"۔

اس پر جناب واعظ کو طیش آ گیا اور وہ غصہ میں بھرے ہوئے سیدھے بارگاہِ وارثی میں چلے گئے۔ وہاں کس کی ہمت تھی جو بغیر مرضیٔ مبارک لب ہلا سکے، واعظ صاحب جاتے جاتے حیرت زدہ ہو کر عالمِ سکوت میں کھڑے ہو گئے اور ایک لفظ اُن کی زبان سے نہیں نکلا اور لوگوں نے عرض کیا کہ:

"مولوی صاحب کو اربابِ کیف و حال پر اعتراض ہے اور سب کو دوزخی اور مردود وغیرہ کے خطاب سے مخاطب فرما رہے ہیں"۔

حضورِ پُرنور نے ان کی طرف دیکھ کر صرف اتنا ارشاد فرمایا کہ:

"مولوی صاحب تو بڑے صاحبِ حال ہیں۔ مولوی صاحب تو بڑے صاحبِ حال ہیں"۔ حضورِ پُرنور کا یہ فرمانا تھا کہ مولوی صاحب کی حالت میں ایک

غیر معمولی تغیر پیدا ہوا اور وہ نہایت ادب سے قدمبوس ہو کر مستانہ وار جھومتے ہوئے قوالی میں پہنچے اور اس زور شور سے حال آیا کہ مولوی صاحب کے مقابلہ میں دیرینہ اربابِ ذوق کی کیفیتیں بھی ماند پڑ گئیں۔ وعظ و پند سب بھول گئے ماہیئے بے آب کی طرح سڑک پر تڑپتے پھرتے تھے۔

منشی عبدالغنی خاں صاحب قبلہ وارثی رئیس پورہ غنی خاں ضلع رائے بریلی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور انور رائے بریلی میں رونق افروز تھے احرام شریف کا جلوس نکل رہا تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے سے قوالیاں ہوتی جاتی تھیں انبوہِ خلائق بے شمار تھا لوگوں پر مدہوشی چھائی ہوئی تھی وجد و حال کی محفل گرم تھی۔ دو شخص اربابِ ذوق و شوق کا مذاق اڑا رہے تھے۔ ایک تو افغان تھے اور دوسرے رجب خاں ساکن سندھیانواں ضلع سلطان پور۔ ان دونوں کی مخالفانہ باتیں لوگوں کو ناگوار ہو رہی تھیں اسی حالت میں احرام شریف کا جلوس حضور کی جائے قیام تک پہنچا وہاں محفل آراستہ تھی قوالی ہونے لگی۔ حضور انور محفل میں رونق افروز نہیں تھے۔ اندر مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ مگر آپ کے سامنے حاضر و غائب یکساں تھے۔ اسی مجمع کثیر میں تین شخصوں کو نہایت زور شور سے حال آیا ایک تو وہی افغان صاحب تھے، دوسرے رجب خاں اور تیسرے ایک صاحب عبدالرحیم ساکن رائے بریلی تھے۔ ان کی نسبت بعد میں علم ہوا کہ یہ بھی طعنہ زنی میں شریک تھے۔ چنانچہ ان لوگوں کے حال کی یہ کیفیت تھی کہ ایک ایک کو دس دس آدمی پکڑتے تھے مگر وہ کسی سے تھمتے نہیں تھے۔ سر ٹپکتے تھے اور کبھی گریہ زاری کرتے تھے کبھی رقص کرتے تھے۔ مختلف حالتیں تھی۔ تمام کپڑے ان کے پھٹ گئے اور سر سے پاؤں تک مجروح ہو گئے۔ قوالی کے بعد بھی ان کی یہی حالت رہی۔ دو دن حضور نے قیام فرمایا اور ان کو بھی دو دن تک بالکل ہوش نہیں آیا۔

تیسرے دن جب حضور رخصت ہونے لگے تو ممن خاں نے (جن کے مکان پر حضور قیام پذیر تھے) عرض کیا کہ "حضور تو تشریف لیے جاتے ہیں وہ تینوں شخص معلوم ہوتا ہے اسی حال میں مر جائیں گے۔"

حضورؒ نے ارشاد فرمایا :

" ان کا ہاتھ منہ دھلادو اور ذرا سا پانی پلادو "

چنانچہ حضورؒ کے حکم سے جیسے ہی ان کا ہاتھ منہ دھلایا گیا ان کو فوراً افاقہ ہو گیا اور وہ اپنے حواس میں آگئے۔ یہ تینوں شخص مدت العمر صاحب کیف و حال رہے منشی عبدالغنی خان صاحب وارثی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رجب خان سے مجھے ملنے کا اتفاق ہوا۔ میں نے ان کا حال دریافت کیا تو حضورؒ انور کا نام نامی زبان پر آتے ہی رونے لگے۔ حضورؒ کی شان پر قربان ہوتے تھے اور بار بار کہتے تھے کہ میں اپنے قصور پر نادم ہوں۔ مگر واہ کیا سرکار ہے ہمیں سرزنش کرنے کا تو کیا ذکر ہمیں وہ نعمت عطا فرمائی جس سے دین و دنیا کی سرخروئی نصیب ہو گئی۔

بارگاہِ وارثی میں جو شخص حاضر ہوتا تھا اس کے شکوک و توہمات فوراً اٹھا دیئے جاتے تھے۔ ہر ایک معترض کو ایسا ہی جواب ملتا تھا کہ وہ خود اپنے سوال کا جواب بن جاتا تھا۔

علاوہ ازیں اکثر افراد نے صاحب وجد و حال بننے کی خواہش ظاہر کی تو ان کو حضورؒ نے کوئی شغل وغیرہ اس کے متعلق تعلیم نہیں فرمایا نہ بظاہر توجہ ڈالی بلکہ زبانِ مبارک سے اشارہ فرمادیا اور وہ کامیاب ہو گئے۔

محمد یعقوب خان وارثی ناقل ہیں کہ میرے بھائی منشی محمد ناصر خان صاحب متوطن قصبہ رنجیت پورہ ضلع اوناؤ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ۱۸۸۴ء میں صفی پور کے عُرس میں شریک ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ لوگوں کو خوب وجد و حال کی کیفیتیں ہو رہی ہیں۔ ان کو بھی خیال ہوا کہ " کاش ہم بھی صاحب کیف و حال ہو جائیں "

چنانچہ وہ دیوہ شریف میں حاضر ہوئے اور حضورؒ انور کی خدمت بابرکت میں عرض کیا تو آپؒ نے فرمایا :

" تم کو بھی شوق پیدا ہوا ہے "

اور اس کے بعد رخصت فرمادیا۔

ایک مرتبہ قصبہ رنجیت پورہ میں حضرت نعمت اللہ شاہ صاحب وارثیؒ

کے مزار پر قوالی ہو رہی تھی۔ منشی محمد ناصر خاں اسمیں شریک ہوئے اور ان کو حال آگیا اور ایسا حال آیا کہ تین شبانہ روز تک بالکل بے ہوش رہے۔ پھر حضوؒر کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایسے حال سے تو بڑا حرج ہے۔

آپؒ نے فرمایا:

"اچھا جوتے پہنے رہا کرو۔ جب تک جوتے نہ اتارو گے حال نہ آئیگا"

اب منشی محمد ناصر خان صاحب کی یہ کیفیت ہے کہ جوتا پہنے ہوئے کھڑے رہیں یا فرش کے کنارے بیٹھے رہیں تو حال نہیں آتا مگر جیسے ہی جوتا اتار کر محفل میں بیٹھے اور حال آگیا۔

جو کچھ تھا وہ حضور کے ارشاد فیض بنیاد میں تھا۔ بالکل یہی معاملہ تھا جیسا کہ حضوؒر پُر نور کا ارشاد ہے:

"یہاں کچھ نہیں ہے اور پھر سب کچھ ہے"

حقیقت یہ ہے کہ آپؒ کی محبّت کا شغل اور آپؒ کے اوصاف کا ذکر ہی غلامانِ وارثیؒ کے لیے سب کچھ ہے اور اس کے سامنے کسی چیز کی ہستی نہیں، سب ہیچ ہے ؎:

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
تصوّر میں ترے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

بعض مجاہدات تعلیم

حضوؒر انور کے دربار میں اگرچہ عطا و بخشش کا لنگر جاری تھا مگر جیسا کہ مذکور ہوا ہے۔ آپؒ نے تعلیمات سے بھی مستفید فرمایا۔ اور آپؒ کی مقدّس روحانیت نے تعلیمات میں بھی وہ شانِ خصوصیت دکھائی جو اپنی آپؒ ہی نظیر ہے کہ امورِ دشوار کو سہل کر دیا اور حاضر و غائب کو ناکام نہیں چھوڑا طالبانِ صادق نے جو خواہش کی اسمیں کامیاب ہوئے اور حضوؒر انور نے خد کی تمام نعمتوں سے مستفید فرمایا۔

جس طرح حضورِ پُرنور کی ذات بابرکات نہایت مستم بالشان اور ارفع واعلیٰ تھی اسی طرح وابستگانِ دامنِ دولت نے بھی ایسی ثابت قدمی اور سرگرمی دکھائی جو استقلال و مردانگی کی دلیلِ روشن ثابت ہو رہی ہے۔

اگر کسی حلقہ بگوش کے واسطے حضورؒ نے کوئی مجاہدہ تعلیم فرمایا تو وہ بھی ایسا دیکھا گیا ہے جو نہایت دشوار اور بظاہر فطرتِ انسانی کے خلاف ہے مگر طالبین کے جذباتِ عشق و محبت اور حضورؒ انور کے حسنِ خداداد اور روحانی تصرفات نے وہ کرشمہ دکھایا جو حیرت کی نگاہوں سے دیکھا گیا اور جس کی پابندی بغیر کمالِ عشق قطعی ناممکن ہے۔ حضورؒ انور کی محبت میں جو مصائب غلامانِ وارثیؒ نے برداشت کیے ان کا خیال آنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یوں تو عارضی اور وقتی مجاہدہ قریب قریب ہر مرید کو پیش آیا ہوگا مگر تمثیلاً ایسے مجاہدات کا ذکر کیا جاتا ہے جو عدیم المثال ہیں اور جن کو نہایت تعجب و حیرت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

مستقیم شاہ صاحب مقیم اجمیر شریف کو حکم ہوا کہ:

"اب آنکھ نہ کھولنا اور دنیا کی کسی چیز کو نہ دیکھنا۔"

چنانچہ ستر برس سے زائد زمانہ ہو گیا کہ اس مطیعِ حکمِ وارثؒ نے آنکھ نہیں کھولی اور دنیا کی کسی چیز کو نہیں دیکھا۔

حافظ گلاب شاہ صاحب وارثی اکبرآبادی کو یہ فرمان ہوا کہ:

"آنکھ نہ بند کرو بیدار رہو۔"

چنانچہ وہ اس حکم کے بعد چوالیس سال تک زندہ رہے اور کبھی آنکھ بند کی نہ سوئے۔ ایک پتھر سے سہارا لگائے ہوئے بیٹھے رہتے تھے۔

عبدالرزاق شاہ صاحب وارثیؒ کو حکم ہوا کہ "بات نہ کرو۔"

جناب شیدا میاں صاحب اس حکم کا تفصیلی واقعہ ارقام فرماتے ہیں جو یہ ہے کہ:

شاہ صاحب موصوف ضلع بارہ بنکی کے باشندے تھے مگر بارہ ضلع

پٹنہ میں زیادہ قیام رہتا تھا۔ ایک مرتبہ حضورِ انور باگی پور میں نعمان بہادر مولوی فضل امام صاحب کے مکان پر قیام پذیر تھے۔ بہادر علی نعمان صاحب رئیس باڑہ کے ہمراہ عبدالرزاق شاہ صاحب بھی حضورؒ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے اور شاید بے محل ان کی زبان سے کوئی بات نکل گئی کہ حضورِ انور نے فرمایا؛

"چُپ رہو"

اسی وقت سے شاہ موصوف خاموش ہو گئے اور حضورؒ کی مراجعت کے بعد بھی اپنی ضروریات کی باتوں کو اشاروں سے بتاتے تھے۔

دو سال کے بعد جب حضورؒ پھر باگی پور تشریف لے گئے تو چند معتقد حضرات عبدالرزاق شاہ صاحب کو اپنے ہمراہ حضورؒ کی خدمتِ عالی میں لائے اور سب نے یک زبان ہو کر عرض کیا کہ ان کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ لہٰذا بات کرنے کی اجازت ہو جائے۔

آپؒ نے شاہ صاحب کی طرف دیکھ کر فرمایا؛

"بات کرنا چاہتے ہو؟"

شاہ صاحب خاموش رہے۔

حضورؒ نے تھوڑے سکوت کے بعد مسکرا کر فرمایا؛

"وضعداری کے خلاف ہے اب کیا بولو گے تھوڑی عمر جو باقی ہے اس کو یونہی کاٹ دو۔"

یہ سُنکر شاہ صاحب کے آنسو بہنے لگے۔

پھر حضورؒ نے متبسم لبوں سے فرمایا؛

"عبدالرزاق شاہ دنیا میں تو کیا بولو گے قبر میں بھی نکیرین کو جواب نہ دینا۔"

اس کے بعد مُنہ پر ہاتھ رکھ کر حضورؒ انور نے تبسم فرمایا اور عجیب جوش کے لہجہ میں ارشاد فرمایا:

عبدالرزاق شاہ قیامت کے دن اگر خدا بھی سوال کرے تو جواب

نہ دینا۔"
یہ حکم سنکر شاہ صاحب تو نہایت محظوظ و مسرور ہو کر قدمبوس ہوئے اور تمام حاضرین دیر تک بکیف رہے' اور ایک ہی سال کے اندر شاہ عبدالرزاق صاحب نے اس قفسِ عنصری سے رہائی پائی۔ فَقَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

خدا بخش صاحب کو غلہ کے ساتھ حیوانات بلکہ جمیع نباتات کی بھی ممانعت تھی چند روز تک تو پانی میں راکھ گھول کر وہ پیتے رہے۔ آخر یہ حکم ہوا کہ اس محدود مقام پر جو چیز خود پیدا ہو جائے اس کو بغیر نمک مرچ کے کھا لیا کرو۔ چنانچہ چھتیس سال تک اس صابر و قانع مردِ خدا نے وہاں کی گھانس کو ابال کر کھایا۔ حضورِ انور کی محبت کا کرشمہ تھا کہ ایسے سخت اور دشوار حکم کی پابندی میں شاہ خدا بخش صاحب سے آخر وقت تک ایسی ثابت قدمی اور استقلال کا اظہار ہوا ہے جو عدیم المثال ہے۔

جنگلی شاہ صاحب حضورؒ کے ایک فقیر تھے جو ریاست محمود آباد کے راستہ میں ایک جنگل میں رہتے تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضورؒ اس راستے سے گذر رہے تھے مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثیؒ حضورِ انور کے ہمراہ تھے۔ مرزا صاحب کا بیان ہے کہ آپؒ نے تھوڑی دیر راہ میں قیام فرمایا۔ ایک درویش نے اسمِ حق کی ضرب لگائی اور جنگل سے نکل کر قدمبوس ہوئے۔ چند منٹ کے بعد آپؒ نے فرمایا:

"جنگلی شاہ جاؤ۔"

یہ حکم سن کر وہ چلے گئے۔ ان کی دحشت آگیں صورت دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔

میں نے عرض کیا "حضورؒ یہ کون تھا؟"

فرمایا: "یہ پہلے بہت خوشحال اور قابل شخص تھا مگر جب سے فقیر

ہوا ہے ہم نے کہہ دیا ہے کہ جانوروں کے ساتھ رہا کرو۔"

مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی ناقل ہیں کہ:

مراث شاہ صاحب بھاگل پوری جو پہلے ہندو تھے اور حضورؒ کی محبت میں ترکِ دنیا پر مائل ہوئے۔ انہوں نے ایک مرتبہ مجھے فرمایا کہ حضورؒ انور سے التماس کر دو کہ مجھکو کوئی جوگ تعلیم فرمائیں۔ شاہ صاحبؒ کی یہ خواہش جب میں نے عرض کی تو فرمایا:

"سمجھا دو بھوگ میں جوگ کریں۔"

میں نے دست بستہ عرض کیا "میں خود نہیں جانتا اُن کو بھوگ میں جوگ کیونکر سمجھاؤں۔"

آپؒ نے فرمایا:

"پہلے وہ چیز کھا کر پیٹ بھریں جو اپنی جنس کا تخم ہو مثل آلو، اروی، شکر قند وغیرہ کے کیونکہ یہ خود تخم ہیں اگر ان کو کھایا جائے گا تو گویا ان کا تخم قطع ہوا۔ ہاں آم، خربوزہ، کدو وغیرہ کا مغز کھائیں اور تخم کی حفاظت کریں جب اس کی عادت ہو جائے تو مغز کا کھانا بھی ترک کر دیں اور دفعِ اشتہا کے لیے پھلوں کو سونگھ لیا کریں۔ جب اس پر بھی قدرت ہو جائے تو سونگھنا بھی ترک کریں اور تسکین نفس کے لیے صرف دیکھ لیا کریں اور جب اتنی قوت ہو جائے تو دیکھنا اصل بھوگ میں جوگ یہ ہے۔

اس ہدایت کے مطابق شاہ صاحبؒ نے عمل کیا تھا۔ مگر افسوس ہے بہت جلد ان کا انتقال ہو گیا۔ معلوم نہیں انہیں کس حد تک اس پر عبور ہوا تھا۔

جناب احمد شاہ صاحب قبلہ وارثی مقیم دربھنگہ کا مذاق بھی اسی انداز کا ہے اور ان کے اکثر عادات جوگ سے مشابہ ہیں۔ جناب شیدا وارثی تحریر فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ حضورؒ پر نور نے ان سے ارشاد فرمایا:

"کہ احمد شاہ جوگ نفس کشی کو کہتے ہیں اور نفس کشی لازمی ہے۔ چنانچہ

قرآن میں اس کی تعلیم ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط یعنی جس سے زیادہ محبت کرتے ہو اُس کو ترک کر دو تو بڑا محبوب تر کیا شے ہے۔ فقرا کا مسلک یہ ہے کہ انسان کو زیادہ تر محبوب اپنی عافیت ہے۔ پس فقیر کو چاہیئے کہ سامان عافیت ترک کرے اور خیال عافیت کو قلب سے نکالے۔ اور خدا کی محبت میں خوشی سے تکلیف اٹھائے۔"

ایک عالم متبحر باشندہ بغداد شریف حضورؒ کے حلقہ بگوش ہوئے اور طلبِ حق میں تارک الدنیا ہو کر تہہ بند پوش ہو گئے۔ حضورِ پرنور نے ان کا نام بغدادی شاہ رکھا۔ پہلے حکم دیا:

"مصر کی سیر کر آؤ"

کچھ عرصہ کے بعد وہ مصر سے واپس آئے اور لکھنؤ میں حضورؒ کی قدمبوسی سے مشرف ہوئے۔ اسی وقت ارشاد ہوا:

"چین اور نیپال کی سیر کر آؤ"

وہ راہِ خدا کے مجاہد اسی وقت روانہ ہو گئے اور عرصہ دراز کے بعد جب آئے تو حضورِ انور نے ان کو ہدایت فرمائی:

"پرانا جوتا سی کر چار پیسہ روز کی مزدوری کیا کرو اور شام کو دو پیسہ سے افطار کرو اور دو پیسہ خدا کی راہ میں محتاجوں کو تقسیم کر دیا کرو"

اس جواں مرد نے عرصہ تک اسی طرح بسر کی اور راہئی ملک بقا ہوا۔"

بی بی جمن تہہ بند پوش کو حکم تھا کہ کھڑی نہ ہو۔"

چنانچہ اس مطیع حکم وارثیؒ نے اس طرح تعمیل کی کہ دونوں پاؤں بیکار ہو گئے اور تمام عمر یونہی گذر گئی۔ آخر علی گڑھ میں انتقال ہوا۔

رومی شاہ مغربی حضورؒ کے تہہ بند پوش فقیر تھے اور ان کو مجرّب نسخے بھی یاد تھے اور مغربی قاعدہ سے کیمیا بھی بناتے تھے ان کو یہ حکم تھا کہ "بغیر طلب و اشارت کے جو کھانا لائے اس میں سے بھی نصف استعمال میں لاؤ اور نصف محتاجوں کو دیا کرو"

عرصہ تک عظیم آباد میں رہے اور آخر مونگیر میں انتقال کیا۔
جناب شیدا میاں وارثی ناقل ہیں کہ حضورؒ نے میرے والد ماجد کو حکم دیا :
"جو کچھ پڑھا ہے بھول جاؤ۔"
انہوں نے اس ارشاد کی تعمیل میں یہاں تک پابندی کی کہ میں نے دیکھا ہے آخر زمانہ میں وہ اپنے دستخط نہیں کر سکتے تھے۔
ایک مرتبہ میری بہن بغدادی قاعدہ پڑھتی تھی اتفاق سے بھول گئی۔ان سے دریافت کیا تو وہ نہ بتا سکے۔
غلامانِ وارثی کی پابندیاں بھی ضرب المثل ہیں۔شیدا میاں وارثی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ قصبۂ ملانواں ضلع اناؤ میں حضورؒ انور رونق افروز تھے۔شب کو خاصہ تناول فرمانے کے بعد مجھ سے ارشاد فرمایا :
"جہاں اور مہمان بیٹھے ہیں وہاں جا کر کہو کہ شملہ کے لوگ علیحدہ ہو جائیں اور جو لوگ شملہ کے ہوں ان کو تم علیحدہ کھانا کھلاؤ۔"
میں نے جا کر دریافت کیا تو پانچ شخص معمر اور ایک لڑکا شملہ کے باشندوں میں ملے۔ان کو علیحدہ کھانے کا انتظام کیا۔نگران میں سے ایک شخص نے کھانا نہیں کھایا۔جب اس سے سبب دریافت کیا گیا تو وہ زار زار رونے لگا۔اسی حالت میں اس نے کہا :
"آج ہم سے کیا قصور ہوا جو کھانا کھلایا جاتا ہے ان کی یہ حالت دیکھ کر میں بھی غمگین ہوا اور فوراً یہ حال حضورؒ میں عرض کیا۔
ارشاد ہوا : "اُن کو یہاں بلا لاؤ۔"
میں اُن کو جب خدمتِ عالی میں لے گیا تو حضورؒ نے ارشاد فرمایا :
"جمیل شاہ تم سے قصور نہیں ہوا بلکہ ہم خود بھول گئے۔"
اور اسی وقت اُن کو کھانا بھی کھلایا گیا اور ارشاد فرمایا :
"اب تم روز کھایا کرو۔"

اور تہہ بند و شیرینی وغیرہ دیگران کو رخصت فرما دیا۔
رات کو تخلیہ میں میں نے حضور پُر نور سے پوچھا: "یہ جمیل شاہ کون تھے؟"
ارشاد ہوا:
"یہ ہمارے مرید ہیں اور چالیس برس سے شملہ کے درّہ میں رہتے ہیں اور یہ غلہ نہیں کھاتے بلکہ ایک ریشہ دار درخت ہوتا ہے اس کا عرق پی لیتے ہیں، مگر آج ہم اپنا حکم خود بھول گئے اور کھانا کھلوا دیا۔"
یہ واقعہ قاضی رحمت علی صاحب وارثی اکبر آبادی نے بھی راقم الحروف کو تحریر فرمایا ہے وہ بھی اس وقت ملانواں میں موجود تھے۔
مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثی لکھتے ہیں کہ جب میں کربلائے معلی گیا تو سید جواد صاحب اس زمانہ میں کلید بردار تھے ان کی والدہ ماجدہ نے خود مجھے تلاش فرما کر حضورِ انور کے حالات بیان کئے اور اس دورِ وارثی کا تذکرہ کیا۔ جب عراقِ عرب میں آپؒ رونق افروز ہوئے تھے اور حضورؒ کے وہ تصرفات بیان کیے جن کی ہم کو خبر بھی نہیں ہے۔
میں نے دیکھا کہ حضورؒ کے فیوض و برکات ایک بیّن دلیل خود وہ ضعیفہ تھی جس کا نام بھی اتفاق سے رابعہ تھا۔ پہلے رابعہ کے حالات تو سنے تھے مگر اس رابعہ وارثیہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ باوجود تمامی اسباب امارت کے وہ صائم الدہر اور بوریہ نشین تھی۔
حضورِ انور کے فیوض و برکات سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے اور حضور پُر نور کے صفات برتر کی طرح آپؒ کے غلاموں کے مجاہدات بھی خاص شان رکھتے ہیں۔ جن سے علاوہ دیگر امور کے اس مسئلے پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ حضورِ انور کے دیکھنے والوں میں عاشقانہ جذبات کس حد تک تھے کہ اپنے عیش و نشاط کی بربادی کے علاوہ انہوں نے اپنی زندگی کو موت سے بدل دیا۔ بلکہ موت بھی ایسے مصائب کے سامنے ہیچ ہے اور یہ مجاہدات انہیں مقدس نفوس کا حصہ ہیں جو ازل سے

عاشقانِ الٰہی کی فہرست میں نامزد ہیں۔

حق یہ ہے کہ حضورِ انور کے شیفتگان جمال عدیم المثال آپؒ کی ہر ایک ادا پر مفتون تھے اور زندگی راحت میں گذرے یا مصیبت میں وہ آپؒ کے خیال پر جان دیتے تھے۔ ان کے یہ اہم مجاہدات ان کے کمالِ عشق کی بین دلیل ہیں ۔

کس کا منھ ہے جو کرے عشق ترے ابرو کا
منھ نہ تلوار سے موڑے یہ جگر کس کا ہے

مسئلۂ خلافت و جانشینی

سلسلۂ عالیہ وارثیہ میں یہ ایک نہایت معرکتہ الآرا مسئلہ ہے جس کے باعث طرح طرح کے خیالات پھیل گئے ہیں اگرچہ راقم الحروف بھی اس مسئلہ میں عرصۂ دراز تک مغالطہ میں رہا اور مختلف بیانات کے باعث اس سلسلۂ عالیہ وارثیہ میں خلافت وسجادگی کو تسلیم کرتا رہا۔ مگر تحقیق و تدقیق سے جو ثابت ہوا ہے وہ یہ ہے کہ آپؒ نے خود نہ کسی کو خلیفہ بنایا نہ سجادہ نشین نامزد کیا، نہ حضورِ انور کسی قاعدہ اور ضابطہ کے پابند تھے نہ مشائخانہ انداز تھا، نہ تعلیم کا وہ طریقہ تھا نہ بیعت کا وہ طرز تھا۔ حضورِ انور کے طریق میں جو بات تھی وہ خاص تھی اور اس کی مثال صرف آپؒ ہی کی ذات سے ملتی ہے۔ دیگر سلاسل اور خاندانوں میں نہیں ملتی۔ چنانچہ اس بارہ میں جو آپؒ کے ارشادات ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں۔

وسیلۂ بخشش میں ہے کہ حضورِ انور نے ارشاد فرمایا :

"منزلِ عشق برتر ہے ذکر واشغال سے جو کسب ہے۔ اور میں مذہبِ عشق رکھتا ہوں۔ اس مسلک میں سجادہ نشینی وغیرہ نہیں ہے جو شخص بادۂ عشق میں سرشار اور دامِ محبت میں گرفتار ہو گو خاکروب ہو یا چمار ہو وہ مجھ سے ہے۔"

جناب مولوی شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی (بیرسٹرایٹ لا مقیم انگلستان) تحریر فرماتے ہیں کہ آپؒ کی زبانی بارہا میں نے سنا ہے :

"ہمارا مشرب عشق کا ہے عشق میں کسب نہیں خدا کی دین ہوتی ہے۔ ہمارا

کوئی خلیفہ نہیں۔ عشق میں خلافت کسی کے ساتھ مخصوص نہیں جس کے دل میں عشق ہو۔"

مولوی نادر حسین صاحب وارثی نگرامی (سابق وکیل بارہ بنکی) جو بارگاہ وارثی میں شرفِ قدامت رکھتے ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ حضورؒ نے بمقام خاص نواب گنج ضلع بارہ بنکی مجھ سے ارشاد فرمایا:

"ہمارا کوئی جانشین نہیں ہے ہماری منزل عشق کی ہے۔ جو کوئی دعوی کرے وہ باطل ہے۔ نادر حسین تم سے اگر کوئی انگریز پوچھے تو یہی کہدینا۔"

میں نے عرض کیا "اگر لیفٹیننٹ گورنر جنرل پوچھیں گے تو یہی عرض کروں گا جو ارشاد ہوا ہے۔" قاضی بخشش علی صاحب سے ارشاد فرمایا:

"وہ تحریر لاؤ اور منشی جی کو دیدو۔"

"قاضی صاحب نے عرض کیا " ایک ہی تحریر ہے جو رکھی گئی ہے۔"

فرمایا:

"وہی لاؤ۔"

قاضی صاحب تحریر لائے۔ حضورؒ نے ملاحظہ فرما کر مجھے مرحمت فرمائی کہ اپنے پاس رکھو۔ چنانچہ وہ میرے پاس موجود ہے۔

یہ تحریر مولانا سید عبدالآد شاہ صاحب نے عین الیقین میں بھی نقل کی ہے۔ جس میں خلافت و سجادگی کا انقطاع ہے۔

حقیقتِ حال یہی ہے کہ حضورؒ انور نے کسی کو خلیفہ یا جانشین نامزد نہیں فرمایا اب سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ نہ آپؒ نے کسی کو سجادہ نشین بنایا نہ خلافت سے سرفراز فرمایا مگر حضورؒ کے اکثر فقراؒ لوگوں سے اکثر بیعت لیتے ہیں۔ ان کا یہ فعل کہاں تک جائز ہے؟

اس کا جواب حضورؒ انور کے حالات و واقعات غور کرنے سے جو متحقق ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضورؒ پُرنور کا طریقِ فقر بالکل جُداگانہ تھا جو مجاہدات و ریاضات آپؒ نے تعلیم فرمائے ہیں وہ اعلیٰ ترین تعلیمات پر مبنی ہیں۔ مگر حضورؒ انور کے دربار میں

کوئی خاص معیارِ تعلیم نہ تھا۔ آپؒ ہمہ تن پابندِ تسلیم و رضا تھے اور یہی آپکا مسلکِ حقیقی تھا۔ کبھی کوئی ظاہری انتظام بھی آپؒ نے نہیں فرمایا سب کام خدا کے حوالے تھے۔ آپؒ عادتاً اُن افعال کو پسند نہیں فرماتے تھے جو کسی غرض پر محمول ہوں، نہ کسی امید سے زہد و عبادت کو پسند کرتے تھے۔ جو بات بے لوث ہو وہی مرغوب خاطرِ اقدس تھی۔ اور حضورؒ کے محبانِ خاص کا بھی یہی شعار رہا اسی پردہ کاربند رہے۔

آپؒ کے جو فیوض و برکات تھے ان کا مختصر تذکرہ گذشتہ الواب میں ہوچکا ہے۔ جن کے مطالعہ سے یہ بات کامل طور پر متحقق ہوتی ہے کہ اگرچہ آپؒ نے اسنادِ خلافت سے لوگوں کو سرفراز نہیں فرمایا مگر فیوضِ خلافت سے ضرور ممتاز فرمایا ہے۔

علاوہ ازیں جن لوگوں کو آپؒ نے خرقہ مرحمت فرمایا ان کی بھی مختلف قسمیں ہیں بعض کو صرف تہہ بند مرحمت فرمایا بعض کو تہہ بند کے ساتھ لنگوٹ کا بھی حکم دیا بعض کو ان دونوں چیزوں کے ساتھ یہ اعزاز بھی مرحمت فرمایا کہ ان کا نام بھی بدل دیا۔

بعض کو بظاہر تعلیمات سے مستفید فرمایا بعض کی باطنی طریقہ سے تعلیم فرمائی حضورِ انور کی مصلحتوں کا ادراک بہت مشکل ہے۔ اس لیے اس پر کوئی رائے قائم نہیں کیجا سکتی کہ حضورؒ کے ان واقعات میں کیا اسرار تھے۔

حضورؒ کا خرقہ مرحمت فرمانا اپنی ہستی کو مٹا دینے کا سبق دینا تھا کیونکہ اکثر خرقہ مرحمت فرمانے وقت حضورِ انور نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"لو یہی لباس زندگی ہے اور یہی کفن ہے۔"

آپؒ کی تعلیم ریاضت و مجاہدات جس قدر اہم تھی اس کا خیال کرنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور ایسے جہادِ اکبر کے عاملوں کو بھی آپؒ نے خلافت نہیں دی۔

اس سے ظاہر ہے کہ آپ کی تعلیم یہی تھی کہ فنا ہوجاؤ اور اپنی ہستی کو مٹا دو

جب یہ درجہ حاصل ہو جائے گا پھر جو فعل بھی صادر ہوگا وہ اختیاری نہیں ہوگا بلکہ وہی قوت کام کرے گی جسمیں اپنی ہستی گم ہو گئی ہے۔

بقول حضرت مولینا شاہ تراب علی قلندر رحمت اللہ علیہ ؎ :

جب تک خودی ہے جب ہی تلک ہے خدا جدا
غیبت گر آپ سے ہو تو حق کا ظہور ہے

جب اپنے وجود میں واجب الوجود کی جلوہ گری ظاہر ہو گئی اور اپنی خواہشات کا کوئی اثر باقی نہ رہا تو گویا طالب و مطلوب میں عینیت ہو گئی۔ یہی منتہائے حقیقت اور یہی سندِ خلافت ہے جو حیات و ممات میں ضائع نہیں ہو سکتی۔

خلافت و سجادگی کے انقطاع سے پیری و مریدی کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ آپؒ نے اپنے حلقہ بگوشوں کو بیعت لینے سے منع نہیں فرمایا۔ جن لوگوں کا ایسا خیال ہے وہ حضورؒ انور کی مقدس روحانیت اور باطنی تاثیرات سے لاعلم ہیں۔

چنانچہ اس کے ثبوت میں ایسے واقعات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؒ پُر نور کے عہد میں بھی آپؒ کے فقرائے عالی اقتدار نے بیعت لی ہے۔

حاجی محمد شاہ صاحب وارثی (جو ایک خوش بیان واعظ ہیں) ناقل ہیں کہ مولینا مولوی ہدایت اللہ صاحب وارثی الانصاری محدث سورتی کا واقعہ ہے جو انہوں نے خود مجھ سے بیان فرمایا تھا:

"شاہجہاں پور میں ایک خرقہ پوش وارثی درویش ملے جو بڑے ذاکر و شاغل اور اہلِ دل تھے"۔ میں نے ان سے ایک مرتبہ کہا:

"اگر تمہارے پیر مل جائیں تو میں ضرور مرید ہو جاؤں"۔

انہوں نے اپنے ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہ وہی ہاتھ ہے"۔

اس کے بعد میرے دل میں خود بخود حضورؒ کی بیعت کا خیال پیدا ہو گیا جب میں دیوہ شریف میں حاضر ہوا تو آپؒ نے خود بخود ارشاد فرمایا:

"یہ ہاتھ اور وہ ہاتھ دو نہیں"
اس کے بعد میں حضوؒر کے دستِ مبارک پہ بیعت ہوا۔
مسکین شاہ صاحب وارثی، یتیم شاہ صاحب وارثی، معصوم شاہ صاحب وارثی دہلوی، قادر شاہ صاحب وارثی پھرایونی اور ان حضرات کے علاوہ دیگر فقرأ وارثی، حضوؒر کے زمانہ میں لوگوں سے بیعت لیتے تھے۔ جب متذکرہ بالا بزرگوں کے مرید حضور کے خدمت میں حاضر ہوتے اور بطورِ شکایت حضوؒر سے کوئی عرض کرتا کہ یہ حضوؒر کے فلاں فقیر کے مرید ہیں۔ حضوؒر کی موجودگی میں ان کو بیعت لینے کا کیا حق ہے۔ حضوؒر انور ان سے بیعت لے لیں تو حضوؒر انور ان مریدین سے فرماتے :

"سُنو تم ہمارے مرید ہو یہ ہاتھ اور وہ ہاتھ ایک ہی ہے ان سے اور ہم سے محبت رکھو"

آپ اسی بیعت کو قائم رکھتے اور دوبارہ بیعت نہیں لیتے اور اس بیعت کو جائز رکھتے تھے۔

اس قسم کے واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح آپ دیگر امور میں ایک خاص شان رکھتے تھے اُسی طرح اس مسئلہ میں آپؒ کا جداگانہ طریق عمل تھا۔ چونکہ ہر بات کے کمال پر آپ کی نظر تھی اس لیے خرقہ کا عطا فرمانا گویا روحانیت حاصل کرنے کی ترغیب تھی اور اپنی ہستی مٹا دینے کی تعلیم وہدایت تھی۔ اور اگر طلب صادق ہے تو حضوؒر انور کی مقدس روحانیت چشم زدن میں نمایاں تغیر پیدا کر دیتی تھی۔

حضوؒر انور بظاہر محبت کی تعلیم دیتے تھے اور حقیقتہً اگر غور سے دیکھا جائے تو محبت عطا فرما دیتے تھے۔ اب اس میں ترقی حاصل کرنا طالب کے ذوق و شوق پر منحصر ہے۔

کمالِ محبت یہ ہے کہ محب خود محبوب بن جائے اپنی ذات کو فنا کر دے جب یہ عینیت ہو گئی تو اس کے کل حرکات محبوب کے افعال بن گئے۔ یہی

حضورِ پر نور کی مخصوص تعلیم تھی۔

چنانچہ آپؒ کے اکثر فقرا جو اِن درجات پر فائز المرام تھے حضورؒ کے زمانہ میں بیعت لیتے تھے اور آپؒ ان کو منع نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کے مریدین سے مثل اپنے مریدین کے نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آتے تھے۔

حالانکہ نہ آپؒ نے ان کو بظاہر خلافت دی نہ اجازت دی اور آپؒ ہی کے عہد کی ایسی نظیریں بھی موجود ہیں کہ بعض فقرا معتقدین کو خدمتِ عالی میں حاضر کرتے اور خود حضورؒ سے بیعت کراتے تھے۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں وہ قابلیت پیدا نہیں ہوئی تھی اور وہ اللہ تک پہنچ گئے تھے۔ اس وجہ سے متضاد صورتیں پیش آئی ہیں۔

حضورؒ انور کے خرقہ پوشوں اور دیگر حلقہ بگوشوں میں ایسے مقدس نفوس کی اب بھی کمی نہیں ہے جن پر خدا کی کثیر التعداد مخلوق اپنا اعتقاد رکھتی ہے اور ان کے فیوض و برکات سے استقامتِ ظاہری و باطنی حاصل کرتی ہے۔

سلسلۂ عالیہ وارثیہؒ کے بزرگوں کی نسبت میرا یہ ذاتی خیال ہی نہیں ہے بلکہ اس زمانہ کے دیگر مستند اور مرجعِ خلائق اور واجب الاحترام اہل اللہ کو بھی اعتراف ہے۔

چنانچہ مسند آرائے رشد و ہدایت حضرت مولینا مولوی خواجہ شاہ عبد الصمد صاحب دہلوی سجادہ نشین حضرت محب النبیؐ مولینا محمد فخر الدین چشتی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں :

”حضرت حاجی شاہ وارث علی قدس سرہٗ العزیز مشائخین متاخرین ہندوستان میں ایسے مشہور و معروف ہیں جن کے کامل ہونے میں طریقت کے چلنے والوں میں سے کسی کو بھی شبہ نہیں کئی اصحاب ان کے نام لیوا اور ان کی خدمت فیض موہبت سے فیض یافتہ ایسے دیکھنے میں آئے جن میں نسبت عالیہ چشتیہ قادریہ موجود و مشہود پائی ہر چند فقیر کو حضرت ممدوح کی خدمت میں نیاز حاصل کرنے کا موقع نہ ملا مگر آپؒ کے خلفا اور خادمانِ خاص کو خاص حالت میں

دیکھا بلکہ ان میں سے بعض کو تفرید و تجرید کا عامل پایا یہ فقیر دعا کرتا ہے کہ خداوند کریم حضرت حاجی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس سلسلہ کو قائم رکھے اور یہ سب اپنے پیرانِ عظام کے اتباع ظاہری شریعت اور اتباع باطنی طریقت میں عمر بسر کریں، والسلام

فقیر عبدالصمد عفی عنہ از دہلی شریف

حضرت مولینا شاہ سید ابو احمد علی حسن صاحب اشرفی الجیلانی مسند آرائے کچھوچھہ شریف تحریر فرماتے ہیں :

"بلا توجہ اور تربیت ظاہری جس پر حاجی صاحب قبلہ نے توجہ قلبی ڈالدی وہ کامل ترین مردمان سے ہو گیا۔ ایسے بعض اصحاب مجھ سے ملے ہیں۔"

اسی طرح حضورؒ کے وہ مریدین با تمکین جن کو خرقہ مرحمت نہیں ہوا اور اپنے اسی لباس میں رہے مگر روحانیت کے لحاظ سے وہ نہایت ممتاز نگاہوں سے دیکھے گئے۔

سرچشمۂ فیوض شریعت و طریقت بلبل بوستان رسالتؐ حضرت محمد شاہ محمد سلیمان صاحب قبلہ مدظلہ العالی (متوطن پھلواری ضلع پٹنہ) تحریر فرماتے ہیں :

"حضرت قبلہ حاجی وارث علی شاہؒ صاحب قدس سرہٗ کو میں عارف باللہ اور مست و مدہوش بادۂ وحدت سمجھتا ہوں۔ دو چار بار نہیں بلکہ بیسیوں بار خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا ہوں اور ان کی مقدس روحانیت سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ان کے صحبت یافتہ اور دست گرفتہ لوگوں میں جناب مولوی ہدایت اللہ صاحب پارسی ان کو بھی محقق پاکباز پایا۔"

متذکرہ بالا بیانات سے ظاہر ہے کہ دیگر سلاسل کے محترم بزرگوں نے بھی حضورؒ انور کے خدام و فقرا اور دیگر مریدین کی حالتیں نظرِ غائر سے دیکھی ہیں اور یہ ان کی عینی شہادت ہے کہ حضورؒ انور کے دست گرفتوں میں فقرا بھی اور علما بھی جو روحانیت کی طرف مائل ہوئے وہ مراتب علیا سے فائز المرام

ہوئے ہیں۔
باوجود اس کے کہ حضورِ انور نے خلافت عطا نہیں فرمائی مگر انہوں نے وہ اعلیٰ مدارج اور مقدس اثرات حضور کے حلقہ بگوشوں میں مشاہدہ کئے جو خلافت سے بدرجہا فائق ہیں۔
ان واقعات سے ظاہر ہے کہ جس طرح حضورِ انور کے تمامی رموز و نکات کا سمجھنا نہایت اہم تھا اسی طرح یہ بات بھی نہایت مہتمم بالشان ہے کہ آپؒ نے بظاہر کسی کو خلافت سے ممتاز نہیں فرمایا۔ حضورِ انور رسمی باتوں کو پسند نہیں کرتے تھے اور نہ ایسی باتیں مرغوبِ طبع لطیف تھیں جو کسی نظم و نسق پر مبنی ہوں۔ ہر ایک بات کی حقیقت اور تہہ پر نظر تھی ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ آپکا نصب العین تھا۔
چنانچہ خود ارشاد فرمایا ہے:
"معرفت کسی چیز پر مبنی نہیں ہے وہبی ہے۔ جس کو خداوند کریم اپنی معرفت بخشے کسی کا اجارہ نہیں۔"
آپؒ کے تمامی کام دستِ قدرت میں تھے۔ حضورِ انور کی ایک نظر کامل مکمل بنا دیتی تھی اور بظاہر حضورِ پُر نور کا اسنادِ خلافت سے مستفید نہ فرمانا خلافت کی نفی میں ضرور پیش کیا جاسکتا ہے مگر اس سے بیعت لینے کے خلاف نتیجہ نہیں نکلتا۔ اگر ایسا ہوتا تو جن لوگوں نے حضور کی حیات میں بیعت لی ہے ان کی ضرور تہدید کی جاتی۔ مگر آپؒ نے اُن کی بیعت کو جائز رکھا اور ان کے مریدین سے بھی مکرر بیعت نہیں لی نہ منع فرمایا۔
جس سے یہ مسئلہ بالکل صاف ہو گیا کہ حضور کی مقدس تاثیراتِ باطنی سے جو لوگ اس قابل ہو جائیں اور جن کو حضور کی ذات بابرکات میں فنائے کامل حاصل ہو جائے وہ اس کے اہل ہیں، مگر نسبت حاصل ہونا چاہیئے۔
جب حالت بدل جائے گی تو خود بخود واقعات و حالات تبدیل ہو جائیں گے اور ایسی صورت میں جو فعل بھی سرزد ہوگا وہ اپنا نہ ہوگا اور ایسے ہی بانسبت

افراد کی بیعت کے متعلق حضور پُر نور نے ارشاد فرمایا ہے :

"یہ ہاتھ اور وہ ہاتھ دو نہیں ہیں"

اپنے دست گرفتوں کو اپنی ہستی مٹا دینے کی تعلیم دیتے تھے جو کمال روحانیت پر مبنی ہے اور جس کا خاص روحانی فیوض سے تعلق ہے اور یہی حضور پُر نور کی حقیقی تعلیم ہے جو ظاہری عیش و تنعم اور خودی کے خیالات کی قطع کرنے والی ہے پس حضور پُر نور کے خاص محبوں کی یہی شان ہے کہ وہ نمائشی باتوں سے بے تعلق اور جام محبت سے سرشار رہتے ہیں اور مال و دولت عزت و ثروت کے توقعات اُن سے دُور رہتے ہیں۔ آپؒ فقرا کی تعلیم دیتے تھے اور اسی تعلیم سے انسان افضل ترین انسان بن جاتا ہے۔ اور یہی وہ تعلیم ہے جو جنابِ رسالت مآب صلعم کی تعلیمات کا ماخذ ہے اور بمضمون الفقر فخری حضورِ سیدِ عالم نے اس پر فخر کیا ہے۔

مبارک ہے وہ گروہ جس نے حضورؒ کے روحانی تصرفات و تعلیمات سے فیض و برکت حاصل کی اور اپنی نفسانی خواہشات کو مٹا کر روحانی زندگی کی راہ میں قدم رکھا۔

فیضانِ ولایت

اگرچہ حضورؒ انور کے ابتدائی حالات بابرکات سے فیضان ولایت کامل و مکمل طور پر ظاہر و ہویدا ہیں اور تمامی واقعات فیوض و برکات کا سرچشمہ ہیں مگر مسئلہ خلافت کے ضمن میں ان واقعات کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضورؒ انور کے فیوض و برکات کا احصا نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے کیونکہ آپؒ نے نہایت دور دراز ممالک کا سفر فرمایا ہے اور اثنا سفر میں بہت سے لوگوں کو مختلف طریقوں سے روحانی فائدہ پہنچا اور اپنے فیوض سے مستفید فرمایا۔ آپؒ کے فیضان کے لاتعداد و لاتحصیٰ ہونے کا دیگر سلاسل کے محترم بزرگوں کو بھی احساس ہے جیساکہ اکثر بزرگوں کے اقوال وغیرہ سے

اپنے اپنے مواقع پر ظاہر ہوا اور آئندہ ابواب میں ظاہر ہوگا۔

راقم الحروف کو مولوی محمد ناظم علی صاحب فضلی نائب مہتمم مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ نے حالتِ علالت میں حضور انور کے حالات معلومہ لکھ کر مرحمت فرمائے مگر میں نے پھر لکھا کہ جناب کو اس ذات محمود الصفاتؒ سے اکثر شرفِ صحبت حاصل رہا ہے اور مجھے جناب سے زیادہ واقعات و حالات ملنے کی امید تھی مگر کم ملے حضورِ پر نور کے اخلاق وغیرہ کے متعلق کچھ روایات تحریر فرمائیں۔ تو جناب موصوف نے میرے عریضہ کا جو جواب دیا وہ حسب ذیل ہے:

"لفافہ موصول ہوا، واقعی حالات بہت کم لکھے گئے آٹھویں چوتھے روز تھوڑا تھوڑا جب فرصت ہوئی لکھا گیا جب مرض کا غلبہ ہوگیا ہفتہ دو ہفتہ ادھر رُخ بھی نہیں ہوا مجبوری و معذوری رہی۔ لیکن حضرت حاجی صاحبؒ کے بعض اوصافِ عالیہ کے دریافت کرنے پر مجھے تعجب ہوا۔ شاید آپ نے حکایت افاضۂ ظاہری و باطنی پر غور نہیں فرمایا اس خاکسار کے نزدیک صفت افاضۂ اہل اللہ کے حصول و وصول کمال و تکمیل کے بعد مکمل ہوتی ہے ؎

ہر گدائے مردِ میداں کے شود
پشۂ آخر سلیماں کے شود

پس کونسی صفت اس سے اعلیٰ ہو سکتی ہے ...."

حضورِ انور کے فیوض و برکات کی آفتاب کی طرح روشنی پھیلی ہوئی ہے اور ہر کہ مہ اُس سے مستفید ہے۔ جس طرح آپؒ کے تمامی اوصاف میں خاص وسعت ہے اسی طرح فیوض بھی نہایت مہتم بالشان ہیں اور آپؒ کے وابستگان دامانِ دولت میں نہایت ممتاز افراد گذرے ہیں۔ جن میں سے بعض بزرگوں کا تذکرہ اس کتاب میں مختصر طور پر ہو چکا ہے۔ حضورِ انور کے تمام ایسے فقرا اور مریدین کا ذکر جو کمالات صوری و معنوی سے کماحقہ مستفید ہوئے ہیں ہمارے علم سے باہر ہے اور بعض بزرگوں کے نام نامی ہمارے ذہن میں بھی ہیں تو ان کو ہم خصوصیت کے ساتھ

پیش نہیں کر سکتے۔ یہ مانا کہ ان پر ایک عالم کا اعتقاد ہے اور ان سے معرفت و حقیقت کے فیوض جاری ہیں اور وہ ہر طرح کامل و مکمل ہیں۔

جیسا کہ حضرت مولینا شاہ علی حسن صاحب قبلہ اشرف الجیلانی مند آرائے کچھوچھہ شریف یا حضرت مخدوم زادہ والا تبار حضرت مولینا شاہ عبد الصمد صاحب قبلہ سجادہ نشین حضرت محب النبیؒ مولینا فخر صاحب قبلہ رضی اللہ عنہ کے ارشادات سے ظاہر ہے جو مسئلہ خلافت کے تحت میں درج ہوئے۔ مگر یہ ان مستند مرجع خلائق بزرگوں کا مشاہدہ ہے جس کو انہوں نے ظاہر فرمایا اور حقیقتاً ایسے ہی مبصرین کی رائے جو خود بھی سرچشمۂ فیض ہوں حقیقت آگاہ لوگوں میں وقیع نظروں سے دیکھی جائے گی مگر میرے نزدیک اُن کے اسمائے گرامی ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے چند نام اگر ہم اپنے خیال اور عقیدے کے بموجب پیش کریں تو اُن سے حضورؒ پر نور کے وسیع اور نہایت وسیع و مہتمم بالشان فیوض و برکات پر حجت نہیں ہو سکتی کیونکہ ہر ملک اور ہر طبقہ میں آپؒ کی مقدس نشانیاں موجود ہیں اور ایک ہی لباس یا ایک ہی شکل میں ان کا ظہور نہیں ہے بلکہ مختلف صورتوں اور مختلف لباسوں میں آپؒ کے فیوض و برکات کی جلوہ نمائیاں ہیں پس ممکن ہے کہ جو اسمائے گرامی ہمارے ذہن میں ہیں ان سے کہیں زیادہ بزرگ و برتر اس کتاب کے ناظرین کی نظر سے گذر چکے ہوں۔

حقیقتاً اس شان و عظمت کو دیکھتے ہوئے مخصوص طبقہ پر کسی کا نام لینا جسارت ہی جسارت ہے۔

کس طرح بتایا جا سکتا ہے کس ملک میں کون حضورؒ کا حلقہ بگوش ہے اور کس کے ذریعے سے فیوض و برکات جاری ہیں کیونکہ کوئی تحقیق اس کے متعلق اب تک نہیں ہوئی اور نہ خود حضورؒ پر نور نے کبھی کچھ ارشاد فرمایا۔

نہ کوئی ضابطہ اور باقاعدہ انتظام تھا نہ کوئی فہرست یا دیگر سلسلہ تحفظ بلکہ جو کچھ تھا فیض و برکت کا سلسلہ تھا جس سے قسمت اور نصیب کے موافق علیٰ قدر مراتب ہر شخص مستفید ہوتا تھا اور حضورؒ انور سے حقیقی نسبت رکھنے والوں سے اب بھی فیوض و برکات جاری ہیں اور اہلِ عالم میں وہ خاص مقبولیت و محبوبیت کی

شان رکھتے ہیں۔ اس موقع پر چند ایسے تذکرے کیے جاتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضورؒ انور کے فیوض و برکات تمام عالم میں جاری ہیں۔ اکثر سیاحوں نے جو دیگر ممالک کی سیاحت کی ہے تو یہ دیکھ کر ان کی آنکھیں کھل گئی ہیں کہ ہر ملک میں کس قدر فیوضِ وارثی کا گہرا اثر ہے اور وہ بھی کسی خاص طبقہ یا قوم میں مخصوص نہیں ہے بلکہ جس نے چاہا وہ اس سرچشمہ ولایت سے سیراب ہوا۔

چنانچہ مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب شیدا لکھنوی ناقل ہیں کہ میں نے حضورؒ انور کے ایمائے مبارک سے جب عرب کا دوسرا سفر کیا ہے تو حضورؒ انور نے اکثر ہدایتیں فرمائی تھیں منجملہ اُن کے یہ ارشاد فرمایا تھا :

" تم رات کو محمودیہ پہنچو گے وہاں دہی نہ کھانا ورنہ بیمار ہو جاؤ گے۔ اگر کوئی ضعیفہ اصرار کرے تو اس کو اٹھنی دیدینا "

وہی ہوا کہ میں رات کو محمودیہ پہنچا اگرچہ میں نے ایک اٹھنی حضور کا ارشاد سُکر علیحدہ کاغذ میں باندھ لی تھی اور اس پر بطور یادداشت لکھ بھی لیا تھا مگر اس وقت بالکل بھول گیا۔

علاوہ دہی بیچنے والوں میں ایک ضعیفہ عورت بھی آئی اس عورت نے مکرر کہا تو میں نے یہ سمجھ کر اس سے دہی لے لیا کہ اس کی قیمت دیدوں گا۔ اور قیمت ادا کرنے سے پہلے اس میں سے تھوڑا سا دہی میرے ملازم بدو نے کھا بھی لیا۔ عموماً اس ہانڈی کی قیمت ربع قرن یعنی ڈیڑھ آنہ کے قریب ہوتی تھی وہ میں نے اس کو دینا چاہا مگر اس نے نہ لیا تب میں نے کچھ اور اضافہ کیا اس نے پھر تکرار کی۔

غرض میں ہر مرتبہ قیمت میں اضافہ کرتا تھا اور وہ بدستور تکرار کرتی تھی جب میں زیادہ پریشان ہوا تو اُس ضعیفہ نے ہنس کر کہا :

" برادر اٹھنی بدہ "

وہ عورت عربی النسل تھی مگر چونکہ عراق عرب کی مادری زبان فارسی ہے شاید اسی وجہ سے اس نے فارسی میں کہا۔ یا میری آسانی کی وجہ سے عربی میں نہ کہا۔

مجھے خیال آگیا اور فوراً میں نے وہ انگشتی دیدی۔ اس کے بعد وہ ضعیفہ بے قرار ہو کر رونے لگے اور عاشقانہ لہجے میں شکایت شروع کی اور صدمات فراق کا اظہار کیا۔ جو حالت میں نے اس پروانۂ جمال کی دیکھی اور اشتیاق دیدار میں جسقدر اس کو بیقرار پایا اس کے بیان سے زبانِ قلم عاجز ہے۔

جناب شیدا وارثی تحریر فرماتے ہیں کہ اس سفر میں مجھکو حضورؒ انور نے یہ ہدایت بھی کی تھی کہ "بغداد میں جب تم حضرت قنبرؒ کے مزار پر جاؤ گے تو پیاس معلوم ہوگی اور وہاں یہودی رہتے ہیں اس وجہ سے تم کو پانی نہیں ملے گا۔ مگر کوئی عورت پلا بھی دے گی۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا بظاہر مسافتِ راہ کے تکان کی وجہ سے تشنگی غالب ہوئی لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد ایک عربی النسل معمر عورت مجھکو بکمالِ شفقت اپنے مکان پر لے گئی اور نہایت ہمدردی سے پہلے خرمے کھلائے اس کے بعد آبِ سرد پلایا اور نہایت محبت سے میرا حال دریافت کرنے لگی اور پھر وہ خدا پرست نیک دل خاتون اپنی سرگذشت سنانے لگی پہلے تو اُس نے اشارۃً بیان کیا پھر صاف صاف حضورؒ انور کے تذکرے بیان کرتی رہی اور مضطرب ہو کر کہا:

"پچیس سال تک صدماتِ مہجوری برداشت کیے اب تابِ تحمل نہیں ہے۔"

اس برگزیدۂ خدا کو میں نے غور سے دیکھا تو نہایت صحت کے ساتھ پاسِ انفاس جاری تھا۔ اور برقع کے اندر زرد رنگ کا کپڑا بطور کفن کے پہنے ہوئے تھی۔

اس دلدادۂ جمالِ وارثیؒ کی کامل نسبت اور سچی بے قراری ایسی تھی کہ اگر اس کو زلیخائے ثانی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

علیٰ ہٰذا اسی سفر میں نین سکھ کا نصف تہہ بند بھی اس فرمان کے ساتھ مجھکو حضورؒ نے عطا فرمایا تھا کہ:

"نجف اشرف میں جو مانگے اس کو دیدینا۔"

چنانچہ نجف اشرف میں ایک ایسے اہلِ نسبت اور صاحبِ تصرفات بزرگ سے

ملاقات ہوئی جن کو عمادالدین بخف کامل اور خدار سیدہ جانتے تھے۔ انہوں نے مجھ سے اپنی امانت طلب کی اور ظاہر کیا کہ غاشیہ بردارِ اطاعت وارثیؒ ہوں۔

مولوی سید شریف الدین صاحب قبلہ وارثیؒ ڈائریبل ایگزیکیٹو کونسل بہار، تحریر فرماتے ہیں کہ میرے برادرِ عم زاد خان بہادر مولوی فضل امام صاحب بغرض زیارت بغداد اور کربلائے معلّٰی کے عازم ہوئے تو حضرتؒ نے ان سے دو ہدایتیں فرمائی تھیں۔ ایک تو یہ کہ:

"جب تم بغداد پہنچو گے تو فلاں گلی میں جانا وہاں تم سے ایک بوڑھی بیوہ سے ملاقات ہوگی اس سے تم پانی مانگنا وہ تمہیں اپنے گھر لے جائے گی اس کا شوہر نابینا اور ضعیف ہے اس سے میرا سلام کہدینا۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

دوسری بات یہ تھی کہ ایک ٹکڑا چادر کا حضورؒ پُر نور نے مرحمت فرمایا کہ:

"کربلائے معلّٰی میں جو شخص اس ٹکڑے کو مانگے دیدینا اور میرا سلام کہدینا۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثیؒ کہتے ہیں کہ حضرت سیدنا شاہ فضل حسین صاحب وارثیؒ سجادہ نشین کنزالمعرفتؒ جب فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے مکۂ معظمہ گئے تو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے مہمان ہوئے۔ حضرت شاہ فضل حسین صاحب وارثی خود فرماتے ہیں:

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز مجھ سے فرمایا:

"تم اپنے پیر بھائی سے بھی ملے، چلو ہم بتا دیں۔"

وہ میرے ہمراہ تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ مکۂ معظمہ میں حنفی مصلّے پر ایک صاحب کھڑے ہوئے ہیں، اُن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"یہ تمہارے پیر بھائی ہیں اور یہاں کے قطب ہیں۔ یہ کسی سے بات نہیں کرتے اور ہر وقت ذکر میں مصروف رہتے ہیں اور اپنے ہی نام کی ضرب لگاتے ہیں۔ ان کا

نام عبدالغنی ہے۔"

شاہ فضل حسین صاحب وارثی فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ ہر وقت حنفی مصلے پر رہتے تھے۔ جب امام نماز پڑھانے کے لیے آتے تھے اس وقت علیحدہ ہوجاتے تھے۔ یہ بزرگ صاحب ہوش لوگوں میں نہ تھے بلکہ از خود رفتگی کا عالم تھا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے ایک اور بزرگ پیر بھائی کو بتایا جو باہوش تھے اور خانۂ کعبہ کے کلید بردار تھے۔

حاجی حافظ اصغر علی صاحب (زمیندار مسولی ضلع بارہ بنکی) لکھتے ہیں کہ میں نے حج کے لیے جانے کا قصد کیا تو دل میں خیال آیا کہ کسی ترکیب سے حضورؒ پرنور یہ ارشاد فرمادیں کہ مدینہ منورہ اور مکۂ معظمہ سے بخیریت واپسی ہوگی۔

چنانچہ حضورؒ انور نواب گنج میں رونق افروز تھے۔ میں قدمبوسی کے لیے حاضر ہوا تو آپؒ نے ارشاد فرمایا:

"خواجہ سرفراز علی صاحب (کلید بردار مدینۂ طیبہ سے ملنا اگر زندہ ہونگے ملاقات ہوجائے گی) جب واپس آنا تب حال معلوم ہوگا۔"

اس ارشاد سے میں مطمئن ہوگیا اور عزم سفر کیا۔ حج کے بعد میں بہت بیمار ہوگیا۔ جب قافلہ مدینہ منورہ کے لیے تیار ہوا تو میں صحیح و تندرست ہوگیا اور مدینۂ شریف حاضر ہوا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خواجہ سرفراز علی صاحب کا انتقال ہوگیا اور وہ حضورؒ انور کے مرید تھے۔

اس طرح پر بعض لوگوں کو اتفاقیہ طور پر سیاحت وغیرہ میں پتہ لگا ہے کہ کون کون بزرگ کس کس مرتبہ کے حضورؒ انور کے حلقہ بگوشوں میں ہیں۔

حضورؒ انور نے کبھی کوئی صراحت نہیں فرمائی۔ بعض لوگوں سے اپنی سیاحت وغیرہ کا تذکرہ کیا تو اس میں بھی ایسے ہی واقعات بیان فرمائے جن سے پند و نصائح نکلتے تھے یا عجیب و غریب چیزوں کا انکشاف ہوتا تھا۔

حکیم محمود علی صاحب فتحپوری ناقل ہیں کہ مجھ سے ایک معتبر بزرگ حافظ عبداللہ

صاحب روایت کرتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ حضور پُر نور سے روم و شام کے حالات پوچھے۔ تو حضورِ انور نے بہت سے واقعاتِ عجیب و غریب ارشاد فرمائے اور لوگوں کے مرید ہونے کا تذکرہ کیا۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ اس کا پتہ لگنا ناممکن ہے کہ حضورِ انور کے فیوض و برکات سے کس حد تک لوگوں نے فائدہ حاصل کیا۔ جیسا کہ رجوعِ خلائق کے باب میں جناب شاہزادۂ غلام محمد صاحب کا ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ:

"گروہِ وارثی ایک ایسا نیستانِ غیر متناہی ہے جس کا پتہ لگنا دشوار ہے اس جنگل میں لاکھوں کروڑوں اقسام کے ذخیرے ہیں جن کو کوئی سمجھ نہیں سکتا۔"

بعض مواقع پر حسنِ اتفاق سے ایسے افراد نظر آتے ہیں جو بالکل غیر معروف ہیں مگر ان کو حضورِ انور سے خاص نسبت و محبت حاصل ہے۔

چنانچہ مولٰینا مولوی عبدالغنی صاحب قبلہ وارثی بہاری مدظلہ العالی (مترجم طبقات الکبریٰ والکلم الروحانیہ وغیرہ) تحریر فرماتے ہیں کہ حضور بلگھی میں رونق افروز تھے۔ ایک تہہ بند پوش عورت بنگلہ سے آئی اور حضورِ انور سے قدمبوس ہوئی اور رو رو کے التجا کرنے لگی کہ مجھکو کہیں بٹھا دیا جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"ابھی نہیں ابھی نہیں۔"

اور اس کو حکم دیا:

"زنانہ میں جاکر ٹھیرو۔"

زنانہ سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ عورت ایک چھوٹا سا کپڑا بچھا کر بیٹھ گئی جو عورت اس کے پاس آتی تھی اس کو منع نہیں کرتی تھی مگر ایام میں جو ہوتی تھی اس کو اپنے پاس نہیں بیٹھنے دیتی تھی اور کہتی تھی:

"تو ناپاک ہے!"

اور واقعی ایسا ہی ہوتا تھا۔

اس میں ایک نقص [1] بھی تھا کہ جو عورتیں اسکو روپیہ دوائی، چوانی، اٹھنی دیتی تھیں وہ لے لیتی تھی۔ جب حضورِ پرنور بگھی سے تشریف لے جانے لگے تو مردانہ مکان کے سامنے بہت آدمی جمع تھے اور حضورِ انور ایک کنارے پر الگ کھڑے ہوئے تھے لیکن سارے مجمع میں آپؒ ہی سب سے اونچے معلوم ہوتے تھے اور چہرۂ مبارک ماہتاب کی طرح چمکتا تھا۔ جب پینس پر سوار ہونے لگے تو سارے مجمع پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ پھر کسی کو گھنٹوں تک ہوش نہیں رہا۔

اس وقت یہ بنگالہ والی عورت اسقدر پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ دوسروں پر بھی اس کی گریہ زاری کا پورا اثر تھا۔"

اس قسم کے اکثر افراد اب آخر زمانہ میں جب حضورِ پرنور نے پیرانہ سالی کی وجہ سے دیوہ شریف میں مستقل اقامت فرمائی تھی نظر آجاتے تھے جن کو دیکھ کر تعجب ہوتا تھا کہ یہ کب اور کس وقت میں حضورِ انور سے مستفید بیعت ہوئے اور معلوم نہیں ان کو کس قسم کی کیا تعلیم ہوئی ہے۔

سید معروف شاہ صاحب قبلہ مدظلہ العالی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں خدمتِ عالی میں حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک درویش خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضورِ انور نے ایک بہت دور دراز مقام کا نام لے کر فرمایا:

(مقام کا نام مجھے یاد نہیں رہا) "کہ تم وہاں سے کب چلے۔"
انہوں نے عرض کیا "دو گھنٹے ہوئے۔"

---

[1] حضرت مولانا نے ایک ایسے فعل کو جائز کیا ہے اور جس سے سوال کا الزام بنگالہ کی اس خاتون پر عائد نہیں ہوتا لفظ "نقص" سے تعبیر فرمایا ہے اس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ آپؒ کے مریدین خاص میں تو کل و استغنا کا کسقدر گہرا اثر ہے۔

اس کے بعد حضورِ انور نے اُن سے کچھ ارشاد فرمایا اور رخصت کر دیا۔ میں اسقدر دور دراز کی مسافت اتنی جلدی طے کرنے پر متحیر تھا اس لیے حضور انور کے آستانۂ عالی کے قریب ایک گلی میں آکر کھڑا ہو گیا جب وہ جانے لگے تو میں نے پوچھا :

" تم نے اسقدر جلدی یہ منزل کیونکر طے کی ؟" تو وہ مسکرائے اور مجھے چل کر دکھایا تو واقعی وہ جس طرح تیز ہوا میں پتہ اڑتا ہے اس طرح جاتے تھے ان کے قدم زمین سے اوپر ہوا میں معلق نظر آتے تھے۔ میں نے ان سے کہا :

" تمہارے جسم میں یہ لطافت و نفاست کس طرح پیدا ہوئی" تو انہوں نے جواب دیا :

" مجاہدۂ نفس سے، کم کھانے سے۔ کیونکہ شکم سیر ہو کر کھانا روح کے لیے باعثِ اذیت ہے اور جب روح کو اذیت ہے تو روحانی طاقت کیا پیدا ہو سکتی ہے ؟"

سید معروف شاہ صاحب وارثی ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے گاؤں کو گیا تھا جس کا نام نہرول ہے تو وہاں اُن دنوں ایک مالنگ شاہ نامی درویش رہتے تھے وہ میرے پاس آئے اور بہت محبت سے ملے اور مختلف باتیں کرتے رہے اور نہایت عاشقانہ لب و لہجہ میں طرح طرح کی فرمائشیں کیں کہ میری طرف سے حضورِ انور کی خدمت میں یہ عرض کرنا اور وہ عرض کرنا۔ اسی اثنا میں کہنے لگے کہ دیوے کی گلیوں میں کنکر پتھر بہت ہیں اور زمین بھی اونچی نیچی ہے جب وہ چلتے ہیں تو اُن کے نازک تلووں میں تکلیف ہوتی ہے میرے دل پر بڑا صدمہ گذرتا ہے۔ حکم ہو جاوے تو دیوہ کے سب مکانوں کو گرا کر زمین ہموار کر دوں۔ نئے سرے سے مکان بن جائیں اور گلیاں ایک سی ہو جائیں۔ اس کے بعد نہایت ذوق شوق کے عالم میں انہوں نے کہا کہ میری طرف سے اُن کو پیار بھی کر لینا مجھکو ادب کے خلاف یہ جملہ ناگوار گذرا اور میں نے ان سے کہا :

" آپ کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہییں، ادب و تہذیب کے خلاف ہے۔ عشق نے

محبت میں پاس ادب بھی ضروری ہے۔"

وہ چلے گئے دوسرے روز میں بھی دیوہ شریف میں آگیا۔ چوتھے روز ملنگ شاہ خود حضورِ پرنور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت ادب سے اپنی عرض و معروض کرنے لگے جب سب کچھ کہہ چکے اور تسلی بخش جواب پا چکے تو کہنے لگے کہ حضور دیوہ کی گلیوں میں سنگریزے بہت ہیں جو تکلیف دہ ہیں۔ حکم ہو تو سب مکانوں کو گرا کر زمین کو ہموار کر دوں تاکہ نہایت ستھرائی سے یہ قصبہ از سرِ نو آباد ہو۔

آپؒ ان کی اس گفتگو پر ناراض ہوئے اور جانے کا حکم دیا۔

آخر زمانہ کے مکتوب نویس بارگاہِ وارثی حاجی اوگھٹ شاہ صاحب قبلہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز کا واقعہ ہے گرمیوں کا موسم تھا۔ دن کے چار بجے ہونگے آستانۂ شریف کے باہر کچھ لوگ ٹاٹ پر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ ایک درویش آئے جن کی وضع قطع ہندوؤں کی سی تھی۔ کاندھے پر کھاروے کی خورجی تھی بالوں کی چوٹی بہت اونچی گندھی ہوئی تھی ڈاڑھی اور مونچھوں کے بال بہت بڑھے ہوئے تھے، تو نبی اور چمٹا ہاتھ میں تھا۔ لباس میں نیم آستین اور دھوتی تھی۔ انہوں نے آتے ہی کہنا شروع کیا:

"مجھے حضورِ پرنور کی خدمتِ عالی میں پہنچا دیجئے۔"

میں نے کہا: "ایسی کیا عجلت ہے ٹھہرو پہنچا دیئے جاؤ گے"۔ اور لوگوں نے بھی ایسا ہی کہا مگر انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی اور بہت اضطراب کی حالت میں کہنے لگے:

"مجھے لے چلو، آج حضورؒ کے دربار سے حصے تقسیم ہو رہے ہیں۔ مجھے خنگی شاہ نے کہا ہے کہ جلد پہنچو ورنہ تقسیم ہو جائیں گے۔ میں بندیل کھنڈ سے چلا آ رہا ہوں۔ مجھے اسی وقت پہنچاؤ۔"

خورجی سے لوٹا نکال کر وہ کنوئیں پر گئے اور منہ ہاتھ دھوئے اس کے بعد حضورِ پرنور کی خدمتِ عالی میں پیش کئے گئے۔

وہاں ان سے حضورِ پرنور نے کچھ فرمایا۔ جس کو وہی سمجھ سکے مگر اتنا

دیکھنے میں آیا کہ وہ حضورؒ انور کا ارشاد سنتے ہی نہایت شاد و مسرور ہو کر باہر آئے۔ اپنی توبنی اور چمٹا سنبھال کر شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین حضرت کنز المعرفت کی مسجد میں گئے اور دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی ظاہری وضع ہندوؤں کی سی تھی مگر یہ دراصل مسلمان تھے۔

یہ تو ایسا واقعہ ہے کہ طالب حضورؒ پر نور کی خدمت میں پہنچا اور پہنچکر اس نے اپنا حصہ مانگا۔ بعض واقعات ایسے بھی پیش آئے کہ سمجھ میں نہ آسکا کہ طالب کیوں آیا اور کیا لے گیا۔

ٹھاکر پنجم سنگھ صاحب وارثی رئیس ملاؤلی (جو ایک ذاکر و شاغل بزرگ ہیں) ناقل ہیں کہ مجھ سے حضرت شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین حضرت کنز المعرفت بیان فرماتے تھے کہ ایک عرب میرے پاس تشریف لائے جو خستہ حال معلوم ہوتے تھے۔ مجھ سے حضورؒ انور کے آستانۂ عالی کا پتہ پوچھنے لگے اور کہنے لگے کہ:

"مجھے حضرت سے ملنے کی سخت ضرورت ہے۔"

میں نے کہا: "آپ قیام کیجئے میں خود آپ کو پہنچادوں گا مگر وہ ایسی عجلت میں تھے کہ نہیں ٹھہرے اور پتہ پوچھ کر چل دیئے۔" میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ہولیا جب وہ آستانۂ عالی پر پہنچے تو دروازہ بند تھا۔ ابھی وہ کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ دفعتہً بند دروازہ سے ایک ہاتھ نمودار ہوا جس کو انہوں نے نہایت ادب سے بوسہ دیا اور رخصت ہو گئے۔

میں نے ہر چند انکو روکا اور ٹھہرانا چاہا مگر وہ نہیں ٹھہرے اور چلے گئے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا معاملہ تھا۔

اس قسم کے واقعات اکثر پیش آئے اور آنے والوں کے کچھ تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔

حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن آستانۂ عالی کے باہر چبوترے پر ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک صاحب فقیرانہ لباس

یں آئے اور بیٹھ گئے۔ ان سے دریافت کیا گیا :
"شاہ صاحب کہاں سے آئے" تو کہنے لگے :
"جہاں سے سب آئے۔"
کہا گیا: "کہاں جاؤ گے۔"
وہ بولے: "جہاں سب جائیں گے۔"
پھر پوچھا گیا: "آپ کا مکان کہاں ہے۔"
تو کہا: "اس کی خبر نہیں۔"

اس کے بعد انہوں نے حضورِ انور کی خدمتِ عالی میں پہنچنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ بعد نمازِ مغرب حضورؒ کی خدمتِ عالی میں ان کو پیش کیا گیا۔

حضورِ انور نے ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا :
"ان کو چھ خوراک دیجائیں۔"

وہ پلٹ آئے۔ مجھ سے کہنے لگے کہ میں ایک رات کو بچھرایوں میں ٹھہرا تھا اور سہراب شاہ کی مسجد میں قیام کیا تھا وہاں سب اچھی طرح ہیں۔

میں نے ان سے نام پوچھا تو جنگلی شاہ نام بتایا اور جائے قیام بتانے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد رخصت ہو کر چلے گئے اور شام آکر چھ خوراکیں طلب کیں جو میں نے دیدیں۔

میں نے کہا: "آپ تو تنہا ہیں یہ چھ حصے کیسے لے چلے۔" تو ہنس کر کہا: "میرے ساتھ پانچ شخص اور ہیں جن کو بستی کے اندر آنے کی اجازت نہیں ہے۔"

پھر صبح کو یہ نہیں آئے۔ خدا جانے وہ کن مجاہدات میں منہمک تھے کہ بستی سے الگ جنگلوں میں قیام رکھتے تھے۔

ایسے واقعات بھی لوگوں نے دیکھے جن سے یہ پایا جاتا ہے کہ اس زمانہ کے مجاذیب وغیرہ حضورِ انور کے تابع فرمان ہیں۔

چنانچہ مولوی احمد حسین صاحب متوطن راہرامئو ضلع بارہ بنکی ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ انور لکھنؤ کی سرائے امین آباد میں قیام پذیر تھے۔ آپ نے

خود بخود ارشاد فرمایا:

"محمد علی شاہ سے ملیں گے"

محمد علی شاہ ایک مشہور اور مجذوب درویش تھے۔ جو امین آباد میں رہا کرتے تھے۔ جیسے ہی آپؒ نے دروازہ پر قدم مبارک رکھا دُور سے دیکھنے میں آیا کہ ایک شخص آرہا ہے۔ حضورؒ نے دریافت فرمایا:

"یہ کون ہے؟"

گو وہ بہت دُور تھا جب قریب آیا تو اس کی رفتار کبھی آہستہ ہو جاتی تھی اور کبھی مستوں کی طرح جھومتا ہوا چلتا تھا۔ جب بالکل قریب آگیا تو سُنا گیا:

"پل تک پل تک"

آپؒ نے اس کی صدا کو سن کر ارشاد فرمایا:

"پیپل تک پیپل تک"

مگر اس نے "پل تک" ہی کہا۔

آپؒ نے پھر مکرر فرمایا: "پیپل تک پیپل تک"

اِس پر بھی اس کی وہی صدا رہی تو آپؒ نے تیسری مرتبہ ارشاد فرمایا:

"محمد علی شاہ پیپل تک پیپل تک"

محمد علی شاہ مجذوب کی آنکھیں بند تھیں۔ انہوں نے یہ ارشاد سنتے ہی آنکھیں کھولدیں اور بموجب ارشاد عالی "پیپل تک پیپل تک" صدا لگائے شمال کی جانب چلے گئے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا راز تھا۔

اس کے بعد آپؒ اندر تشریف لے گئے۔

مولوی نادر حسین صاحب وارثی نگرامی (وکیل بارہ بنکی) تحریر فرماتے ہیں کہ منشی محمد حسین صاحب وارثی مرحوم کا واقعہ ہے جو انہوں نے مجھ سے خود بیان کیا تھا کہ میں ضلع بستی میں محکمہ بندوبست میں ملازم تھا وہاں ایک مجذوبہ آتی تھیں اور سب کو مغلظ گالیاں دیکر پیسے وصول کرتی تھیں۔ مجھکو بھی گالیاں دیکر

پیسہ مانگا تو میں نے اُن سے زیادہ گالیاں دیں اور غصہ میں جوتے مارنے کی دھمکی دی اور اسی حالت میں میں نے ان سے کہا :

" میں تمہارا معتقد نہیں ہوں، جانتی ہو کس کا مرید ہوں "۔

وہ خاموش ہوگئیں مگر اسی ہفتہ عشرہ میں میری شکایت میں بکثرت عرضیاں گذر گئیں۔ آخر کار رخصت لیکر میں نہایت سراسیمگی و پریشانی کی حالت میں دیوہ شریف حاضر ہوا اور عرضیاں گذرنے کا حال عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا:

" تم کسی کو گالیاں نہ دیا کرو نہ جوتے مارنے کو کہا کرو "۔

اس وقت مجھکو خیال آیا کہ یہ اس مجذوبہ کا معاملہ ہے۔ اس کے بعد میں اپنی ملازمت پر واپس آیا تو کل عرضیاں داخلِ دفتر ہو چکی تھیں۔ وہی مجذوبہ پھر آئیں اور کہنے لگیں :

" ابتو جوتے مارو! "

میں نے کہا: " ابتو گالی دو "۔

وہ مسکرا کر خاموش ہوگئیں۔

ایسے اکثر واقعات پیش آئے ہیں جن سے یہ معلوم ہوا کہ حضورؐ انور کے اثراتِ ولایت سب پر محیط تھے اور " مجاذیب " بھی جو ہر وقت مدہوشی کی حالت میں رہتے ہیں، آپؐ کے سامنے باہوش ہو کر اور باادب حاضر ہوتے تھے۔

چنانچہ منشی عبدالغنی خان صاحب قبلہ وارثی رئیس پوروہ غنی خان ضلع رائے بریلی لکھتے ہیں کہ جب حضورؐ پر نور دربھنگہ تشریف لے گئے ہیں تو اس زمانہ میں وہاں بستی کے باہر کربلا میں (جہاں تعزیئے دفن ہوتے ہیں) ایک جھاڑو شاہ نامی مجذوب رہا کرتے تھے اور درختوں کے سایہ میں ان کا قیام رہتا تھا۔ حضور انور کے دربھنگہ پہنچنے کے تین روز قبل وہ شہر میں آئے اور جا بجا اونچے ٹیلوں پر کھڑے ہو کر کہنے لگے :

" یہاں تاشہ بجے گا، یہاں ارگن بجے گا، یہاں روشن چوکی بجے گی "۔ اور اسی طرح کہتے ہوئے نواب صادق علی خاں صاحب و نواب انور علی خاں صاحب

کی کوٹھی تک پہنچے اور کھڑے ہو کر پھاٹک کی طرف دیکھ کر کہنے لگے:

"یہ پھاٹک آدمی دھکیل دیں گے"

پھر اپنی پوربی زبان میں عجیب انداز سے صدا لگانے لگے:

"کلورواآوت ہے جو اب شراب نہ پیہے او کبھی نہ پیہے، او کا کبھی نہ ملے"

تمام شہر میں ہر گلی کوچے میں یہی صدا لگاتے پھرتے تھے حالانکہ اس وقت تک باشندگانِ شہر کو حضور کی آمد کا علم بھی نہ تھا اور نہ یہ معلوم تھا کہ باجوں وغیرہ کا کچھ انتظام ہے۔

آنریبل مولوی سید شرف الدین صاحب قبلہ وارثی اور دیگر معززین و عمائدین نے اعلیٰ پیمانہ پر حضور انور کی آمد میں انتظامات کئے تھے اور جن باجوں کے نام جھاڑو شاہ مجذوب نے لیے تھے وہ سب تھے۔ تمام شہر میں بجلی کی روشنی کرائی گئی تھی اور بھی ہر قسم کے ساز و سامان تھے۔

جب حضور پرنور شہر میں داخل ہوئے تو لاکھوں آدمی حضور کے ہمراہ تھے اور پالکی کی خاک کو آنکھوں سے لگاتے تھے۔ حضور انور نواب صادق علی خان صاحب کے مہمان ہوئے۔

وہ جھاڑو شاہ مجذوب جن کی بزرگی سے تمام اہلِ شہر واقف تھے جو کبھی کربلا سے ہٹتے ہی نہ تھے اس روز نواب صادق علی خاں کی کوٹھی کے دروازے پر زینہ کے قریب (حضور بالا خانہ پر مقیم تھے) بیٹھے ہوئے تھے اور جو کوئی اندر جانے کا قصد کرتا تھا وہ نہایت جلال میں اور درشت لہجہ سے یہ فقرہ کہتے تھے:

"تو کہتا ہے حاجی صاحب آئے ہیں"

اُن کی ہیبت سے چند لوگ یہ کہتے ہوئے واپس چلے گئے:

"ہم نہیں کہتے"

اسی اثنا میں مرزا منعم بیگ وارثی (جو مقربینِ خاص میں سے ہیں) کسی ضرورت سے نیچے آئے اور جب پھر بالا خانہ پر جانے لگے تو اسی طرح غضبناک ہو کر ان پر بھی دوڑے اور کہنے لگے:

"تو کہتا ہے حاجی صاحب آئے"

مرزا منعم بیگ صاحب نے کہا:

"میں کہتا ہوں حاجی صاحب آئے ہیں اور تو اندھا ہے تو نہیں دیکھتا۔ کیوں لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے"

مرزا منعم بیگ سے یہ سن کر جھاڑو شاہ کہنے لگے:

"تم شہنشاہ کے ہمراہی ہو تم سے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اسقدر ضرور التجا ہے کہ حضرت کی قدمبوسی کرادو"

مرزا منعم بیگ ان کی اطلاع کرنے کے لیے جانے لگے اور دو تین زینوں تک گئے ہوں گے کہ گھبرا کر جھاڑو شاہ صاحب نے آواز دی اور کہا:

"کیا کہو گے؟"

مرزا صاحب نے کہا: "یہ کہونگا کہ ایک فقیر صاحب آپؒ کی ملاقات کے لیے آئے ہیں۔

وہ بولے: "خوب ہوا جو میں نے آپ کو واپس بلا لیا" آپ صرف اتنا کہہ دیجئے: "چیلا داتا کریم شاہ کا غلام آپؒ کا قدم چومنے کے لیے حاضر ہے" اس کے سوا ایک لفظ عرض نہ کرنا۔

انہوں نے جا کر یہی عرض کر دیا۔

آپؒ نے حاضر ہونے کی اجازت عطا فرمائی۔ سنتے ہی مجذوب صاحب اُٹھے دروازہ پر ایک سپاہی وردی پہنے ہوئے اور عمامہ باندھے کھڑا تھا مجذوب صاحب نے جلدی سے اس کے سر پر سے عمامہ اتار کر اپنے جسم کو چھپا لیا اور نہایت ادب سے حاضر ہو کر آستانہ بوس ہوئے۔ حضورؒ انور نے یہ ارشاد فرما کر کہ "ملاقات ہو گئی" رخصت فرما دیا۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ مجاذیب وغیرہ حضورؒ انور کے تابع فرمان تھے۔

اسی طرح سلب کیفیت کے واقعات ہیں ایسے لوگوں کو جو سلوک میں رہتے

کے قابل ہیں اور بار علائق رکھتے ہیں اگر جذب کی کیفیت پیدا ہوگئی تو آپؒ نے آناً فاناً اس کیفیت کو بدل دیا۔

چنانچہ مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی اپنے والد ماجد شاہ مقصود علی صاحب بیتھے پوری کا واقعہ لکھتے ہیں کہ ان کو حضرت حاجی شاہ منصب علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بزرگوں کی خدمت میں رہنے کا بہت اتفاق ہوا تھا۔ جب حاجی شاہ منصب علی صاحب کا وصال ہوگیا تو شاہ مقصود علی صاحب کی "مغلوب الحال" اور مجذوبانہ کیفیت ہوگئی دو سال تک اسی حالت میں پھرتے رہے۔ حسنِ اتفاق سے ایک دن حضورؒ انور کا سامنا ہوگیا آپؒ نے ایک نگاہ ان کی طرف ڈالی معاً ان کا جذب مبدل بہ سلوک ہوگیا اور وہ اپنے ہوش میں آ گئے۔ اسی روز حضورؒ انور کی بیعت سے مشرف ہوئے اور حضورؒ انور کے خاص محبانِ خاص میں ان کا شمار ہوا۔

قاضی رحمت علی صاحب اکبر آبادی لکھتے ہیں کہ محلہ غالب پورہ آگرہ کے رہنے والے ایک شخص کریم بخش نامی چلہ کشی کے بڑے عادی تھے۔ یہاں تک کہ اسی عالم میں ان کی حالت دیوانگی کی ہوگئی۔ ہر وقت ان کے منہ سے کف جاری رہتا تھا اور لوگوں کو ان سے بہت کراہیت آتی تھی۔ اتفاق سے حضورؒ انور میرے مکان پر رونق افروز ہوئے لوگوں نے ان کو میرے مکان کے صدر دروازہ پر لا کر کھڑا کر دیا۔ جب حضورؒ انور باہر تشریف لائے تو لوگوں نے جلدی سے ان کو آپؒ کے قدموں پر ڈال دیا۔

حضورؒ انور نے ان کی پشت پر دستِ مبارک رکھا اور تین مرتبہ فرمایا:

"ہوشیار، ہوشیار، ہوشیار۔"

یہ فرماتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ کریم بخش صاحب کو اسی وقت ہوش آگیا۔ وہ اب تک زندہ ہیں اور ان کی حالت بہت اچھی ہے۔

یہ حضورؒ انور کے فیوضِ ولایت تھے کہ ایک نظر میں کسی کو بے ہوش اور کسی کو باہوش بنا دیتے تھے۔ اور آپؒ کی ذات سے ہر قسم کے فوائد نمایاں ہوتے تھے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ تمام و کمال صفات برتر کا ظاہر کرنا خیالات میں سے ہے اور حضورِ انور کے ہر قسم کے فیوض و برکات اور واقعات و حالات کا سراغ ملنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے کیونکہ لاکھوں کروڑں بندگان الٰہی مختلف ممالک بلاد و امصار میں اس ذاتِ فیض آیات سے مستفیض ہوئے ہیں۔

برکاتِ بیعت

جس طرح حضورِ انور کے فیضانِ ولایت نامحدود ہیں اور ان کے تمام و کمال اقسام نہ ہمارے علم میں ہیں نہ احاطۂ تحریر میں آسکتے ہیں۔ اسی طرح برکاتِ بیعت سے متعلق تمام و کمال پتہ لگانا دشوار ہے کہ آپؒ کی بیعت و ارادت سے کس کس قسم کے کیا کیا فوائد لوگوں کو پہنچے۔ اتنا ضرور دیکھا جاتا ہے کہ عام مریدین کے قلوب دردِ محبت سے آشنا ہیں اور علیٰ قدر مراتب ہر ایک کو حضورؒ کی بارگاہِ عالی سے کچھ نہ کچھ حصّہ ضرور ملا ہے۔ اور جو لوگ آپؒ سے نسبت رکھتے ہیں وہ نہایت کامیاب نظر آتے ہیں۔

آپؒ جنسِ الفت کے خریدار تھے اور یہی اس سلسلۂ عالیہ کی سند ہے اور یہی تعلیم تھی کہ:

"محبت ہے تو ہزار کوس پر بھی ہم پاس ہیں"

پس جس کو جس قدر آپؒ سے محبت ہے جتنا یقین و اعتقاد زیادہ ہے اسی قدر فلاح و بہبود کی صورت ہے۔ باوجود اس کے کہ پیر کا یہ کام ہے کہ وہ منزلِ طریقت کی راہ بتائے۔ آپؒ اپنے مریدین کے دین و دنیا میں کفیل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ چودھری خدا بخش صاحب وارثی (جو ایک معمر بزرگ واجب الاحترام ہیں) بیان کرتے ہیں کہ حضورِ انور کی زبانِ مبارک سے یہ ارشاد میں نے اکثر سُنا ہے کہ:

"یہاں دین بھی ہے اور دنیا بھی ہے جس کا جو جی چاہے لے لے اور اگر دونوں کی ضرورت ہے تو دونوں ہیں"

چنانچہ بکثرت لوگوں کے ایسے واقعات سننے میں آتے ہیں کہ وہ جس غرض اور نیت سے مرید ہوئے اس میں کامیاب ہوئے اور اگر کوئی غرض نہ ہوئی اور بعض حضورؒ انور کی شان و عظمت کو دیکھ کر شرفِ بیعت سے مستفید ہوئے یا خدمتِ عالی میں خلوص سے حاضر ہوئے تو خود حضورؒ پر نور نے ان کی ہر طرح مدد فرمائی اور آپؒ کی تاثیراتِ بیعت نے ان کو من مانی مراد سے بہرہ ور کیا۔

حاجی محمد شاکر خان صاحب وارثی (خلف الرشید مولوی محمد ناصر خان صاحب پنشنر کورٹ انسپکٹر و رئیس رائے بریلی) ناقل ہیں کہ ایک شخص خدا بخش خانساماں، حضورؒ انور کی بیعت سے مستفید ہوا اس کی بیوی کو خدا جانے کیا مرض تھا کہ ہمیشہ بعد نماز مغرب بیہوش ہو جاتی تھی اور رات بھر بے ہوش رہتی تھی مرید ہونے کے بعد خدا بخش کے مکان سے خط آیا کہ اب خود بخود حالت رفع ہو گئی اور فلاں تاریخ سے بالکل وہ حالت نہیں ہوئی۔ جو تاریخ اس مرض کے جانے کی خط میں لکھی ہوئی تھی اسی دن اور تاریخ کو یہ خوش نصیب خدا بخش حضورؒ انور کے سلسلۂ غلامی میں داخل ہوا تھا۔ یہ تاثیر بیعت تھی جس کا فوراً ظہور ہوا۔

شیخ محبوب علی صاحب رحمانی جو کلکتہ کے ایک مشہور و نامور فیاض رئیس ہیں ان کے بھائی شیخ محمود علی صاحب مرحوم کا واقعہ ہے۔ ان کے گھر میں استقاطِ حمل ہو جایا کرتا تھا جس کی وجہ سے وہ سخت پریشان تھے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی۔ بالآخر وہ دیوہ شریف میں حاضر ہو کر حضورؒ انور کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے۔ اور بیعت ہونے کے بعد اپنے مکان کو واپس چلے گئے۔

ان کے برادر مکرم شیخ محبوب علی رحمانی خود تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ محمود علی صاحب کے گھر میں بیعت کے بعد یہ بات جاتی رہی۔ استقاطِ حمل نہیں ہوا اور لڑکا پیدا ہوا جس کا نام نیاز وارث رکھا گیا جو بفضلہ موجود ہے (خدا اس کی عمر دراز کرے آمین)

یہ فیوض و برکات بھی صرف بیعت ہونے پر منحصر نہ تھے بلکہ جو خواہشمند ہوتا تھا اور حضور سے امید رکھتا تھا وہ کامیاب ہوتا تھا۔

چنانچہ حکیم مرزا فتح علی بیگ صاحب نقشبندی مجددی متوطن سعد آباد ضلع متھرا لکھتے ہیں کہ میرے برادر طریق محمد خان صاحب متوطن آگرہ جو ایک نہایت ذاکر و شاغل بزرگ تھے یہ واقعہ اپنا چشمدید بیان فرماتے ہیں کہ آگرہ میں ایک صاحب نہایت خوشحال تھے مگر غمِ فرزند نے انکو پریشان کر رکھا تھا۔ وہ شب و روز اسی جستجو میں رہتے تھے کہ کسی طرح میں صاحبِ اولاد ہو جاؤں۔

حسنِ اتفاق سے حضورِ پُر نور آگرہ میں تشریف لائے تو آپؒ کو دیکھ کر انہوں نے خیال کیا کہ ان بزرگ کو اپنے مکان پر لانا چاہیئے کیا عجب ہے کہ ان کے مبارک قدموں کی برکت سے میرا نخلِ مراد بار آور ہو۔

چنانچہ انہوں نے حضورِ پُر نور کی خدمت عالی میں دعوت کے لیے استدعا کی، جو آپؒ نے قبول فرمائی۔ وہ عقیدت مند نہایت مسرت سے اپنے مکان کی صفائی اور آرائش میں مصروف ہوئے راستہ سے دروازہ تک خوب چھڑکاؤ ہوا اور حضورؒ کی آمد میں سب گھر والے نہایت شاد و مسرور تھے۔ مگر ضرورت دیوانی ہوتی ہے۔ صاحبِ خانہ کو ان کی خواہش نے دیوانہ بنا رکھا تھا۔ انہوں نے کسی عامل کے کہنے سننے سے صدر دروازہ پر کوئی ٹوٹکا یا نقش اولاد پیدا ہونے کے لیے زمین میں دفن کر رکھا تھا۔ جس وقت حضورؒ پر نور تشریف لائے تو خاص اسی مقام پر قدم مبارک رکھ کر رک گئے اور ارشاد فرمایا: "یہ کیا شیطانی حرکت ہے اس کو ابھی نکال کر پھینک دو"۔ چنانچہ صاحبِ خانہ نے اسی وقت تعمیلِ ارشاد کی اور نہایت گرمجوشی سے حضورؒ کو اپنے مکان میں لے گئے۔

میں نے اور بیشتر حاضرین نے دیکھا کہ اس چھڑکاؤ کی ہوئی زمین سے گزر کر آپؒ نے سفید چاندنی پر بے تکلف پائے مبارک رکھے اور نشست فرمائی کوئی نشان چاندنی پر نہیں آیا نہ دھبہ لگا۔ یہ کرامت سُنا کرتے تھے اس وقت آنکھوں سے دیکھی۔ حضورِ پُر نور کی برکت سے صاحبِ خانہ کی امید کے موافق ان کی مصیبت دُور ہو گئی اور وہ صاحبِ اولاد ہو گئے۔

اس قسم کے واقعات اکثر و بیشتر پیش آتے تھے اور ہزاروں نامراد آپؒ

کے فیوض و برکات سے بامراد ہو جاتے تھے۔ حضور انور کا قول ہے کہ :

"عاشق کا مرید بے ایمان نہیں مرتا"

چنانچہ اس ارشاد فیض بنیاد کی تصدیق بھی چند لوگوں کی عینی شہادت سے ہوتی ہے کہ جو لوگ بولنے تک سے مجبور تھے وہ بھی نہایت صفائی سے کلمۂ طیبہ پڑھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔

مولوی حکیم محمود علی صاحب فتحپوری ناقل ہیں کہ مجھ سے شیخ حامد علی صاحب جگوری روایت کرتے تھے کہ ان کے مکان میں ایک خادم تھی فطرتاً اس کی خلقت ایسی واقع ہوئی تھی کہ صاف بات اس کے منہ سے نہیں نکلتی تھی ہمارے سب گھر نے کوشش کی کہ اس کو کلمۂ طیبہ سکھا دیں مگر کسی طرح اس کی زبان سے ادا نہ ہوسکا۔ حسنِ اتفاق سے حضورؒ پر نور تشریف لائے تو اس کو بیعت کرا دیا گیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ مرض الموت میں گرفتار ہوگئی نزع کے وقت اس کے عجیب و غریب حالات مشاہدہ کئے گئے۔ اس کے زبان سے کلمۂ طیبہ اس طرح جاری تھا کہ لوگ تماشہ دیکھتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی پڑھا لکھا شخص نہایت فصاحت سے کلمۂ طیبہ پڑھ رہا ہے اور برابر کلمۂ طیبہ پڑھتی ہوئی راہیٔ ملکِ بقا ہوئی۔

ایسے لوگوں کو بھی دیکھا گیا جنکی ساری عمر سیاہکاری میں گذری مگر حضورؒ انور کی بیعت کی برکت سے ان کا خاتمہ بخیر ہوگیا۔

چنانچہ مولوی سید شرف الدین صاحب قبلہ وارثی (آنریبل ممبر ایگزیکیٹو کونسل بہار) ناقل ہیں کہ حبیب اللہ خان ساکن پٹنہ بڑے شرابی اور عیاش تھے مگر مرنے کے وقت انکی عجیب کیفیت ہوئی انتقال سے تھوڑی دیر قبل انہوں نے اپنے عزیزوں سے کہا کہ مجھے نہلاؤ اور کپڑے بدلواؤ غسل کے بعد انہوں نے پلنگ پر بیٹھنے سے انکار کیا اور زمین پر لیٹ رہے اور اپنے قریب ایک دوسرا بستر بچھوایا اور کہا کہ "حضورؒ انور تشریف لاتے ہیں۔ اسی حالت میں وہ کلمہ پڑھتے پڑھتے دنیا سے رخصت ہوگئے۔

مولوی رونق علی صاحب وارثی الرزاقی بیتھے پوری لکھتے ہیں کہ میرے ایک عزیز کی ایک خادمہ تھی اور حضورؒ انور سے اس کو بیعت تھی وہ عورت بہت خائف رہا کرتی تھی اور جب حضورؒ انور کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوتی تو موت کا خوف ضرور ظاہر کرتی۔ اتفاقِ وقت سے وہ کسی شخص سے ناجائز طور پر ملوث ہوگئی اور حرام کا حمل قرار پاگیا۔ صاحبِ خانہ نے اس کو بہ اکراہ اپنے مکان سے نکال دیا۔ اس کا ایک جھونپڑے میں وضع حمل ہوا اور اس کے بعد وہ بیمار ہوگئی اور سرسام کا زور ہوگیا۔ اس کی ابتر حالت دیکھ کر بعض لوگوں کو ترس آگیا اور انہوں نے یہ سمجھ کر مسلمان ہے نجس نہ مرجائے اس کی طہارت کرادی۔ جب اس کا نزع کا وقت آیا تو وہ بالکل ہوش میں آگئی اور بیتابانہ پکار اٹھی:

"میرے پیر و مرشد تشریف لاتے ہیں قدم پکڑو" اور کلمہ پڑھتے پڑھتے اسکی رُوح پرواز کرگئی۔

جس وقت اس کی تجہیز و تکفین کی گئی لوگوں نے حیرت سے دیکھا کہ اسکا چہرہ بہت نورانی تھا۔

یہ برکتِ بیعت تھی کہ خاتمہ بخیر ہوا:

نصیب ماست بہشت اے خداشناس برو
کہ مستحقِ کرامت گناہگار انند

اسی طرح بعض واقعات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بعد بیعت بعض لوگوں نے آپؒ سے قطع تعلق کرلیا اُن کی بھی آپؒ نے دستگیری فرمائی اور وقتِ مرگ ہاتھ پکڑنے کی لاج رکھ لی۔

چنانچہ مولوی سید شرف الدین صاحب قبلہ بانقابہ بیان فرماتے ہیں کہ خان بہادر مولوی فضل امام صاحب سے مجھکو بہت محبت تھی وہ میرے عموزاد بھائی تھے ان کو حضورؒ کے دستِ مبارک پر مجھ سے پہلے شرفِ بیعت نصیب ہوا۔ خان بہادر صاحب موصوف کو حضورؒ انور سے بدرجہ نہایت محبت و عقیدت تھی جب حضور پٹنہ تشریف لاتے تو انہیں کے یہاں ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ مولوی فضل امام صاحب کی خواہش ہوئی کہ کربلائے معلیٰ جائیں وہ حصول اجازت کے لیے دیوہ شریف میں حاضر ہوئے اور بعد اجازت کربلائے معلیٰ روانہ ہو گئے اور انکی روانگی کے بعد میں دیوہ شریف میں حاضر ہوا تو حضورؒ انور سے کچھ خان بہادر مولوی فضل امام صاحب کا ذکر بھی آ گیا آپؒ نے فرمایا :

"فضل امام کربلا تو گئے ہیں کہیں شیعہ نہ ہو جائیں۔"

میں نے عرض کیا : "حضورؒ انور نے یہ کیا فرمایا ؟"

تو ارشاد ہوا :

"مقدرات کا جواب نہیں۔"

چنانچہ یہی ہوا کہ بعد معاودت مولوی فضل امام صاحب نے اپنے تبدیلِ مذہب کا علانیہ اظہار کر دیا۔

باوجود اس کے کہ انہوں نے اپنا طریقِ مذہب بدل دیا لیکن ان کو حضورؒ کی ذاتِ بابرکات سے وہی محبت تھی۔ مگر یا تو شرم و حجاب کی وجہ سے یا لوگوں کے بہکانے سے وہ شیعہ ہو جانے کے بعد حضورؒ انور کی خدمتِ عالی میں حاضر نہیں ہوئے۔

جب مولوی فضل امام صاحب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو میں ان کی عیادت کو روزانہ جاتا تھا۔ انتقال سے دس پندرہ روز پیشتر انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ "ان کے مرض کی نسبت میرا خیال کیا ہے، صحت ہو گی نہ ہو گی ؟" انکا خیال تھا کہ ڈاکٹر اور طبیب ان کو صحیح خبر نہیں دیتے۔

میں نے کہا کہ بھائی مرنا برحق ہے آپ کو مردانہ طریقہ سے تیار ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ اگر صحت ہو گئی تو ہزار ہزار شکر ہے اور اگر موت ہی ہو تو مردانہ وار ہونا بہتر ہے۔

یہ سُن کر وہ سکوت میں آ گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگے :

"بھائی تم نے خوب کہا اور بڑا احسان کیا۔ اب میں مرنے کے لئے تیار ہوں۔"

ان کی موت سے دو تین دن پہلے میں وکالت کے پیشے کی وجہ سے باہر جانے والا تھا۔ ان کی عیادت کے لیے گیا تو ان کی یہ حالت تھی کہ کبھی ہوش آتا تھا کبھی بے ہوش ہو جاتے تھے۔ مجھے انہوں نے پہچانا اور کہا:

"بھائی میرے نزدیک آجاؤ مجھے تسکین ہوتی ہے۔"

میں نزدیک گیا تو وہ پھر بے ہوش ہو گئے۔ اس وقت میں نے حضور انور کو یاد کیا اور دل ہی دل میں عرض کیا:

"یہ شیعہ ہوں یا سنی آپ ہی کے ہیں اور اس وقت کون کام آ سکتا ہے۔"

یہ خیال کر کے میں ان کے پاس سے چلا آیا اور جہاں جانا تھا چلا گیا۔ اس کے تیسرے دن انہوں نے انتقال کیا۔ وہ مغرب کا وقت تھا مجھے اسی وقت اطلاع ہوئی۔ میں نہیں کہہ سکتا کیونکر ہوئی۔ وہ ایک قلبی معاملہ تھا۔ میں نے اپنا دل تھام لیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور زبان سے بیساختہ نکلا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن مولوی غنی حیدر صاحب وارثی وکیل گیا اس وقت موجود تھے انہوں نے کہا: "خیریت ہے۔"

میں نے کہا: "مولوی فضل امام صاحب کا ابھی انتقال ہو گیا۔"

میرے عزیز سر سید علی امام بھی موجود تھے مگر وہ اس وقت مکان کے اندر تھے ان کو خبر ہوئی تو وہ دوڑے ہوئے میرے خیمہ میں آئے اور مجھ سے کہا کہ یہ صرف آپ کا تخیل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب میں پٹنہ گیا تو معلوم ہوا کہ وہی وقت ان کے انتقال کا تھا۔ انتقال کے وقت جو لوگ ان کے پاس تھے انہوں نے بیان کیا کہ جس دن مولوی فضل امام کا انتقال ہوا ہے انہوں نے کہا:

"اب میرا آخری وقت ہے ایک آدمی میرے کان کے پاس آیت الکرسی پڑھے اور دوسرا کلمۂ توحید پڑھے۔"

انتقال سے چند گھنٹے قبل یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ ہوش میں آ گئے اور اپنے مصاحب رجب خان سے کہا:

"اٹھو کھڑے ہو جاؤ، تعظیم بجاؤ حضرت حاجی صاحب قبلہ تشریف لاتے ہیں" دوبارہ پھر غصہ سے یہی کہا تو رجب خاں کھڑے ہو گئے۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضورؒ کو ہاتھ پکڑنے کی کیسی لاج تھی خواہ مرید آپ کو بھول جائے مگر آپ کو اس کی یاد رہتی اور آپ ہر حالت میں اس کے مددومعاون رہتے تھے ؎ :

بھولے بیٹھے ہیں ہم ان کو چاہتے ہیں وہ ہمیں
اُلٹی موجیں مارتا ہے اے حسن دریائے عشق

ایسے اکثر واقعات ہیں کہ حضورؒ انور کو اپنے مریدین کے پاس وقتِ نزع تشریف لاتے ہوئے لوگوں نے بچشم خود دیکھا۔ جن میں بعض واقعات دیگر حالات میں ناظرین کی نگاہوں سے گذریں گے اس موقع پر صرف برکاتِ بیعت کا ذکر ہے کہ آپؒ سے بیعت ہونے کے بعد کیسے فوائد دنیوی و دینی ظاہر ہوتے تھے اور ان فوائد کے مختلف اقسام میں سے بعض کا تذکرہ مثالاً کیا گیا ہے ورنہ اس قسم کے اور واقعات بھی اکثر لوگوں کے چشمدید ہیں کہ سیاہکاری و گنہگاری کی حالت کو آپؒ نے چشم زدن میں بدل دیا اور انکی تاریک زندگی کا رُخ پلٹ دیا۔

مولانا تحیّر وارثی عین الیقین میں لکھتے ہیں کہ ستر کھ ضلع بارہ بنکی کے زمینداروں میں سے ایک صاحب حضورؒ انور سے بیعت تھے اور شراب سے بہت شوق رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ خواب میں وہ حضورؒ انور کے دربار کا نقشہ دیکھ کر حضورؒ کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے اور قدم مبارک پکڑ کر رونے لگے۔ خدا جانے وہ کس نیت اور خیال سے روئے تھے کہ ان کی شراب کی عادت اس طرح ترک ہوئی کہ جب مے نوشی کا ارادہ کیا تو حضورؒ انور کو سامنے دیکھا اور ادب اور خوف کی وجہ سے جامِ شراب ہاتھ سے چھوٹ گیا پھر دوسری جگہ جا کر یہ شغلِ مے نوشی کرتے تو وہاں بھی یہی واقعہ پیش آتا۔ ناچار شراب چھوٹ گئی اور یہ خیال بھی ترک ہو گیا۔

شیخ حسین علی صاحب نواب وارثی زمیندار سادہ مؤ ناقل ہیں کہ ایک شخص واحد خان نامی ساکن نانپارہ صد درجہ کا شرابی تھا اور اس نے حضورِ انور سے بیعت کی حضور انور سفر میں تھے اور ہم لوگ ہمراہ تھے۔ واحد خان بھی ساتھ ہو گئے۔ بہرائچ میں حضورؒ پُر نور شیخ رحیم الدین صاحب کے مکان پر رونق افروز تھے میں ایک کمرہ میں سو رہا تھا۔ واحد خان نے شراب کی بوتل لاکر میرے بستر کے قریب رکھ دی۔ میں بیدار ہوا تو بوتل دیکھ کر مجھکو سخت ناگوار ہوا۔ میں نے دریافت کیا تو نور محمد شاہ خادم نے مجھسے کہا کہ یہ بوتل واحد خان نے رکھی ہے۔ ان سے ہر چند کہا جاتا ہے مگر یہ یہاں سے نہیں اٹھاتے ہیں۔

میں غصّہ کی حالت میں حضورؒ کی خدمت عالی میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا:

"واحد خان نے بستر کے قریب شراب کی بوتل رکھ دی ہے اگر گر پڑی تو ہم لوگوں کے کپڑے خراب ہو جائیں گے۔ حضور نکلوا دیں گے کہ ان کپڑوں سے شراب کی بو آتی ہے۔"

حضور انور نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

"وہ شراب پیتا ہے۔"

یہ سن کر میں خاموش رہا۔ آپؒ نے اسی وقت واحد خان کو بلایا اور ارشاد فرمایا:

"تم شراب پیتے ہو خوب پیو، جو کام آدمی کرے حد کو پہنچا دے۔"

دوسرے دن حضورؒ نے گنڈارہ کا عزم فرمایا تو حضورؒ انور کی پالکی کے سامنے واحد خان شراب کی بوتل ہاتھ میں لیے ہوئے کھڑے تھے۔ آپؒ نے فرمایا:

"واحد خان گنڈارہ چلو، گنڈارہ چلو۔"

گنڈارہ میں حضورؒ نے ایک دن قیام فرمایا۔ وہاں بھی واحد خاں نشے میں مخمور رہے۔

اس کے بعد مقام بڑن پور بہرام گھاٹ میں ایک شخص نے حضورؒ کی دعوت کی

وہاں بھی واحد خاں شراب لائے جب یہاں سے رخصت ہونے تو حضورِ پُر نور کے روبرو واحد خان نے حاضر ہو کر سلام کیا تو آپؒ نے فرمایا:

"واحد خاں اب تو خوب پی چکے، اب تم کو کیا کرنا چاہیے بس ہو چکا"۔

واحد خاں نے عرض کیا: "حضورؒ ہاں"۔

فرمایا: "واحد خان اب تم اپنے دروازہ پر بیٹھے رہو، تم کو کسی سے کیا کام"۔

واحد خان نے یہ ارشاد سنتے ہی بوتل اور گلاس اسی وقت توڑ ڈالے اور سیدھے اپنے مکان پر نانپارہ چلے گئے اور وہاں جاکر اپنے دروازہ پر بیٹھ گئے۔ شراب بالکل چھوٹ گئی اور کسی اور ہی نشہ کی ترنگ آنے لگی۔

شیخ حسین علی صاحب لکھتے ہیں کہ چھ ماہ کے بعد میں ان سے ملنے گیا تو ان کی عجیب پرکیف حالت تھی ہر وقت محویت و استغراق میں رہتے تھے۔ انہوں نے مجھکو پہچانا بھی نہیں اور مجھکو کیا وہ کسی کو بھی نہیں پہچانتے تھے۔ اکل و شرب سے بھی بے پروا تھے۔ کسی نے کھلا دیا تو کھا لیا ورنہ کچھ پروا نہیں۔ ان کی حالت دیکھ کر تعجب ہوتا تھا کہ یہ وہی واحد خاں ہیں جو ہر وقت نشۂ شراب میں سرشار رہتے تھے، یا اب یہ حالت ہے کہ نئے عشق کا کیف ہر وقت آنکھوں سے نمایاں ہے ایسے واقعات بھی ہیں کہ چشم زدن میں لوگوں کی حالت بدل گئی۔

مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی (سابق وکیل سرکار و رئیس گیا) ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؒ پر نور خان بہادر مولوی سید نصیر الدین صاحب وارثی سی آئی اے کے دولت خانہ پر مقیم تھے اور حسب معمول حضورِ پُر نور کی زیارت و قدمبوسی کے لیے مجمع کثیر تھا اور دروازہ پر بھیڑ تھی۔ مولوی سبحان علی خان صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر متوطن آرہ ضلع شاہ آباد بھی حضورؒ کی بیعت سے مستفید ہوئے اور باہر آکر جہاں کرسیاں بچھی ہوئی تھیں بیٹھ گئے۔ حاضرین اور ان کے دوستوں نے مبارک باد دی۔ ان کے ایک دوست مولوی یاور حسین صاحب وکیل گیا بھی پہنچ گئے۔ جو حضورؒ انور کے سختی کے ساتھ منکر تھے۔ انہوں نے بجائے

مبارکباد کے مولوی سبحان علی خان صاحب سے لعن طعن کے لہجے میں کہا :
" تو اب کیا ہے، اب تو چھوٹ کھیلو "
سامعین جو عقیدت و محبت کے مزے لے رہے تھے ان پر یہ طنزیہ فقرہ بہت شاق گذرا۔ اور مولوی سبحان علی خان صاحب پر تو خاص اثر ہوا۔ وہ بہت شکستہ خاطر ہوئے۔
یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک خادم دوڑتا ہوا آیا اور مولوی سبحان علی خان صاحب کو بلا کر لے گیا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا :
" بیٹھ جاؤ "
جب بیٹھ گئے تو فرمایا : " ہاتھ لاؤ "
انہوں نے گھبرا کر عرض کیا : " حضور میں ابھی مرید ہو چکا ہوں "
حضور خاموش رہے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر کچھ خاص طریقہ سے خود پڑھا اور سبحان علی خان صاحب سے بھی پڑھوایا اور بعد تجدید بیعت ان کی پشت پر ایک گھونسا مار کر فرمایا کہ :
" جاؤ اب چھوٹ کھیلو "
یہ سنکر مولوی سبحان علی خان صاحب ڈپٹی کلکٹر متحیر رہ گئے اور اس تجدید بیعت کا سبب ان کی سمجھ میں نہ آیا۔
مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ کا بیان ہے کہ ۱۹۰۲ء یا ۱۹۰۳ء میں یہ واقعہ خود مجھ سے مولوی سبحان علی خان صاحب نے بیان فرمایا تھا جب وہ گیا میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ اُن سے دریافت کیا کہ آپ کے دل پر اس وقت اس تجدید بیعت کا کیا اثر ہوا اور امتداد زمانہ سے کیا اثر ہے۔ انہوں نے کہا : " مجھے اپنے حال پر تاسف ہوا کہ میں ایسا ہوں جو میری تجدید بیعت کی ضرورت

لہ یہ چھوٹ کھیلو کا محاورہ بہار میں ایسا ہی ہے جیسا لکھنؤ وغیرہ میں کھل کھیلو ۱۲۔

ہوئی مجھ پر حضورِ پرنور کے کلمات طیبات کی تاثیر ہوئی کہ بجائے بیخوف ہونے کے خوف زدہ ہو گیا اس خوف کا اثر میرے تمام کاروبار اور معاملات دنیا و دیں اور اعمال وغیرہ میں ظاہر ہو رہا ہے۔

حضورِ انور کی یہ برکت بیعت تھی کہ ایک شخص نے جو حضورِ انور سے بیعت ہونے پر طعن کیا تو حضورؒ نے اپنے مرید کی زندگی کا رُخ ہی پلٹ دیا۔ اور طعنہ دینے والے خود شرمندہ و نادم ہو گئے۔ یہ تجدیدِ بیعت گویا ان کے تجدیدِ حالت پر مبنی تھی کہ وہ ایسی دولت سے سرفراز ہوئے جو قسمت سے ہاتھ آتی ہے۔ خوفِ الٰہی کا پیدا ہونا اور عملاً و اصولاً اس پر کار بند رہنا اختیاری نہیں ہے جب تک فضلِ ایزدی شاملِ حال نہ ہو۔

اس طرح آپؒ بعض کا رُخ مجاز سے حقیقت کی طرف بھی بدل دیتے تھے۔ آپؒ کی بیعت سے مختلف اقسام کی تاثیرات پیدا ہوتی تھیں۔ مگر آخر کار راہِ راست ہی نصیب ہوتی تھی۔ آپؒ کے برکاتِ بیعت میں یہ بات بھی خاص تھی کہ تاثیراتِ عشق سے ہر شخص کو کچھ نہ کچھ حصہ مل جاتا تھا۔ دستِ مبارک کو تھامتے ہی اور آپ سے ارادت و عقیدت پیدا ہوتے ہی عشق کے وہ جذبات جو قلب میں مخفی رہتے ہیں اور جن میں راگ سننے سے یا کسی حسین صورت یا اچھی چیز دیکھنے سے اشتعال ہوتا ہے وہ مادہ نیکی یا بدی کی طرف مائل ہو جاتا ہے حضورِ انور کے دستِ اطہر کی یہ تاثیر تھی کہ اس کو تھامتے ہی اس مادہ میں غیر معمولی حرکت پیدا ہو جاتی تھی اور اس کا آخری نتیجہ عشقِ حقیقی ہوتا تھا۔

ایسے اکثر واقعات سننے میں آئے مگر مفصل دریافت نہ ہو سکے۔

حافظ پیاری صاحب کا واقعہ بطورِ مثال خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جس کو چند صاحبوں کے اصرار سے انہوں نے خود لکھوایا ہے۔ اس سے اس مسئلے پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ پیر سالک کس طرح عشقِ مجازی سے نکال کر عشقِ حقیقی کی طرف مرید کو لاتا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا

کسی قدر تفصیل سے اس موقع پر ذکر کیا جائے کیونکہ حضورؒ انور کی تاثیرات بیعت
میں عشق اور منزلِ عشق ہی کو درجہ خصوصیت حاصل ہے اور یہ بجائے خود ایک
داستانِ عشق ہے اور حضورؒ انور کے مبارک تذکرہ سے اس واقعہ کو اس سبب
سے خصوصیت بھی حاصل ہے کہ حضور انور کی توجہات باطنی کے ارشادات
طیبات بھی اس میں شامل ہیں۔

حافظ پیاری کی کہانی انہیں کی زبانی

حافظ پیاری صاحب کا بیان ہے کہ میری عمر پندرہ سولہ برس کی ہوگی
میں لکھنؤ میں پڑھتا تھا۔ حضورؒ انور کے والد ماجد سید ناقربان علی شاہ صاحب
قبلہ رضی اللہ عنہ کے عرس شریف کی تقریب میں دیوہ شریف حاضر ہوا اور میں اپنے
ایک رشتہ کے چچا کے ہاں مقیم ہوا۔

حضورؒ انور سے میں پہلے بیعت ہو چکا تھا اس لیے قدمبوسی کی غرض سے
حاضر ہوا۔ میرے وطن موضع بڑا گاؤں کے کچھ لوگ حضورؒ انور کی خدمتِ عالی
میں حاضر ہوئے اور میرے حقیقی عم مکرم مولوی نور کریم شاہ صاحب قدوائی
کی نسبت عرض کیا گیا کہ حضورؒ کے تہ بند پوش فقیر نور کریم شاہ کا انتقال ہو گیا
اب ہمارا گاؤں حضور کے فقیر سے خالی ہو گیا۔

آپؒ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا :

" فقیر کی جگہ خالی نہیں ہوتی جو مستحق ہوتا ہے وہ پاتا ہے۔"

اس وقت حضورؒ پر نور نے ایک کتاب مجھکو مرحمت فرمائی جس میں یہ
مضمون تھا کہ کوئی امیر کسی رئیس کی لڑکی پر عاشق ہو گیا اور اس کے عشق میں
بہت مصائب و تکالیف کا سامنا ہوا اور رات دن اس کے مکان کا
چکر لگانے لگا۔ برسوں تک اس کی یہ حالت رہی بعدازاں ایک درویش
سے اس کی ملاقات ہوئی اور وہ سکون کی حالت میں ایک جگہ بیٹھ رہا فقیرانہ

زندگی اختیار کر لی۔ اس لڑکی کو جس کا وہ عاشق تھا خیال پیدا ہوا کہ کیوں اس نے ایک دم سے مجھکو فراموش کر دیا۔ اس خیال میں وہ بھی اپنے مکان سے نکل کھڑی ہوئی اور اپنے عاشق کے پاس پہنچ کر سبب کشیدگی دریافت کیا تو اس نے خدا جانے کیا کہا کہ وہ بھی پاؤں توڑ کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔

یہ اس کتاب کے مضمون کا مختصر خلاصہ ہے۔ آپؒ نے اس کتاب کو مرحمت فرماتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا:

"اس کو دو مرتبہ روز پڑھ لیا کرو۔"

اور کچھ شیرینی بھی مرحمت فرمائی۔

میں بہت خوش خوش اپنے چچا کے مکان پر پہنچا اور اپنی چچی صاحبہ سے تذکرہ کیا کہ آج حضورؒ نے مجھکو شیرینی عطا فرمائی اور یہ کتاب مرحمت کی اور یہ ارشاد فرمایا ہے:

"اس کو روز ایک دو مرتبہ پڑھ لیا کرو۔"

چنانچہ گھر کی سب مستورات کو اس کتاب کے سننے کا اشتیاق پیدا ہوا اور میں سنانے لگا۔ پھر تو یہ ہوا کہ روزانہ اس کتاب کو پڑھنا اور سب کو سنانا پڑتا تھا۔

میری چچی صاحبہ کی لڑکیاں قرآن شریف پڑھتی تھیں ایک روز چچی صاحبہ نے کہا "میری لڑکیاں بڑی ہو گئی ہیں اب باہر کے آدمی سے پڑھوانا مناسب نہیں معلوم ہوتا تم گھر کے لڑکے ہو قرآن شریف پڑھا دیا کرو۔"

میں پڑھانے لگا۔ ان کی ایک لڑکی جس کو سب "پیاری" کہتے تھے تیسرا پارہ پڑھتی تھی۔ وہ میرا بے شعوری کا زمانہ تھا مگر مجھے اس کو کلام مجید پڑھانے میں خاص لطف آتا اور یہی دل چاہتا تھا کہ یہ قرآن شریف پڑھے جائے اور میں سنے جاؤں۔ اور یہ چاہتی تھی کہ یہ دن بھر اس کتاب کو (جو حضرت اقدسؒ سے عطا ہوئی تھی) پڑھے اور میں سنوں۔

عرس شریف کے ختم ہونے پر کچھ دنوں میں نے یہاں قیام کیا بعد ازاں

اپنے موضع بڑا گاؤں کو چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر دو ایک روز کے بعد معلوم ہوا کہ میری حقیقی ہمشیرہ کی شادی عنقریب ہونے والی ہے اور اس میں تمام اعزہ جمع ہوں گے۔ چنانچہ اس تقریب میں میرے چچا صاحب آئے چچی صاحبہ آئیں اور ان کی سب لڑکیاں بھی آئیں۔ بعد ختم تقریب کے سب نے قصد روانگی کیا تو چچی صاحبہ کو اور ان کی لڑکیوں کو میرے والدین نے روکا۔ چچی صاحبہ نے کہا:

"میں تو نہیں رہ سکتی مگر لڑکیوں کو اس شرط سے چھوڑ سکتی ہوں کہ حافظ عبدالکریم قرآن شریف پڑھا دیا کریں (حافظ پیاری صاحب کا نام عبدالکریم ہے) میری والدہ نے کہا:

"وہ تمہارا ہی لڑکا ہے بسر و چشم کلام مجید پڑھائے گا۔"

چنانچہ ان کی والدہ لڑکیوں کو چھوڑ کر چلی گئیں اور میں نے نہایت جاں فشانی سے کلام مجید پڑھایا اور بہت جلد ختم کرا دیا مگر روزانہ آتشِ محبت سینہ میں مشتعل ہوتی گئی اور یہی دل چاہتا تھا کہ وہ پیاری کی دلفریب صورت نگاہوں کے سامنے رہے اور میں قرآن شریف پڑھاتا رہوں۔

میری سرگرمی کی وجہ سے اس خواندگی کی شہرت بھی بہت ہوگئی لیکن کسی نے لحاظ کی وجہ سے یہاں کچھ نہ کہا مخفی طریقہ سے اس لڑکی کے والدین کو اس حالت کی خبر دی۔ چنانچہ ایک روز یکایک کہار سواری لیکر آپہنچے۔ آہ وہ وقت بھی عجیب مصیبت کا وقت تھا۔ جو قلوب دردِ محبت سے آشنا ہیں وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ معشوق کو رخصت کرنے کا وقت کس قدر سوہانِ روح اور مصیبت کا ہوتا ہے۔ میری جو حالت تھی خدا ہی خوب جانتا ہے مگر اس لڑکی کی حالت بھی نہایت خراب ہونے لگی تمام مستورات ہم دونوں کی حالت دیکھ کر متوحش ہوگئیں چلتے وقت اس لڑکی نے مجھ سے کہا:

"بھائی آپ دیوہ شریف کب آئیں گے۔"

میں نے نہایت بیقراری کے عالم میں جواب دیا کہ تمہارے جانے کے

بعد میں بھی آتا ہوں ۔

چنانچہ سادہ متو میں قیام کر کے دوسرے دن زنانہ سواریاں دیوہ شریف پہنچ گئیں اور میں بھی اسی روز شام کے وقت اُن کے مکان پر پہنچا ۔ میری اور اس لڑکی کی یہ بات طے ہو چکی تھی کہ قرآن شریف ختم ہونے کا تذکرہ اپنی والدہ سے نہ کرنا بلکہ یہ کہہ دینا کہ ابھی کچھ باقی ہے ۔

اس لڑکی نے اپنی والدہ سے یہی کہا ۔ اس کی والدہ نے کہا : "اب بقیہ کلام مجید کیسے ختم ہو ؟"

میں نے کہا "میں روز بڑا گاؤں سے آکر پڑھا جایا کروں گا ۔"

چچی صاحبہ نے کہا "اتنی مسافت روز طے کرنے پر لوگ کیا کہیں گے ؟"

میں نے کہا : "لوگوں سے کیا مطلب ، دلوں اور نیتوں کا دیکھنے والا خداوند عالم ہے ۔"

اور انہوں نے جواب دیا : "میں کیا کہوں صرف لوگوں کا خیال ہے ۔"

میں روزانہ بعد نماز مغرب بڑے گاؤں سے چلتا تھا اور آٹھ نو بجے شب تک دیوہ شریف میں آجاتا تھا اور یہاں قرآن شریف پڑھاتا تھا اور کچھ رات رہے یہاں سے چل دیتا تھا ۔ صبح کی نماز بڑا گاؤں میں جا کر ادا کرتا تھا ۔ دو ڈھائی سال تک یہی انداز رہا ۔

اب دیوہ شریف کے باشندوں میں بھی چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور لوگوں نے اس لڑکی کے والد سے کہا کہ حافظ عبدالکریم کے روزانہ تمہارے مکان پر آنے کی کیا وجہ ہے ۔ ایسی بھی کیا عزیزداری !

اس لڑکی کے والد ریاست جہانگیر آباد میں ملازم تھے وہاں سے آئے اور آکر انہوں نے اپنے مکان میں نہایت تہدید اور فہمائش کی کہ وہ ہمارے مکان پر ہرگز نہ آنے پائے ۔

اُس روز میں حسبِ عادت شب کے وقت پہنچا تو اس لڑکی کی والدہ نے مجھکو گھر میں آنے سے روکا ۔ وہ لڑکی ایک کتاب دینے کے بہانے سے دروازہ پر میرے

پاس آئی اور مجھ سے کہا :

"سب کا خیال ہے کہ اس مکان کے بالاخانہ پر جن رہتے ہیں. اب تم مجھ کو دیکھنا چاہتے ہو تو شب کو بھیس بدل کر اور جن بنکر آؤ لیکن اگر خبر ہو گئی تو دشمنوں کی جان پر آبنے گی" میں نے کہا :

"اس کا کچھ غم نہیں میں سب انتظام کر کے دو تین روز میں آتا ہوں"

اتنے میں چچی صاحبہ نے اس لڑکی پر بھی خفگی کا اظہار کیا اور اس کو بلا لیا۔ میں نہایت پریشانی و بدحواسی کے عالم میں وہاں سے رخصت ہوا :

ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

میں اس مکان کے بالاخانہ پر جنات کے رہنے کی شہرت پہلے بھی سن چکا تھا مگر یہ ترکیب اس کرشمۂ حسن نے حضرتِ عشق کی مدد سے ایسی بتائی جس دانائی و حکمت و فہم و فراست پر میں دل ہی دل میں آفرین کہتا تھا اور ہر بن مُو سے اس کی داد دیتا تھا۔

میں نے دل میں ٹھان لی کہ میں جن ضرور بنوں گا خواہ وہ سچ مچ کے جنات مجھے مار ہی کیوں نہ ڈالیں اور گھر والے مجھے کتنا ہی ذلیل کیوں نہ کریں۔

آہ وہ وقت بھی ـــــ عجیب وقت تھا جب دل نے مجبور کیا تھا کہ اسی فرمان کی تعمیل فرضِ عین ہے جو بارگاہ حسن سے صادر ہو۔

میں پہلے مکان بڑا گاؤں ہیں گیا اور مکان سے کچھ روپیہ لیکر لکھنو پہنچا اور جن بننے کے لیے سامان خرید نے لگا۔ مختلف قسم کے عطر اور اگر بتیاں، شیرینی کوٹلے، دیا سلائیاں اور دو دو ہاتھ کی لانبی موٹی موٹی سات آٹھ سلاخیں لوہے کی بنوائیں (یہ اس لیے کہ دیوار میں گاڑ کر آسانی سے ان کے ذریعے سے کوٹھے پر چڑھ جاؤں) ایک پورا تھان کپڑے کا خرید کیا جس میں یہ سب چیزیں باندھ لیں اور دیوہ شریف پہنچا کمر میں وہی تھان باندھ لیا اور اسی میں نیچے کی طرف سب سامان رکھ لیا کہ اوپر جا کر کھینچ لونگا اور ان سلاخوں کے ذریعے سے اوپر پہنچ گیا اس وقت جو قلب کی حالت تھی اور جو سنسنی خیز کیفیت تھی وہ لفظوں میں بیان

نہیں ہوسکتی، آہ ؎ :

طریقِ عشق میں کوئی نہیں جو آبرو رکھے
خداوندا اُسی کی پت رہے گی جسکی تو رکھے

میں نے اوپر پہنچ کر کسی جگہ اگر کی بتی اور لوبان وغیرہ سلگایا، کہیں چراغ روشن کر دیا، کہیں عطر اور گلاب چھڑک دیا۔ غرض کہ تمام چھت خوشبو سے مہک گئی۔ اُس وقت خود بخود دل میں آیا کہ اگر زینہ سے اس مکان میں اُترے تو کوئی جن نہ سمجھے گا۔ چھت پر سے کُود پڑنا چاہیئے یہ خیال آتے ہی میں کوٹھے پر سے الااللہ کہکر کود پڑا۔ وہ لڑکی تو واقف ہی تھی اور سب گھر کی آنکھیں کھُل گئیں اور جس قدر مستورات تھیں سب حواس باختہ ہوگئیں اور نہایت بے تابی کے عالم میں انہوں نے کہنا شروع کیا :

"یا حاجی صاحب، یا خواجہ صاحب، یا شاہ منعم صاحب، یا شاہ عبدالرزاق بانسوی ہماری مدد کرو۔"

اس لڑکی کی والدہ نے خوف و دہشت کی وجہ سے چراغ بھی گُل کر دیا کہ جن کی بھیانک صورت سے بچے نہ ڈر جائیں۔

میں دالان میں پہنچ گیا اور میں نے کہا : "چراغ جلاؤ اور ہماری صورت دیکھو، تم روز کہا کرتی تھیں کہ ہم نے جن کی صورت نہیں دیکھی۔"

وہ خوشامد کرنے لگیں کہ "ہم صورت دیکھنا نہیں چاہتے۔ برائے خدا ہم پر رحم کیجئے۔"

میں نے کہا : "تم یہ نہ سمجھنا کہ ہم اس وجہ سے آئے ہیں۔ ہمارے آنے کی دراصل یہ وجہ ہے کہ وہ حافظ جو بڑا گاؤں سے آتا تھا اور اس سے یہ لڑکی قرآن شریف پڑھا کرتی تھی تو ہم بھی سنا کرتے تھے۔ اب کیا وجہ ہے کہ تین دن سے قرآن خوانی نہیں ہوتی۔"

اس پر وہ مستورات کہنے لگیں :

"حافظ کو ہم نے اپنے پرائے کی لاج کی وجہ سے روک دیا ہے۔ اگر آپ

قرآن سننا چاہتے ہیں تو جس وقت کے لیے حکم دیں یہ لڑکی اسی وقت تلاوت کیا کرے۔"

میں نے کہا: "مجھکو قرآن شریف سننے سے مطلب ہے حافظ سے غرض نہیں میں شب کو روزانہ آؤں گا یہ قرآن سنائے۔ ہم دو بھائی ہیں اور مدت سے یہاں رہتے ہیں۔"

انہوں نے یہ بات منظور کرلی اور میں روزانہ اسی طریقہ سے خوشبو کی چیزیں چھت پر سلگا کر نیچے کود پڑتا تھا۔ مگر اوپر زینہ ہی کی طرف سے چڑھتا تھا۔ اس واقعہ کی تمام بستی میں شہرت ہوگئی اور حضور پُرنور کی خدمتِ عالی میں بھی عرض کیا گیا، تو آپؐ نے فرمایا:

"ہاں ہاں پڑھا جن ہے، پڑھا جن ہے۔"

حضورؐ کے ان لفظوں کو کوئی نہ سمجھا اور سب کو یہی خیال مستحکم رہا کہ جن ہے۔

تقریباً اسی طرح جن بنکر میری آمد و رفت رہی اور درمیان میں اکثر پہلے کی طرح یعنی حافظ عبد الکریم کی صورت میں بھی مہمان کے طریقہ پر آیا۔ جب اس طرح سے آتا تھا تو پہلے سے گھر والوں سے جن بنکر کہہ دیا کرتا تھا کہ اب فلاں فلاں مقام پر عرس ہے ہم وہاں جائیں گے اور کچھ دنوں نہ آسکیں گے۔

چنانچہ اسی مہمانداری کے زمانہ میں اس لڑکی کی والدہ نے اس خیال سے کہ یہ محبت پاک ہے اور قابلِ اطمینان ہے کہ نہیں یہ قصد کیا کہ حضور پُرنور میرے مکان پر تشریف لائیں اور اس کے متعلق کوئی اشارہ اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائیں تو خدشہ رفع ہوجائے۔ اس سبب سے اس کی والدہ نے مجھ سے کہا کہ سرکار میں حاضر ہو کر عرض کرو اگر تشریف لادیں تو سب زیارت کرلیں۔

میں عرصہ سے شرمندۂ محبت تھا خوف کی وجہ سے حاضری کی نوبت نہیں آتی تھی۔ راستہ گلی میں جب حضورؐ کو دیکھتا تو نیچی نگاہ کر کے ادب سے سلام کرلیتا اور قدمبوس ہوجایا کرتا تھا اور حضورؐ پرنور میری طرف انوکھے انداز

سے دیکھتے اور تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے تھے :

"حافظ حافظ تم خطیب کے ہاں ٹھہرے ہو ایک خون ایک جگر کا معاملہ ہے۔"

اس لڑکی کے دادا کا نام لیکر فرماتے تھے۔

اس لڑکی کی والدہ کے اصرار سے میں حضورؒ میں حاضر ہوا اور پیام عرض کیا۔ حضورؒ انور نے فرمایا :

"اچھا اچھا سہ پہر کو چلیں گے۔"

میں نے آکر اطلاع دیدی۔ سب مستورات نے مل جل کر مکان کی صفائی وغیرہ شروع کر دی اور حضورؒ انور کی نشست کی جگہ کو آراستہ کیا۔

سہ پہر کو میں حضور میں حاضر ہوا آپؒ تشریف لائے اور بستر پہ استراحت فرمائی۔ میری چچی صاحبہ اور ان کی لڑکیاں ہاتھ پاؤں دبانے لگیں اور پنکھا جھلنے لگیں۔ میں اس وقت تھوڑے فاصلے پر دیوار سے سہارا لگائے دم بخود بیٹھا ہوا تھا۔ میرے قلب کی حالت اس وقت بہت نازک تھی اور بے اختیار رقت طاری ہو رہی تھی۔ اس وقت حضورؒ انور نے کئی مرتبہ دریافت فرمایا :

"حافظ کہاں ہے، حافظ کہاں ہے ؟"

اس لڑکی کی والدہ نے اشارہ سے بتایا : "وہ بیٹھے ہیں۔"

اتنے میں اس لڑکی نے کہا :

"بھائی تم بھی آکر حضورؒ کے پاؤں دباؤ۔"

یہ سُن کر ڈرتے ڈرتے میں قدموں کے قریب پہنچا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت مجھ پر کیا عالم بے خودی طاری تھا اور کس قدر رقت کے ساتھ محویت کا غلبہ تھا کہ باوجود اپنے مقدور بھر ضبط کی کوشش کرنے کے از خود رفتگی میں اس لڑکی کا اور میری یہ حالت ہوگئی کہ میں اس کے پاؤں دبا رہا تھا اور وہ میرے پاؤں دبا رہی تھی۔ اور حضورؒ پر نور زیر لب تبسم فرما رہے تھے اسی اثنا میں حضورؒ انور نے اس لڑکی کی والدہ سے مخاطب ہو کر فرمایا :

"ہم نے بہت سیر کی ہے اور تمام ملکوں میں پھرے ہیں۔ ایک مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک شخص کسی لڑکی پر عاشق ہے مگر اس کا عزیز ہے۔ لوگوں نے اس کی حالت دیکھ کر بدنامی کا خیال کیا اور اس کے آنے جانے کی ممانعت کرنے کے لیے مشورے کرنے لگے۔ یہ بات طے پائی کہ یہ کسی کے کہنے سننے سے نہیں مانے گا۔ جس کا یہ عاشق ہے اگر وہ لڑکی خود کہدے کہ تم میرے پاس نہ آیا کرو تو مان جائیگا۔

اس کے عزیزوں نے اس لڑکی کو سمجھایا اور مجبور کیا کہ اس سے خود کہے۔

جیسے ہی وہ آیا اور اس نے کہا۔ اس عاشق نے جواب دیا کہ سچ کہتی ہو نہ آؤں؟ تین مرتبہ اُس نے تکرار کی اور اس نے جواب دیا کہ ہاں نہ آؤ۔ جیسے ہی تیسری مرتبہ نہ آنے کو کہا۔ عاشق کی روح قالب سے پرواز کر گئی اپنے عاشق کی یہ حالت دیکھ کر وہ لڑکی بھی جاں بحق تسلیم ہو گئی۔"

یہ فرما کر حضور انور نے فرمایا:

"سُنو سُنو پاک عشق میں خدا مدد کرتا ہے۔ اگر ہزار یکجائی ہو تو کچھ نہیں ہو سکتا۔"

یہ فرماتے ہوئے آپ اُٹھ بیٹھے اور اس لڑکی کی پشت پر اور میری پشت پر ایک ایک گھونسہ رسید کیا۔

اس واقعہ کے بعد سے میری چچی صاحبہ کی بدگمانی جاتی رہی اور وہ میری خاطر کرنے لگیں۔ مگر میری آمد و رفت کی شہرت عام تھی اور جیسا دنیا کا قاعدہ ہے لوگ طرح طرح کے الزامات سے متہم کرتے تھے اور میں حسبِ دستور یہاں سے بعد مہانی بڑا گاؤں گیا اور وہاں سے جن بنکر پہلے کیطرح روزانہ شب کو آنے جانے لگا۔ میں نے ایک روز اُسی جناتی شکل میں اس لڑکی سے کہا:

"میں لکھنو جاتا ہوں، جن بننے کا سامان لانا ہے۔ تمہیں جو منگانا ہو بتا دو، لیتا آؤنگا۔"

اس نے ایک عقیق البحر کی تسبیح کے لیے کہا۔

میرا خیال تھا کہ اس وقت سب گھر سو رہا ہے۔ مگر حقیقتہً میری چچی صاحبہ بیدار تھیں اور وہ چپکے چپکے میری باتیں سُن رہی تھیں۔ انھوں نے میری گفتگو کا یہ مطلب سمجھا جو مجھکو بعد کو معلوم ہوا کہ حافظ نے میرے یہاں کے جنات کو عمل وغیرہ پڑھ کر اپنے قبضہ میں کر لیا ہے اور جن بنکر ان کی مدد سے آتا ہے۔ مگر جنات کا خیال دل سے دور نہ ہوا لیکن اس کا پورا یقین ہو گیا کہ یہ ضرور حافظ ہے مگر انہوں نے کبھی مجھ سے یہ خیال ظاہر نہ کیا میں بدستور جن بنکر آتا جاتا رہا اور تین چار ماہ کے بعد مہمان بنکر گیا تو چچی صاحبہ نے صرف اسی لڑکی کو مجھ سے پردہ کرایا اور سب لڑکیاں میرے سامنے آئیں اس وقت مجھکو بہت پریشانی ہوئی۔

مجھکو بیٹھے ہوئے دس پندرہ منٹ کا عرصہ گذرا ہوگا کہ وہ لڑکی دفعتہً پردہ سے باہر نکل آئی اور جہاں میں بیٹھا تھا وہیں آکر کھڑی ہوگئی۔ اس کی بڑی ہمشیرہ نے کہا:

"اماجان نے تمکو باہر آنے سے منع کیا تھا پھر کیوں باہر آئیں"

اس نے جواب دیا:

"اماجان کی یہ بات خلافِ عقل ہے۔ حافظ میرے رشتہ میں بھائی ہیں اور مجھے قرآن شریف بھی پڑھایا ہے اور تمام بستی جانتی ہے کہ ان سے پردہ نہیں ہے۔ پھر اس پردہ میں میری بدنامی ہے کہ نہیں۔ آخر پردہ کی وجہ کیا ہے؟"

یہ سنکر تمام مستورات دم بخود رہ گئیں۔ مگر میں بہت پریشان تھا اور میری طبیعت الجھ گئی۔ میں اسی وقت رخصت ہوا۔ اس لڑکی کی والدہ نے بہت روکا مگر میں نہیں ٹھہرا۔ اور اسی واقعہ کے خیال میں چل دیا۔

طرح طرح کے منصوبے دل میں پیدا ہوتے تھے کہ آج جن بنکر خوب ان سب کو درست کرنا چاہیئے بدحواسی کے عالم میں قدم نہیں اٹھتے تھے۔ میں

راستہ سے پھر پلٹا اور دیوہ شریف کو واپس آیا اور اس مکان پر پہنچا۔ جب اندر گیا تو ایک سناٹے کا عالم تھا وہ لڑکی نہایت پریشان بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اس کی بہنوں سے سبب دریافت کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ آپ کے جانے کے بعد اتا جان نے پردہ سے باہر آنے کے جرم میں ان کو خوب مارا ہے۔ مگر یہ اب بھی یہی کہتی ہے کہ میں ان سے پردہ نہیں کروں گی۔

اس واقعہ سے مجھکو اور بھی دحشت ہوگئی اور میں چلا آیا۔ جب رات ہوئی تو حسب دستور میں جن بنکر کوٹھے پر گیا اور اسی طرح کود پڑا۔ ان کی والدہ کو سخت تعجب ہوا کہ کل تو یہ کہہ گئے تھے کہ ہم اجمیر شریف جاتے ہیں آج کیسے آگئے۔

میں نے پہلا سوال یہ کیا کہ تم نے ـــــ اپنی لڑکی کا حافظ سے پردہ کیوں کرایا اور جب وہ چلا گیا تو لڑکی کو کیوں مارا۔ ہم کو اس کی خبر ہوگئی اور ہم اسی وجہ سے واپس آئے ہیں۔ ہم بے شک حافظ کے قبضہ میں ہیں۔ اب تمہارے ہاں حافظ کبھی نہیں آئے گا۔ ہمکو تمہاری حرکت سے بہت رنج ہوا حافظ جو خدمت ہم سے لے گا ہم اس کی بجا آوری کے لیے تیار ہیں۔

یہ سنکر سب متوحش ہوگئیں اور خوشامد سے خطا معاف کرانے لگیں۔ مگر جن صاحب اپنی ہی بات پر قائم رہے۔

دوسرے روز میں پھر مہمان بنکر آیا اور اپنے دوسرے چچا صاحب کے مکان پر مقیم ہوا جو اس مکان سے متصل تھا۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا میرے آنے کی خبر جب اس لڑکی کی والدہ کو ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ وہ ہمارے ہاں نہیں آیا اور دوسری جگہ ٹھہرا ہے تو جنات کی خفگی کے خیال سے انہیں اور دحشت ہوئی کہ کہیں نئی مصیبت نہ نازل ہو۔ دیکھیے جنات ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔

انہوں نے اس خوف کی وجہ سے اپنی ماماؤں کو بھیجا کہ جس طرح ممکن ہو مجھکو لے آئیں۔ مگر میں نہیں گیا۔ جب روزہ کھولنے کا وقت ہوا تو افطار نے اس مکان

سے بھی آئی جہاں میں ٹھہرا تھا اور اس لڑکی کی والدہ نے بھی بھیجی۔ میں نے اس خیال سے کہ چچی صاحبہ کے ہاں کی افطاری میں وہ ہاتھ لگے ہوں گے ۔۔۔ وہی افطاری کھائی اور اس افطاری میں سے جو جائے قیام سے آئی تھی اٹھا کر جتنی کھائی تھی اس میں شامل کر دی تاکہ اس لڑکی کی والدہ کو بھی علم ہو کہ ہمارے ہاں کی افطاری نہیں کھائی۔

یہی ہوا کہ جب چچی صاحبہ نے اپنے سب برتنوں میں بدستور افطاری دیکھی تو وہ اور متوحش ہوئیں کہ میرے یہاں کی افطاری بھی واپس کر دی بالکل نہیں کھائی!

جب شب کو سب تراویح میں چلے گئے اور میں تنہا رہ گیا تو پھر چچی صاحبہ کے یہاں سے کھانے کے لیے ماما ئیں بلانے آئیں مگر میں نے انکار کر دیا بالآخر خود آ کر پکڑ کر لے گئیں اور اپنے گھر لے جا کر اس لڑکی کے قریب بٹھا دیا اور کہا کہ ان کو کھانا کھلاؤ۔ وہ لڑکی کھانا لائی میں کھانا کھانے لگا۔ دفعتہً ان کی والدہ کے حواس بگڑنے لگے اور خود بخود انتشار کے باعث یا خدا جانے کیوں ان کی مجنونانہ حالت ہو گئی اور وہ اپنے گھر میں سب کو مارنے لگیں مگر مجھ سے اور اس لڑکی سے کچھ نہیں کہا اور خود بخود کنوئیں میں گرنے کے لیے چلنے لگیں۔ سب نے ان کو پکڑ لیا۔ یہ حالت ان کی بڑھتی رہی اور ۱۲ بجے شب تک قائم رہی۔

وہ لڑکی بھی اس حالت کو دیکھ کر بہت پریشان ہوئی اور مجھ سے کہنے لگی:

"حافظ بھائی تم نے تو کچھ نہیں کر دیا؟"

میں نے کہا: "تم اطمینان رکھو میں نے کچھ نہیں کیا۔ شاید ان کی حرارت قلب سے ایسا ہوا ہے۔"

یہ کہہ کر میں باہر چلا آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میری چچی صاحبہ کی بڑی لڑکی نے مجھکو بلا کر کہا:

"ایک خط لکھ دو تاکہ ملازم کے ہاتھ بھیجکر جہانگیر آباد سے والد صاحب کو

بلا لیا جائے۔ میں نے کہا "اچھا" اور یہ کہکر باہر چلا آیا۔

باہر جاکر میں نے خط تو لکھ دیا مگر یہ خیال کیا کہ اگر یہ آدمی گیا تو وہ فوراً آجائینگے اور ان کے آنے پر نہیں معلوم کیا واقعہ پیش آئے اس لیے پہلے اس آدمی سے دریافت کرنا چاہیئے کہ اس کا کیا خیال ہے۔ اس ملازم کا جو باہر کے کاروبار کے لیے تھا عظمت نام تھا۔ میں نے اسے علیحدہ لیجاکر کہا:

"عظمت تم بھی کچھ جانتے ہو کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اور کیوں ایسا ہوا؟"

اس نے کہا: "مجھکو سب معلوم ہے۔"

میں نے کہا: "کیا معلوم ہے۔"

اس نے جواب دیا کہ آپ کی ناراضی کی وجہ سے یہ سب حالت ہو رہی ہے۔ جب تک وہ لوگ آپ کو خوش نہ کریں گے اسی آفت میں رہیں گے۔ کیونکہ آپ کے قبضہ میں جن ہیں وہی ان لوگوں کو پریشان کیئے ہوئے ہیں۔"

میں دل ہی دل میں بہت خوش ہوا کہ خدا کا شکر ہے یہ بھی جنات کا قائل ہے۔

میں نے اس سے کہا: "آج شام سے جنات کو سمجھا رہا ہوں مگر وہ میری ایک نہیں سنتے۔" اس نے کہا:

"خدا خیر کرے ان لوگوں سے سخت غلطی ہوئی ہے۔"

میں نے کہا: "عظمت مجھے تمہارا بہت خیال ہے اور مجھے خوف ہے مبادا تم خط لیکر جاؤ تو تم پر بھی کوئی وار کریں۔"

اس نے کہا: "اگر لاکھ روپیہ کا لالچ بھی دیں تو نہ جاؤں گا۔"

میں نے کہا: "اگر ایسا کرو گے تو تمہاری ملازمت جاتی رہے گی۔"

اس نے کہا: "اس کی مجھے کچھ پروا نہیں ہے اگر جان ہے تو جہان ہے۔"

میں نے کہا: "میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں اگر اس پر عمل کرو گے تو ملازمت بھی نہ جائے گی اور جانے سے بھی بچ جاؤ گے۔"

وہ ہاتھ جوڑنے لگا اور کہنے لگا: "جلدی فرمائیے۔"

میں نے کہا تم ڈیوڑھی پر جا کر خط مانگ لو اور مکان کے پیچھے اس خط کو لیکر خود بخود گر پڑو اور لوٹنے چلانے لگو بس سب کو معلوم ہو جائے گا کہ خط لیکر کیونکر جانا اس پر جن مسلط ہو گئے۔ سچ یہ جنات نے تم کو آ دبایا تو بڑی مشکل ہوگی کیونکہ وہ غیض و غضب کی حالت میں ہیں۔ اس طرح کرنے سے وہ تمہیں خود مجبور سمجھیں گے اور الگ رہیں گے۔"

اس نے کہا "میں ابھی تعمیل حکم کرتا ہوں، خدا کے لیے مجھکو بچا لیجئے۔"

وہ فوراً ڈیوڑھی پر گیا اور خط لیکر روانہ ہوگیا۔ تھوڑی دور چل کر اس نے لاٹھی اور لکڑی سب پھینک دی اور بدحواسی سے زمین پر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ اس وقت میں چادر اوڑھے ہوئے لیٹا تھا بارہ بجے شب کا وقت ہوگا۔ ایک میراثی ہمسائے میں رہتا تھا وہ اس کے شور و غل سے چونک پڑا اور اس نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ میاں عظمت لوٹ رہے ہیں۔ اس نے عظمت سے پوچھا:

"کیسی طبیعت ہے؟"

تو عظمت نے اٹھ کر ایک طمانچہ مارا۔

وہ میراثی بھی پریشان ہو کر بھاگا اور اس مکان پر پہنچکر آواز دینے لگا اس مکان میں ایک عزیز اس وقت آ گئے تھے جو میری چچی صاحبہ کے دیور تھے۔ وہ ان کی طبیعت سنبھالنے کے لئے تدبیریں کر رہے تھے۔ وہ باہر نکل آئے اور دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے۔

اس نے کہا: "عظمت کو جانے کیا ہو گیا ہے۔"

وہ عظمت کے قریب پہنچکر اس کی حالت دیکھنے لگے اور کہنے لگے:

"اب کیا ہے ایک آدمی تھا اس کی بھی یہ حالت ہو گئی اندر مستورات کا الگ خراب حال ہے۔ یہ حافظ جو چاہے کرے اسی نے سب گھر کو پریشان کر رکھا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے میرے پلنگ کے قریب آئے اور مجھکو اٹھا کر کہنے لگے:

"بھائی خطا معاف کرو کیا کوئی خون کراؤ گے۔ کیا مستورات بے پردہ ہو جائیں گی جب خوش ہو گے؟"

میں نے کہا: "میں نے کیا کیا ہے۔"

انہوں نے جواب دیا، "یہ سب آفت تمہارے ہی باعث آ رہی ہے۔"

میری اُن کی گفتگو ہو رہی تھی کہ اتنے میں عظمت نے ڈیوڑھی پر آ کر آواز دی:

"دیکھو تم نے حافظ جی کے خلاف کوئی بات کی تو اچھا نہ ہو گا۔"

میری چچی صاحبہ جو مخبوط الحواس ہو رہی تھیں کہنے لگیں: "میں ہرگز خلاف نہ کروں گی جو وہ کہیں گے وہی کروں گی۔"

اس وقت وہ کچھ سہولیت میں آ گئی تھیں۔

صبح کو میں بڑا گاؤں جانے کے لیے آمادہ ہوا اور ایک صاحب جو میرے رشتہ کے چچا تھے اور ان کے خاص عزیز تھے وہ میرے ساتھ چلے۔ راستہ میں مجھ سے اور ان سے بہت باتیں ہوئیں۔ انہوں نے ظاہر کیا جہانگیر آباد جاتا ہوں تم بھی میرے ساتھ چلو۔ یہ واقعہ جو رات کو میرے سامنے پیش آیا ہے اس کا ان سے ذکر کروں گا اور اس بات کا ان پر زور دوں گا کہ وہ اپنی لڑکی کی شادی تمہارے ساتھ کر دیں اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو رسوائی کے سوا کسی کا خون بھی ہو جائے گا۔

میں ان کے ساتھ چلا گیا وہاں پہنچ کر انہوں نے اس لڑکی کے والد صاحب سے شب کا تمام واقعہ بیان کیا اور کہا کہ حافظ کے قبضہ میں دو جن ہیں۔ غرض کہ انہوں نے نہایت تفصیل سے سب سرگذشت بیان کی۔ اس لڑکی کے والد کو طیش آ گیا اور انہوں نے جواب دیا:

"کچھ ہو جائے ہم ہرگز شادی نہ کریں گے۔" اور نہایت برہمی کی حالت میں میرے قریب آئے اور مجھ سے کہنے لگے:

"دو جن تم نے اپنے قبضہ میں کیا کر لیے ہیں کہ خدائی پر قبضہ ہو گیا۔ تمام

گھر کو رات سے پریشان کر رکھا ہے۔ اب ہم اسی وقت جاتے ہیں دیکھیں جن ہمارا کیا کرتے ہیں۔

میں نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا:

وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے جن تو ہر وقت میرے ساتھ رہتے ہیں ابھی تماشہ دیکھ لیجئے۔

یہ بے ساختہ جواب سن کر میاں عبدالرؤف صاحب بہت گھبرائے اور کہنے لگے:

"کیا یہاں بھی آبرو کے خواہاں ہو۔"

میں نے کہا: "آپ خود ہی ان کے مقابلہ کا ارادہ کرتے ہیں۔ وہ اس وقت میرے ہمراہ ہیں اور تیار ہیں۔"

انہوں نے جواب دیا: "خدا کے لیے معاف رکھو اور تیسرے دن مجھ سے ملنا اس وقت میں تم سے باتیں کچھ کروں گا۔"

اب میں جہانگیر آباد سے بڑا گاؤں گیا اور تیسرے دن پھر ان کے پاس جہانگیر آباد آیا۔ یہاں بہت لوگ مہمان تھے جو ان کے رشتہ دار تھے مگر مجھ سے کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ میں کھانا کھا کر یہاں سے بڑا گاؤں واپس چل دیا میرے ساتھ اس لڑکی کے پھوپھا ہو گئے۔ جہانگیر آباد سے تھوڑی دور چل کر مجھ سے کہنے لگے:

"بڑے افسوس کی بات ہے تمہاری وجہ سے ایک خون ہو گا۔" یہ سنکر مجھے وحشت ہوئی۔ میں نے کہا:

"خون کیسا؟"

انہوں نے جواب دیا: "اس لڑکی کے والد اور چچا کو معلوم ہو گیا ہے کہ تم دونوں طالب و مطلوب ہو اور شریف آدمیوں کے لیے ایسے واقعات سے زیادہ اور کونسی بات قابلِ شرم ہوگی۔ اسی وجہ سے انہوں نے عزیزوں کو جمع کیا تھا۔ یہ مشورہ ہوا ہے کہ اس لڑکی کو مار ڈالنا چاہیئے۔ ابھی وہ دونوں

بھائی دیوہ شریف گئے ہیں اور ایسا کریں گے۔"

میں اس خبر سے بیحد پریشان و بدحواس ہوگیا۔

وہ کہنے لگے: "اب تم کو بھی اپنی جان دے دینا چاہیئے تم ایسی حالت میں زندہ رہ کر کیا کروگے۔"

یہ سن کر میں نے کہا: "اب میں بڑاگاؤں نہ جاؤں گا۔ دیوہ شریف جاتا ہوں۔"

اور ان سے راستہ ہی سے رخصت ہوا۔ راہ میں طرح طرح کے خیالات دل میں پیدا ہوئے تھے مگر دل میں یہی خیال جما ہوا تھا کہ اب زندگی بیکار ہے تم کو بھی جان دیدینی چاہیئے اور انہیں کے مکان میں جو کنواں ہے اس میں گر کر جان دو۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہوگئی، میں دیوہ شریف پہنچا اور ان کے مکان پر گیا تو بالکل سناٹا تھا کسی کی آواز نہیں آتی تھی دروازہ بند تھا۔ وہ سہ پہر کا وقت ہوگا۔ اس سناٹے سے مجھکو یقین ہوگیا کہ ان لوگوں نے ضرور اس کو مار ڈالا۔ کئی چکر میں نے اس مکان کے لگائے مگر نہ کھڑکی کھلی نہ دروازہ کھلا۔ اس وقت کے انتشارِ قلبی کا ذکر لفظوں میں ادا نہیں ہوسکتا۔ میں اسی بدحواسی کے عالم میں شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین شاہ منعم کے ہاں گیا اور میں نے کہا: "مجھے گرمی بہت معلوم ہوتی ہے۔" انہوں نے فرمایا: "غسل کرلو" اور اپنے خادم کو حکم دیا کہ مجھے غسل کرائے۔

اس کے بعد میرے جسم میں عطر لگایا۔ یہاں سے اٹھ کر میں سیّد معروف شاہ صاحب وارثی کے مکان پر گیا۔ ان سے مل کر پھر اسی مکان کی طرف چلا۔ رمضان شریف کے دن تھے اور میں روزہ سے تھا اور اب مغرب کا وقت بھی بالکل قریب تھا۔ جس وقت اس مکان پر پہنچا دروازہ کھل گیا تھا۔ میں اِلاّ اللہ کہہ کر مکان کے اندر چلا گیا اور سر کے بل کنوئیں میں گر پڑا۔ مگر خدا کی قدرت، کہ کنوئیں کے اندر جب پہنچا ہوں تو سیدھا کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے مجھکو سنبھال لیا مگر دونوں ہاتھوں میں سخت

چوٹ آئی ایک ہاتھ کی ہڈی باہر نکل آئی دوسرے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ یہ ہاتھ اب بھی ٹیڑھا ہے اور سیدھا نہیں ہوتا۔

اس لڑکی کی والدہ نے جو مجھکو گرتے دیکھا تو فوراً شور وغل مچایا، ہمسائے کے لوگ جمع ہوگئے اور سب گھر والوں نے اور اعزہ نے اس لڑکی کو ایک کوٹھری میں بند کر کے قفل لگا دیا اور کنوئیں میں اینٹیں اور پتھر برسانا شروع کر دیئے۔ ایک عام شور وغل ہوگیا اور سید معروف شاہ وارثی کو بھی اطلاع ہوئی وہ مع دیگر معززین دیوہ شریف میری اعانت کے لیے آئے اور اس لڑکی کی والدہ پر اظہار ناراضگی کیا بہت کچھ بُرا بھلا کہا اور سید معروف شاہ قبلہ نے کنوئیں کے قریب آکر آواز دی کہ حافظ زندہ ہو تو بولو اور بھی مختلف آوازیں میرے کانوں میں پہنچیں۔ اس کنوئیں میں میرے گھٹنوں تک پانی تھا۔ وہ لڑکی نہایت بیتابی سے اندر سے آواز دے رہی تھی:

"آج حافظ بھائی کی تم لوگوں نے جان لی۔ خدا کے لیے دروازہ کھولدو۔"

میرے کانوں میں بھی اس کی آواز پہنچی اور اس آواز سے دل میں تقویت پہنچی اور جان میں جان آئی اور مجھے یقین ہوگیا کہ وہ زندہ ہے۔ معاً میں نے آواز دی:

"میں زندہ ہوں مجھکو جلدی نکالو۔"

چنانچہ رسی میں کھٹولہ باندھ کر کنوئیں میں ڈالا گیا اور باہر نکلتے ہی میں نے ایک نعرہ مارا:

"مزہ ہے پیاری کا۔"

اس وقت سید معروف شاہ صاحب قبلہ مجھکو اپنے مکان پر لے آئے دودھ اور پھٹکری پلائی اور مجھ سے فرمایا کہ میں کہاروں کو بلاتا ہوں وہ تمکو پالکی میں بٹھا کر بڑا گاؤں تمہارے مکان پر پہنچا دینگے میں نے کہا:

"میں ہرگز مکان کو نہ جاؤں گا۔"

انہوں نے فرمایا: "نہیں اس لڑکی کے والد اب جہانگیر آباد سے یہاں

آجائیں گے، خدا جانے تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے۔ لڑکی کا معاملہ ہے سب بستی کے لوگ انہیں کے ساتھ ہوں گے۔

میں نے کہا: "میں نے تو جان دے ہی دی تھی اب وہ بچ گئی تو یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ میں جان سے نہیں ڈرتا۔

اس وقت میرے رشتے کے چچا میاں نور وز علی صاحب وہاں موجود تھے وہ مجھکو اپنے مکان پر لے آئے۔ اسی روز شب کے وقت اس لڑکی کے والد بھی آگئے۔ میری یہ حالت تھی کہ نہ مجھکو چوٹ کا احساس تھا نہ کسی تکلیف کا۔ اسی خیالِ محبوب میں صبح ہوگئی۔ صبح کو معلوم ہوا کہ حضورؒ انور اسی وقت دیوہ شریف تشریف لا رہے ہیں اس وقت میری یہ حالت تھی کہ جو حضور میں لوگ تھے میں ان کی طرح طرح سے خوشامد کرتا تھا کہ خدا کے لیے اگر میرے خلاف کوئی حکم دیں تو کوشش کرنا اور مجھے دیوہ سے نہ نکلنے دینا مگر سب کانوں پر ہاتھ دھرتے تھے اور کوئی شریکِ حال نہ ہوتا تھا۔

مجھے اس زمانہ میں حضورؒ انور کا صرف اتنا اعتقاد تھا کہ یہ ایک بزرگ ہیں میرے پیر ہیں۔ اور خائف اس وجہ سے تھا کہ ان کے سب مطیع و فرمانبردار ہیں۔ اگر انہوں نے حکم دیدیا تو مجھے دیوہ میں کوئی پھٹکنے بھی نہیں دیگا۔

صبح کے آٹھ بجے ہوں گے جب سید معروف شاہ صاحب معہ دیگر معززین دیوہ شریف حضورؒ کے استقبال کے لیے گئے آپؒ جب حضرت سیدنا قربان علی شاہ صاحب قبلہ کے مزارِ مبارک کے قریب آئے تو معروف شاہ صاحب اور دیگر ہمراہیوں کی طرف دیکھ کر تبسّم کیا ــــ اور ارشاد فرمایا:

"کیوں کیوں حافظ کنوئیں میں کُود پڑا، کیوں ایسا کہا جو وہ کود پڑا" (خاص سید معروف شاہ سے مخاطب ہوکر) "شنا شنا محبت ایسی تو ہو جیسی حافظ کو ہے۔"

سید معروف شاہ صاحب نے سب واقعہ عرض کیا اور جانبین کی کیفیت بیان کی۔

ادھر حافظ کی بیتابی کا یہ عالم تھا، اُدھر وہ لڑکی قفل میں بند تھی اور بے تاب تھی

آپؒ نے فرمایا:

"ہاں ہاں دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔"

اس کے بعد آپؒ نے فرمایا:

"پاک محبت ہے، پاک محبت ہے مگر دنیا کے لوگ نہیں مانیں گے اور انکی بدنامی ہوگی۔ حافظ عاشق ہے حافظ عاشق ہے۔"

حضورِ انور کے یہ الفاظ سُن کر لوگوں نے میری طرفداری کی باتیں شروع کر دیں جب مجھکو حضورِ انور کی ان باتوں کا علم ہُوا تو میں آستانۂ اقدس پر حاضر ہوا۔ اس وقت دروازہ بند تھا میں نے دستک دی تو نور محمد شاہ نے عرض کی کہ حافظ ہیں۔

آپؒ نے فرمایا: "حافظ مستان حافظ مستان۔"

اس وقت میں وہی خون آلود کپڑے پہنے ہوئے تھا جو اس کنوئیں میں چوٹ آنے سے ہو گئے تھے۔ آپؒ نے دروازہ کھلوایا۔ میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوا۔

آپؒ نے فرمایا: "حافظ حافظ ضبط نہیں ہوا کوئیں میں پھاند پڑے کونسا ہاتھ ٹوٹا کونسا ہاتھ ٹوٹا" یہ کہتے کہتے میرے ہاتھ کو پکڑ کر ایک جھٹکا دیا دیا تو ہڈی بالکل جڑ گئی۔

اس کے بعد فرمایا: "حافظ حافظ وہ لوگ تمہارے دشمن ہو گئے ہیں اور اب ان کے گھر نہ جانا۔"

میں نے اس ارشاد کو خاموشی کے ساتھ سُن لیا مگر دل کو بجا آوری کے لیے حاضر نہ پایا۔

میں نے خیال کیا کہ میں ضرور جاؤں گا۔

مگر آپؒ نے پھر بھی کئی مرتبہ فرمایا:

"تم نہ جانا وہ لوگ مار ڈالیں گے۔" میں اسی وقت حضورؒ سے رخصت

ہو کر باہر آیا۔ عشق کا جن سر پر سوار تھا کوئی بات ذہن میں نہیں آتی تھی۔

چنانچہ اسی وقت بے تابانہ اس مکان میں گھس گیا۔ وہاں میری خوب مرمت ہوئی اور میں اچھی طرح پٹ کر باہر نکلا۔ اب وہاں کچھ پاسبان بھی زائد ملازم رکھے گئے اور مکان پر پہرہ چوکی مقرر ہو گیا اس لڑکی کی حفاظت بھی کچھ مستورات ہر وقت کرتی تھیں۔ میں بے تابی کے عالم میں یہ صدا لگاتا پھرتا تھا "دلا تمنا تیرے دربار میں آیا ہدر کرد بحر شاہا۔ ایک روز میں اس کے مکان کے گرد صدا لگا رہا تھا اور عاشقانہ اشعار پڑھ رہا تھا کہ وہ لڑکی یکایک کوٹھے پر چڑھ آئی۔ اس کو بڑی ذلتوں سے کچھ عورتیں نیچے لے گئیں اور اسی وقت مکان کے زینہ کو بالکل شکست کر دیا گیا۔ اب یہ حالت ہو گئی کہ گلی کوچوں میں پٹنے لگا۔ اکثر لوگ آ کر کہتے تھے:

"پیاری کا حکم ہے میرے نام سے سو جوتے مار دو"

میں سر جھکا دیتا تھا وہ جوتے مارتے تھے۔

اس واقعہ کی اطلاع جب حضورِ انور کی خدمتِ عالی میں ہوئی تو آپؒ نے مجھے بلا کر ارشاد فرمایا:

"تم کسی کے کہنے سننے میں نہ آیا کرو، نہ کسی کی بات کا اعتبار کرو جب وہ خود آ کر کہے تو یقین کرو۔"

میں یہ ارشاد سن کر چلا آیا۔ میں اس مکان کے چاروں طرف چکر لگا کر صدا لگایا کرتا تھا۔ جس سے اس مکان کے طواف کی صورت پیدا ہو جایا کرتی تھی۔

میں جب قدم بوس ہوتا تو حضورِ انور یہ اکثر ارشاد فرماتے تھے:

"جاؤ شاہ منعم صاحبؒ کے مزار پر صدا لگاؤ"

میں اکثر شاہ منعم صاحبؒ کے مزار پر حاضر ہوتا اور صدا لگاتا تھا۔ اور دیوانِ حافظ کے مختلف اشعار پڑھتا تھا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ میں اس مکان کے گرد صدا لگاتا ہوا پھر رہا تھا کہ اس لڑکی کی والدہ معہ دیگر مستورات کے حضورِ انور کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: "حافظ ہم لوگوں کو بدنام کرتا ہے اور لڑکی کا نام علی الاعلان

لیتا ہے۔"

آپؒ نے فرمایا: "وہ ایسا ہے تو ہم ابھی دیوہ سے نکلوا دیں گے۔"

نور محمد شاہ کو حکم دیا: "ابھی پکڑ لاؤ۔"

نور محمد شاہ نے جب مجھ سے سب واقعہ بیان کیا۔ تو میں ایک چاقو لیکر حضورؒ کے دروازہ پر جا کر بیٹھ گیا اور ارادہ کر لیا کہ اگر آپؒ نے نکل جانے کا حکم دیا تو آپؒ ہی کے سامنے اپنی جان کو ہلاک کر لونگا۔

مجھکو حضورؒ انور نے اس حالت میں ملاحظہ فرمایا تو کوئی بات ایسی ارشاد نہیں فرمائی جس سے ناامید ہوتا۔

میں اس زمانہ میں پتنگ اڑایا کرتا تھا اور اس لڑکی کے مکان میں گرا دیا کرتا تھا اور جلدی سے دوڑ کر اس مکان میں گھس جایا کرتا تھا۔ کہ ہماری پتنگ گری ہے اور دن میں کئی کئی مرتبہ خوب پٹ کر اس مکان سے نکلتا تھا۔

جب حضورؒ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو بلا کر مجھ سے ارشاد فرمایا:

"تم ہمارے کوٹھے پر پتنگ اڑایا کرو۔"

انہیں پریشانیوں اور مصیبتوں کو جھیلتے ہوئے تین برس کا عرصہ گذر گیا اور بہت سے واقعات پیش آئے اتنے عرصہ کے بعد ایک روز حضورؒ انور نے مجھے ارشاد فرمایا:

"حافظ حافظ ہماری صورت دیکھا کرو۔" اور یہ بھی فرمایا: "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔"

میں نے عرض کیا: "حضورؒ اس سے زیادہ دنیا میں کوئی حسین ہی نہیں ہے کس کو دیکھوں۔ آپؒ اس سے زیادہ خوبصورت ہوں تو دیکھوں۔" آپؒ یہ سن کر متبسم ہوئے اور مجھکو گلے سے لگا لیا اور فرمایا:

"عاشق کے سوا کسی کی یہ جرأت نہیں ہو سکتی۔"

ایک روز کا واقعہ ہے کہ فتح پور میں مستقیم شاہ صاحب کے مکان پر حضورؒ رونق افروز تھے۔ میں بھی ہمراہ تھا۔ مولینا مولوی شاہ نذیر علی صاحب اُس

زمانہ میں ایک بڑے پایہ کے بزرگ فتح پور میں رہتے تھے۔ وہ حضورؒ انور سے ملنے کے لیے آئے۔ انہوں نے بڑی دیر تک میری صورت کو دیکھا۔ انہیں کے سامنے حضورؒ انور نے مجھکو بلایا اور فرمایا:

"حافظ حافظ آج دیوہ میں ماں بیٹی میں خوب جوتی پیزار ہوئی۔ وہ لڑکی تمام گھر کو پریشان کئے ہوئے ہے۔"

میں یہ سن کر چلا آیا اور مولینا بھی رخصت ہو گئے۔ اس کے بعد پردہ ہو گیا۔ آپؒ نے مستورات سے فرمایا:

"حافظ کو ایک صدا بتایئں اگر وہ اس صدا کو لگانے لگیں تو اچھا ہو۔"

انہوں نے عرض کیا کہ حضورؒ ان سے محبت کرتے ہیں تو بلوا کر بتا دیجئے۔ آپؒ نے فرمایا:

"نہیں نہیں ہم نہ کہیں گے۔"

ان عورتوں نے کہا "کیا صدا ہے ہمیں کو معلوم ہو جائے تو تعمیلِ حکم کریں۔"

آپؒ نے فرمایا، "تم بتا دو وہ صدا یہ ہے سے:

"یہ مکرّر حدیث میں آیا"

صدق دل سے زباں پہ جو لایا

"یعنی حضرت نے ہے یہ فرمایا"

کلمۂ لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه

"بے شقت بہشت کو پایا"

کہ محمد رسول اللّٰہ

ایک بی بی نے مجھکو دروازہ پر بلوایا اور یہ صدا بتا دی میں اسی روز دروازہ پر کھڑا ہو کر یہ صدا لگانے لگا۔ حضورؒ اس صدا کو سن کر خوش ہوئے اور مجھکو اندر بلا لیا۔ اور فرمایا:

"حافظ حافظ سیکھ لی، اچھا صدا لگاؤ۔"

ہیں برابر وہی صدا لگاتا رہا۔ دوسرے روز یہی صدا لگاتا ہوا پیلس کے ساتھ دیوہ شریف تک آیا یہاں آکر معلوم ہوا کہ اس لڑکی کے علاوہ تمام گھر کو خون کے دست آرہے ہیں۔ ان لوگوں کو بھی اس کا علم ہوا اور وہ سب لوگ حضورِ انور کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بہت بری حالت ہے۔

آپؒ نے مجھکو بلاکر ارشاد فرمایا:

"جب مزاروں پر جایا کرو تب یہ صدا لگایا کرو۔ دیوہ میں نہ لگایا کرو۔ ان لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔"

میں ارشاد سُن کر چلا آیا اور تعمیل کی اِسی حالت میں ایک عرصہ گذر گیا۔ ایک روز آپؒ نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

"حافظ حافظ خدا اور رسولؐ تم کو ملیں وہ لڑکی تم کو ملے یا نہ ملے۔"

میں نے گھبرا کر عرض کیا "نہیں حضورؒ مجھے کچھ نہ ملے وہ لڑکی مل جائے۔ اگر خدا اور رسولؐ کو بھی اسی صورت میں دیکھوں گا تو مانوں گا ورنہ میں سب سے باز آیا۔"

یہ سنکر حضورؒ نے فرمایا: "عاشق کے سِوا کوئی ایسا نہیں کہہ سکتا۔"

اُس زمانہ میں میں یہ صدا زیادہ لگاتا تھا: "مزہ ہے پیاری کا" اور دیوانِ حافظ کے اشعار پڑھا کرتا تھا۔ اکثر لوگوں سے میں نے یہ بھی کہہ رکھا تھا کہ اگر وہ لڑکی کسی وقت حضورؒ کی قدمبوسی کے لیے جائے تو مجھے اطلاع دینا۔

ایک روز بعد نماز مغرب مجھے خبر ہوئی کہ وہ لڑکی اور اس کی والدہ حضورؒ کی قدمبوسی کو گئی ہیں۔

میں زنانہ حصۂ مکان کے قریب پہنچکر صدا لگانے لگا حضورِ انور نے اسی وقت ان دونوں کو رخصت کر دیا۔ مگر جب مجھکو دروازہ پر ٹہلتے دیکھا تو وہ ٹھٹک کر کھڑی ہو گئیں اور مرزا منعم بیگ صاحب وارثی کو بلا کر انہوں نے کہا کہ:

" حافظ کو دروازہ سے ٹال دو"۔ مرزا صاحب میرے پاس آئے اور مجھ سے کہنے لگے :

" یہ زنانہ دروازہ ہے یہاں کیوں کھڑے ہو، جاؤ مردانہ کی طرف صدا لگاؤ۔ ادھر مستورات قدمبوسی کے لیے آتی ہیں۔"

میں نے کہا : " میں زنانہ مردانہ نہیں جانتا، جہاں جی چاہتا ہے صدا لگاتا ہوں۔ آپ کون ہیں ؟ "

انہوں نے مجھکو بہت برا بھلا کہا اور یہ بھی کہا کہ میں ابھی حضورپرنور کو اطلاع کر کے تمہیں نکلواتا ہوں۔"

میں نے کہا : " تم خدا سے کہدو میں نہیں جاتا۔"

وہ کبھی اندر جاتے کبھی باہر آتے تھے۔ یکبارگی وہ لڑکی خود مکان سے باہر نکل آئی اور کہنے لگی :

" حافظ بھائی کسی سے کچھ کہتے تھوڑا ہی ہیں۔"

یہ وقت بھی عجیب وقت تھا ؂

کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

اس لڑکی کے نکلتے ہی اس کی والدہ بھی آگئیں اور دونوں اپنے گھر چلی گئیں مرزا منعم بیگ صاحب کو اپنی حکم عدولی کا سخت رنج ہوا اور وہ اسی وقت رحیم شاہ صاحب کے پاس گئے۔ چنانچہ رحیم شاہ صاحب اور مرزا منعم بیگ صاحب حضورؒ کی خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور میری شکایت کرنے لگے یہ خبر سن کر میں بھی وہاں پہنچ گیا تو حضورؒ پرنور میری جانب نظر کر کے مسکرائے اور فرمایا :

" نور محمد شاہ نور محمد شاہ! عبدالرؤف کے گھر میں کہدو کہ اپنی لڑکی کو لیکر ہمارے ہاں نہ آیا کریں۔ حافظ عاشق ہیں کسی روز پکڑ لیا تو قیامت تک چھوٹنا مشکل ہے۔"

اس شد و مد کی شکایت کا بھی چند لفظوں میں فیصلہ ہو گیا اور میں بدستور

اُسی عشق و محبت کے افسون کا دیوانہ رہا۔

میں یہاں بیان کروں کہ عشق میں انسان کی کیا حالت ہوتی ہے، جب اس وقت کا خیال آتا ہے تو میرے خود حواس غائب ہو جاتے ہیں۔

اس لڑکی کے ناخن لیکر نائن میرے پاس آتی تھی کنگھی چوٹی میں جو بال خارج ہوتے ہیں وہ لیکر آتی تھی اور میں بے دریغ روپیہ دیتا تھا۔ دھوبن اس کے کپڑے لاتی اس کی بو سونگھتا اور مست و مدہوش ہو جاتا تھا۔

غرض کہ بہت مال متاع میں نے اِسی دُھن میں صرف کیا۔ اپنے مکان سے روپیہ لاتا اور یہاں اس طرح خرچ کر ڈالتا تھا۔ میں اکثر حضورِ پُرنور کی خدمت میں طرح طرح کی مٹھائیاں اور تحائف پیش کیا کرتا تھا جس کی یہ غرض ہوتی تھی کہ حضورؐ کے ہاتھوں سے چیزیں تقسیم ہو جاتی ہیں کیا عجب ہے اس کے حصہ میں بھی کوئی چیز آ جائے۔

میں جس وقت جو چیز پیش کرتا تھا آپؐ اسے قبول فرما کر بجنسہٖ اسی لڑکی کے مکان پر بھیجنے کا حکم دیتے تھے۔

ایک روز کا ذکر ہے مجھ سے ایک صاحب نے فرمایا:

"حافظ اگر پانچسو روپیہ تم ہم کو دو تو ہم تمہیں اس سے ملا دیں۔"

میرے پاس اس وقت کچھ نہ تھا اس لیے خاموش رہ گیا۔

انہوں نے کہا کہ ان دنوں مولوی عبدالحمید صاحب رئیس تیورہ (جو آنریبل جسٹس مولوی سید شرف الدین صاحب وارثی بالقابہ کے بھائی تھے) آئے ہوئے ہیں اُن کی جیب میں سونے کی ایک نہایت بیش قیمت گھڑی ہے وہ تم کسی تدبیر سے لا دو تو ہم ملاقات کرا دیں۔

اس وقت دن کے دس گیارہ بجے ہوں گے، وہ کوٹھے پر ٹھہرے تھے میں وہاں پہنچا اور نہ میں نے کسی سے کچھ بات کی نہ کچھ کہا۔ ان کی جیب سے نہایت عجلت کے ساتھ گھڑی نکال کر کوٹھے سے کود پڑا۔ وہ چلانے لگے۔

"حافظ گھڑی کہاں لیے جاتے ہو"۔ مگر کون سنتا تھا۔ یہ سنکر نور محمد شاہ وغیرہ

خادمانِ بارگاہ نے مجھکو پکڑ لیا اور گھڑی کے ساتھ مجھکو حضورِ انور کے روبرو پیش کر کے واقعہ بیان کیا۔ اس وقت حضورِ انور نے ارشاد فرمایا:

"حافظ کو نکال دو یہاں نہ آنے پائیں، اور نوروز علی سے بھی کہدو اپنے مکان پر نہ رہنے دیں، ہم کو بدنام کرتے ہیں۔ لوگ کہیں گے یہی چوری کراتے ہیں۔ ان کی بھی شرکت ہوگی۔"

چنانچہ میں اسی وقت نکال دیا گیا۔ نوروز علی جن کے مکان پر رہتا تھا انہوں نے بھی رخصت کر دیا۔ رات بھر اِدھر اُدھر بسر کی صبح کو معلوم ہوا کہ حضورِ انور قصبۂ سہالی تشریف لے گئے ہیں، میں بھی وہاں پہنچا اور دروازہ پر صدا لگائی تو لوگوں نے مجھکو خدمت عالی میں پیش کر دیا۔

آپؒ نے فرمایا:

"سنو سنو حافظ اب تم دیوہ میں نہیں جا سکتے۔ ہماری بدنامی ہوتی ہے۔"

میں نے دل میں کہا کہ کچھ ہو جائے میں ضرور جاؤں گا۔ چنانچہ میں دیوہ شریف میں آگیا۔ دن بھر اِدھر اُدھر اور شب کو اس لڑکی کے مکان پر پچھواڑے دیوار سے سر لگائے ہوئے پڑا رہتا تھا۔

جب لوگوں نے اس حالت میں بھی تنگ کیا تو ایک روز میں خود بخود الہ آباد کو چل دیا وہاں پہنچکر کمپنی باغ کی طرف جا نکلا اور وہاں کے پھولوں کی سیر دیکھنے لگا مگر ے ؎

گُل بے رُخِ یار خوش نباشد
بے یار بہار خوش نباشد

پژمردہ دلی کی حالت میں اس بہار سے کیا شگفتگی ہو سکتی تھی میں سرد آہیں بھرتا ہوا اِدھر سے اُدھر پھر رہا تھا کہ حسنِ اتفاق سے مسٹر کالون صاحب بیرسٹر آگئے اور خود بخود مجھ سے باتیں کرنے لگے۔ میں نے ان سے اپنا سب حال بیان کر دیا اور اپنی بیتی سب کہہ سنائی۔ ان کو خدا جانے کیوں میرے حال پر رحم آگیا کہ وہ اپنی ٹم ٹم میں سوار کرا کے مجھے اپنی کوٹھی پہ لے گئے اور نہایت غور سے میری

داستان سُنتے رہے ۔

میں دو تین دن ان کا مہمان رہا انہوں نے یہ میری خاص تواضع کی کہ ایک حلوائی کی دکان کی سب مٹھائی پیاری کے نام سے لٹوادی اور مجھکو پانچسو روپیہ دیکر یہ مشورہ دیا کہ تم برات لیکر اس کے مکان پر پہنچ جاؤ خواہ دو ایک ہی آدمی برات میں کیوں نہ ہوں اور اس لڑکی کے مکان پر باجہ بجوادو بس اتنا کام کردو اور ہم کو اطلاع دو مقدمہ جیت کر لڑکی تمہارے حوالے کردینا ہمارا کام ہے ۔

وہ میرے ساتھ اس ہمدردی اور محبت سے پیش آئے کہ میں بیان نہیں کرسکتا (مجھکو ان سے انس ہوگیا تھا ۔ اکثر بعد میں بھی ملنے جایا کرتا تھا ۔) میں پانچسو روپیہ لیکر دیوہ شریف آیا ۔ یہاں معلوم ہوا کہ حضورؒ انور ردولی شریف میں قاضی مظہر الحق صاحب کے مکان پر تشریف رکھتے ہیں اور عبدالرؤف صاحب کے گھر میں یہ منت مانی تھی کہ حافظ نکال دیا جائے تو حضور کو تہہ بند بدلوائیں اور دعوت کریں چنانچہ اب حضورؒ کی تشریف آوری پر دعوت واحرام کی تیاری ہوگی ۔

یہ خبر سنتے ہی میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے ۔ اور دل میں خیال آیا کہ باجے بجوانے سے پہلے چل کر قدمبوس ہوجاؤں ۔ دیکھوں قسمت یاوری کرتی ہے کہ نہیں ۔ کسی صورت سے خاص دیوہ میں دعوت قبول ہوجائے تو اس سے بہتر کیا ہوسکتا ہے ۔

میں وہاں پہنچا اور میں نے حاضر ہوکر وہاں صدا لگائی :

" مزا ہے پیاری کا " اور خدام سے ملا ان کو کچھ تحائف وغیرہ بھی دیئے اور دعوت کا پیام دیا ۔

انہوں نے میری اطلاع کی اور عرض کیا : " حافظ دیوہ شریف میں حضورؒ کی دعوت کرنے والے ہیں "

آپؒ نے فرمایا :

" دیوہ میں کیا دعوت کریں گے وہ چوری سے بدنام ہوگئے اور ہم کو بھی بدنام کرتے ہیں "

اس وقت تو وہ لوگ چلے آئے مگر شب کو پھر کوشش کرنے کا وعدہ کیا۔ رات کو ان لوگوں نے موقعہ پاکر سب واقعہ بیان کیا۔

حضورؒ انور نے فرمایا:

"اچھا بلاؤ۔"

میں بلایا گیا تو آپؒ نے سب حال پوچھا اور اس کے بعد فرمایا:

"اگر تم سے کوئی کہتا کہ اِن کی (اپنی جانب اشارہ فرماکر) گردن مار دو تو ہم اس لڑکی سے بِلادیں گے۔"

یہ سن کر میری زبان سے نہایت بے باکی کے ساتھ بیساختہ نکلا:

"حضورؒ میرا بس ہوتا تو ضرور ایسا ہی کرتا۔"

آپؒ میری اس جسارت پہ زیرِلب تبسم فرماتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور مجھکو گلے سے لگالیا اور فرمایا:

"جاؤ دیوہ میں ہم تمہاری دعوت کھائیں گے۔"

میں چلا آیا اور حضورؒ انور قمری مہینہ کی ۲۲ تاریخ کو دیوہ شریف تشریف لائے۔ اُس لڑکی کے اعزّا کی طرف سے دعوت کا اہتمام شروع ہو گیا اور تہہ بند کا جلوس اُٹھا۔ میں بھی اس وقت آستانۂ عالی پر پہنچ گیا اور صدا لگائی: "مزا ہے پیاری کا۔"

جس وقت وہ تہہ بند اور شیرینی بارگاہِ عالی میں پیش ہوئی میں خیال کر رہا تھا کہ اس شیرینی میں ضرور اس کے ہاتھ لگے ہوں گے۔ خدا کرے مجھے بھی ملے۔ مگر عجیب بات ہوئی کہ رحیم شاہ صاحب جو تقسیم کر رہے تھے انہوں نے سب کو تقسیم کی مگر مجھی کو کچھ نہ دیا۔ یکبارگی حضورؒ انور میری جانب مخاطب ہوئے اور فرمایا:

"حافظ حافظ تم کو حصّہ نہیں مِلا؟"

اور اپنے دستِ مبارک سے تین لپ بھر کر مجھکو مٹھائی عطا فرمائی۔

تھوڑی دیر میں وہیں سے کھانا آیا تو کھانے میں سے بھی مجھکو عطا فرمایا

قیمتی کی رکابیاں جو مٹی کی تھیں وہ بھی مجھکو عطا ہوئیں تو میں توڑ توڑ کر ان رکابیوں کو بھی کھا گیا ۔

اس کے بعد میں نے دعوت کا اہتمام کیا اور اس کے مکان کے چاروں طرف پھر کر تہہ بند لایا ۔ حضورِ انور نے اس کو زیبِ جسم فرمایا اور جو کھانا میں نے پیش کیا اُسمیں سے کچھ کھانا حضورؐ نے اُس لڑکی کے مکان پر بھیج دیا ۔

اسی زمانہ میں پھر لوگوں کی زبانی میری شکایتیں سن کر آپؐ نے مجھکو دیوہ سے نکل جانے کا حکم دیا ۔ اور سوا مہینہ تک میں دیوہ کے باہر پریشان پھرتا رہا ۔

ایک روز حلوہ لیکر حضورؐ کی خدمت عالی میں حاضر ہوا ۔ خدام سے اطلاع کرنے کے لیے کہا تو انہوں نے انکار کر دیا ۔

ایک پنجابی جو نووارد تھے انہوں نے جا کر اطلاع کی کہ ایک عاشق آیا ہے ۔ حضورِ انور نے ارشاد فرمایا :

" عاشق کو کون روک سکتا ہے ، آنے دو ۔"

میں حاضر ہوا تو حضورؐ نے زیرِ لب تبسّم فرمایا ۔ میں نے حلوہ پیش کیا تو اس لڑکی کے مکان پر بھیجنے کا حکم دیا ۔

اُس لڑکی کے چچا اس مکان پر آئے ہوئے تھے ۔ انہوں نے مجھکو بلوایا ، میں نہایت خوشی سے وہاں گیا ۔ دوپہر کا وقت تھا چولہے کے اندر دست پناہ گرم ہو رہا تھا ۔ انہوں نے مجھکو پہلے تو سمجھایا کہ " اس لڑکی کا نام لینا چھوڑ دو اور دیوہ کا قیام ترک کر دو ۔"

جب میں نے نہ مانا تو مجھکو دست پناہ سے داغنا شروع کیا ۔ ایک شخص نے مجھکو اندر جاتے ہوئے دیکھا تھا وہ خائف ہو گیا کہ کہیں اِن کو یہ لوگ مار نہ ڈالیں ۔ چنانچہ اُس نے مستقیم شاہ صاحب کے مکان پر جا کر ماما کو بلایا اور اپنا خیال ظاہر کیا ۔ وہ ماما گھبرائی ہوئی حضورِ انور کی خدمتِ عالی میں پہنچی اور عرض کیا :

" لیجئے فیصلہ ہو گیا ۔ آج حافظ ان کے گھر میں بند ہے ، مار ڈالا ہوگا ۔"

آپؒ نے فرمایا :

" عاشق کو مار ڈالنا دل لگی نہیں "

یہ فرماتے ہوئے دروازہ پر تشریف لائے ۔ اس وقت خدام بہت گھبرائے اور کہنے لگے :

" عاشق ہیں گھر میں گھس گئے ہوں گے " آپؒ واپس چلے آئے اور خدام اس مکان پر پہنچکر مجھکو لے آئے ۔

اُس وقت میں اس لڑکی کے ہاتھ کا سلا ہوا کرتا پہنے ہوئے تھا۔ اُس کے پھٹ جانے سے سخت بدحواس تھا۔ دا غنے اور مار پیٹ کا کچھ ہوش نہ تھا حضورؒ انور نے مجھکو دیکھ کر فرمایا :

" ان کو مارنے سے کیا فائدہ ، ظلم کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا "

یہ واقعہ بھی ہو گیا اور بات آئی گئی ہو گئی ۔ میں اپنی اسی حالت میں نعرے لگاتا ہوا زندگی بسر کرنے لگا ۔

ایک مرتبہ بارش کے زمانہ میں خوب پانی برس رہا تھا حضورؒ انور فتحپور بسوہ میں رونق افروز تھے مجھے بلا کر ارشاد فرمایا :

" تم بہرائچ جاؤ اور کل آکر ہم سے پیتھے پور میں ملو "

اسی وقت پیادہ پا بہرائچ پہنچا اور حضرت سید سالار کے مزار پرانوار پر حاضر ہوا ۔ وہاں بیٹھ گیا تو کچھ غفلت سی طاری ہونے لگی ۔ اُسی حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ بڑاگاؤں میں اپنے مکان پر بیٹھا ہوں ۔ حضورؒ انور تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں :

" حافظ تم ہماری دعوت کرو تو پیاری ملے اا تاریخ اور دوشنبہ کا دن ہونا چاہیئے ۔ اب ہم دیوہ جاتے ہیں تم ہمارے ساتھ چلو "

میں اسی خیال میں دیوہ شریف پہنچا اور وہاں حضرت شاہ منعم صاحب کی درگاہ میں پہنچا تو دیکھا کہ تعویز مزار نہیں ہے اور شاہ منعم صاحبؒ قرآن شریف پڑھ رہے ہیں ۔ میں نے ان کا دست مبارک پکڑ لیا اور عرض کیا :

"یہ تو فرمایئے پیاری کب ملے گی ؟"

انہوں نے فرمایا : "چادر چڑھاؤ گے تو ملے گی ۔"

اس کے بعد مجھے رخصت کر دیا ۔

آنکھ جو کھلی تو وہی حضرت سید سالار مسعود غازیؒ کا مزار مبارک تھا۔ وہاں سے اٹھکر باہر آیا تو ایک اجنبی شخص نے مجھکو تین سو روپے دیئے۔ میں وہاں سے چلدیا اور دوسرے روز دیتھے پور میں پہنچا ۔ اس دن چاندرات تھی حساب جو لگایا تو پیر کے دن گیارھویں تاریخ ہوتی تھی ۔

اب میں حضورؒ انور کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوا اور عرض کیا "میں ۱۱ر تاریخ کو پیر کے دن حضورؒ کی دعوت کروں گا ۔"

فرمایا : "جمعہ کو کر دینا ۔"

میں نے عرض کیا : "حضورؒ ہی نے پیر کا دن پہلے مقرر فرمایا تھا ۔"

مسکرا کر فرمایا : "اچھا یہی سہی ۔"

میں دیوہ شریف میں حاضر ہوا اور حضرت شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین شاہ منعم صاحب کی خدمت میں گیا اور سب واقعہ بیان کیا تو میں نے جو شبیہہ مبارک حضرت شاہ منعم صاحبؒ کی بتائی اُس کی انہوں نے پوری تصدیق کی ۔

میں نے ۱۱ر تاریخ کو ۸ر بجے صبح کے حضورؒ پُر نور کو تہہ بند بدلوایا اور دس بجے کھانا حاضر کیا ۔ حضورؒ انور نے چادر چڑھانے کی نسبت دریافت فرمایا ۔ میں نے عرض کیا : "اب چڑھاؤں گا ۔"

اس کے بعد میں باہر آیا اور حضرت شاہ منعم صاحبؒ کے مزار پر حاضر ہو کر چادر چڑھائی ۔

مزارِ مبارک کے باہر آکر خیال ہوا کہ آج گھر میں گھس کر کپڑا لاؤ جو ہو سو ہو۔ اسی حالت میں دیوانِ حافظ کی ایک غزل پڑھتا ہوا چلا جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎ :

اے لبت آبِ حیات ددے قدت سرو چمن
اے رخت خورشیدِ خاور دے خطت مشک ختن

راستہ میں حضورِ انور کا آستانۂ عالی تھا وہاں پہنچکر رک گیا اور خیال کیا کہ پہلے قدمبوسی کرلوں۔ دیکھا تو دروازہ کھلا ہوا ہے میں اندر چلا گیا وہاں حضورِ انور تو نظر نہ آئے مگر کیا کہوں کہ کیا نظر آیا۔ ۔ ۔ میں نے تعجب انگیز نگاہوں سے کسی کو دیکھا اور مثلِ آئینہ حیرت زدہ رہ گیا۔ اسی عالمِ تحیّر میں اس بادشاہِ حسن کا میری طرف سر اُٹھا کر دیکھنا تھا کہ بس سے:

نگاہیں بول اُٹھیں وہ لے لیا دل

میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ اعجازِ حسن تھا یا کرشمۂ عشق کہ جس نے مجھے محوِ تحیّر کر دیا اور میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ میں نے دیکھا کہ وہی نقشہ ہے وہی رنگ ہے وہی پیاری ہے جو کانوں میں بجلیاں اور گلے میں چندن ہار پہنے ہوئے گلابی دوپٹہ اوڑھے بیٹھی ہے!!

یہ منظر دیکھ کر عجیب عالم ہوا اور میں سربسجود ہو گیا۔ سر جو اٹھاتا ہوں تو نہ وہ پیاری تھی، نہ وہ صورت تھی۔ حضورِ انور ہی بیٹھے ہوئے تھے، پیاری کا پتہ بھی نہ تھا۔ ۔ ۔!

میں نے کہا: "یہ کیا!"

تو فرمایا: "یہی صورت ہے اسی کے ساتھ تمہارا حشر ہے اور جہاں کہیں دیکھو گے اسی صورت کو دیکھو گے۔"

میں کیا کہوں کہ اس وقت کیا حالت تھی۔ ۔ ۔ میرے تمام خیالات ایسے پلٹ گئے جیسے کچھ تھا ہی نہیں اور یہ بات پتھر پہ لکیر ہو گئی کہ جو کچھ ہیں یہی ہیں یہی صورت ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ اپنی حالت میں یہی ایک نمایاں تغیر پیدا ہو گیا۔ میں نے اپنی دلی مراد پائی اور حضورِ انور کی شکل میں وہی صورت دیکھی جس کا دیوانہ تھا۔ ہر ایک خیال دل سے مٹ گیا اور وہی حسن عالم افروز پیشِ نظر ہو گیا ہے:

اب کون رہا ہے جسکو دیکھوں
اک تم تھے سو آ گئے نظر میں

حافظ پیاری صاحب نے اس آخری منظر کو دیکھنے کے بعد پھر پیاری کے

گھر کا رُخ نہیں کیا اور اس وقت تک نہ کبھی اس کا ذکر ہے نہ فکر ہے۔ ہاں زبان پر یہ صدا ضرور رہتی ہے :

"مزا ہے پیاری کا باقی سب بھول ہے"

حافظ پیاری صاحبؒ سال میں دو مرتبہ نہایت اہتمام سے پنکھا اور غلاف اور چادر حضورؒ مبارک کے مزار مبارک پر چڑھاتے ہیں اس وقت حافظ صاحب کی حالت عجیب عبرتناک منظر پیش کرتی ہے۔

سر پر ان کے سینی رکھی ہوئی۔ قوالی ہوتی جاتی ہے۔ حافظ صاحب کی آنکھوں سے آنسو منہ سے کف جاری۔ دونوں آنکھیں حیرت زدہ کھلی ہوئی، تمام جسم غیر متحرک۔ دو آدمی ان کو سنبھالے ہوئے، بالکل سناٹے کا عالم۔ اس حالت سے وہ حضورؒ انور کے دربار میں پہنچتے ہیں۔ اور لوگ چادر وغیرہ چڑھا کر ان کو اسی حالت میں واپس لاتے ہیں۔ مُردہ کی سی حالت ہو جاتی ہے۔ گھنٹوں ہوا دی جاتی ہے اور گلاب وغیرہ سونگھایا جاتا ہے۔ جب ہوش آتا ہے اس وقت مبارک سلامت کی آوازیں سننے میں آتی ہیں۔

مولوی سید غنی حیدر صاحب قبلہ وارثی وکیل و رئیس گیا بیان فرماتے ہیں؛ کہ حضرت مخدوم الملک بہاریؒ کے عرس شریف کے موقعہ پر ایک چادر کے ساتھ (جو چاند شاہ صاحب کی طرف سے جا رہی تھی) جب یہ اسی حالت سے حاضر ہوئے تو ان کے منہ سے خون جاری تھا، اور تمام راستہ جاری رہا۔ سیروں خون نکل گیا غرضکہ حضورؒ انور کی ادنیٰ توجہ عالی سے حافظ صاحب کی زندگی کا رُخ پلٹ گیا۔ اب محبوب کی صورت میں ان کو وہ حسن و جمال نظر آیا جو عارضی نہیں ہے اور غیر فانی ہے جس کے مقابل وہ رنگ روپ بے ثبات اور نقش بر آب ہے یہ وہ حسنِ خداداد ہے جس نے حافظ پیاری صاحب سے زیادہ سینکڑوں ہزاروں کو دیوانہ بنا دیا اور جس کا منظر ہر وقت آستانۂ عالی پر لوگوں کو حیرت میں ڈال دیتا تھا۔

شہیدِ خنجرِ عشقِ تو کلغند ارانند
فتادہ در سرِ کوئے تو شہسوارانند

اسیرِ حلقۂ زلفِ تو رستگار انند
غلامِ نرگسِ مستِ تو تاجدار انند
خرابِ بادۂ لعلِ تو ہوشیار انند

اس جمالِ عدیم المثال کو ماہتاب سے کوئی نسبت نہیں کیونکہ اس کی چار دن کی چاندنی ہوتی ہے۔ اس حسن کی بہار کو اُس پھول سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی جو بادِ تند کے ایک ہلکے سے جھونکے سے مرجھا جاتا ہے یہ وہ پائیدار حسن ہے جس کے دائمی نقوش ہر زمانہ میں یادگار رہیں گے۔

یہ وہ پیاری صورت ہے جس پر خود حُسن و جمال کو ناز ہے۔:

مزے کر لیں کلیم اب بن پڑی ہے
بڑی اونچی جگہ قسمت لڑی ہے

اس واقعہ سے اس مسئلہ [illegible]یق کے علاوہ کہ پیرِ کامل کس طرح عشقِ مجازی سے حقیقت کی طرف مرید کو لاتا ہے اور کن کن دشواریوں کے بعد کامیابی کی مبارک صورت دیکھنی نصیب ہوتی ہے۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ حضورؒ انور نے باوجود قوت و اقتدار دونوں طرف سے کسی کو مجبور نہیں کیا کہ شادی کر لیں اور چونکہ دونوں مرید تھے اس لیے دونوں ہی کا ساتھ بھی دیا۔ یہ بات مشہور ہے کہ:

کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

عشق و محبت میں انسان کا دماغ بالکل بیکار ہو جاتا ہے اور محبت کی خاصیت یہی ہے کہ وہ اندھا کر دیتی ہے۔ مگر فریقین سے کس قدر ثابت قدمی کا اظہار ہوا اور پاک جذباتِ عشق و محبت قائم رہے۔ انسانی جذبات سے الگ آخر کونسی قوت ایسی ہے جس نے آخر وقت تک دونوں کو پاک دامن رکھا حقیقتہً یہی برکاتِ بیعت ہیں جو مختلف اشکال میں ظاہر ہوئے اور حضورؒ انور کے تمامی مریدین کو برکاتِ بیعت کا احساس ہے اور وہ اپنے اپنے ظرف کے موافق حضورِ انور کی برکتوں سے فائدہ اٹھانے کا ذکر کرتے ہیں۔